میراثِ نبوت اور باغ فدک کے موضوع پر تحقیقی دستاویز

از قلم حقیقت رقم، امامِ پاکستان

حضرت مولانا سید احمد شاہ بخاریؒ اجنالوی چوکیروی

ادارہ تحقیقات اہلِ سنت

بلال پارک، بیگم پورہ، لاہور

میراثِ نبوت اور باغ فدک کے موضوع پر تحقیقی دستاویز

از قلم حقیقت رقم، امامِ پاکستان

حضرت مولانا سید احمد شاہ بخاری رح اجنالوی چوکیروی

ادارہ تحقیقاتِ اہل سنت

بلال پارک، بیگم پورہ، لاہور

کتاب .... تحقیق فدک

مصنف .... حضرت علامہ سید احمد شاہ بخاری

ناشر .... ادارہ تحقیقات اہلسنت

0300-8099774

طابع .... اے۔ ایم پرنٹر لاہور

اشاعت پنجم .... جنوری ۲۰۱۰ء

قیمت

ملنے کا پتا

دار الکتاب غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔

کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

ادارۃ الانور علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

فہرست مضامین

باب دوم

باب سوم

باب چہارم

باب پنجم

باب ششم

تقاریظ

غواص بحر حقیقت فیاض علوم طریقت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ
خطیب جامع مسجد سرگودھا و مہتمم مدرسہ عربیہ سراج العلوم سرگودھا مغربی پاکستان

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على خاتم
النبيين وعلى اله واصحابه اجمعين

امابعد! اللہ تعالیٰ نے انسان کو مکلّف بنا کر اسباب و علل کا عالم بنایا۔ چونکہ عقول مختلف ہیں اس لیے مذاہب کا اختلاف لازمی ہوا۔ ولا يزالون مختلفين۔ نیز بعض ارباب تحقیق کو نیک توفیق عطا فرما کر راہ راست کی ہدایت فرمائی۔ دیکھو الا من رحم ربك، ان مرحومین حضرات کی جماعت میں حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب کا نام بھی درج فرمایا کہ ایسے معرکہ آراء مسئلہ کی تحقیق کی توفیق بخشی جو ہر دور میں فی مابین اہل سنت اور شیعہ حضرات کے بڑے بھاری نزاع کا باعث رہا۔ زیادہ لطف کی بات یہ ہے کہ مصنف ممدوح نے شیعہ کی کتب معتبرہ سے تمام حوالہ جات دیے ہیں۔ جو منصف مزاج کو راہ راست پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اس عرق ریزی اور محنت کا اجر حضرت مصنف ممدوح کو اللہ تعالیٰ دارین کی سعادت میں بخشے۔ امید کہ اس جامع کتاب سے ہر مطالعہ کرنے والا انصاف کو مدنظر رکھتے ہوئے صحیح نتیجہ اخذ کرے گا اور اس مسئلہ فدک کے اختلاف کو محض تعصب سمجھے گا۔

اللہ تعالیٰ حضرت مصنف کے باقیات صالحات میں اس کو درج فرمائیں اور اہل اسلام کے لیے مشعل ہدایت ثابت ہو۔

(احقر ابوسعید محمد شفیع عفی عنہ)

ماہر علوم شرعیہ محقق فنون عقلیہ مولانا مولوی قاضی شمس الدین صاحب
ساکن گوجرانوالہ

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى

رسالہ ''تحقیق فدک'' کے بعض مقامات کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جس کے متعلق مختصر عرض یہ ہے کہ آفتاب آمد دلیل آفتاب نہایت مدلل اور مستحکم طریق سے مسئلہ وراثت انبیاء علیہم السلام کو واضح کیا گیا۔ اور کما ینبغی تائید حق کی گئی۔

(العبد شمس الدین ابن شیر محمد عفی عنہ)

***

مفسر قرآن حکیم ماہر حکمت ولی اللّٰہی امام طریقت حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ
امیر انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى

اما بعد! حضرت مولانا احمد شاہ صاحب نے مسئلہ فدک کو شیعہ حضرات کی مسلمہ کتب سے مسلک اہل سنت والجماعت کے مطابق ثابت کرنے میں اپنا کمال دکھایا ہے۔ شیعہ حضرات اگر انصاف کی نظر سے مولانا کے پیش کردہ دلائل نقلیہ (جو ان کی کتابوں سے نقل کیے گئے ہیں) اور عقلیہ کو ملاحظہ فرمائیں تو انھیں مسلک اہل سنت والجماعت کے ساتھ اتفاق کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار باقی نہیں رہتا۔ اور اگر شیعہ حضرات اس مسئلہ میں اہل السنّت والجماعت کے ساتھ متفق ہو جائیں تو باقی مسائل میں بھی ایک دوسرے کے قریب ہو سکتے ہیں اور اگر مسلمانوں میں شیعہ اور سنی دونوں متفق اور متحد ہو جائیں تو حمایت اسلام کے لیے یہ ایک بے نظیر طاقت بن سکتی ہے۔

حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ اس عرق ریزی اور محنت شاقہ کی جزائے خیر عطا فرمائے اور شیعہ حضرات کو نظر انصاف سے مطالعہ کرنے کی ہدایت عطا فرمائے آمین ثم آمین

(العارض احقر الانام احمد علی عفی عنہ)

جامع علوم شرعیہ ماہر علوم عقلیہ شیخ الحدیث والادب حضرت مولانا مولوی محمد ادریس صاحب صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، نیلا گنبد، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبی بعده

امابعد! رسالہ "تحقیق فدک" مصنفہ مولانا احمد شاہ صاحب مدظلہم کہیں کہیں سے دیکھا، دیکھ کر دل مسرور ہوا۔ بحمدہ تعالیٰ مفید اور محقق دلائل پر مشتمل ہے۔ امید ہے کہ طالبان حق کے لیے موجب ہدایت اور واقفان حقیقت کے لیے موجب طمانیت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو قبول فرمائے اور مصنف کو مقبولین میں سے بنائے۔

امين يا رب العالمين- ربنا تقبل منا انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم- وصلى الله وسلم ونبيه الكريم وعلى اله وازواجه واصحابه اجمعين

محمد ادریس کان اللہ لہ

۹ شوال المکرم ۱۳۷۴ھ

جامع معقول و منقول محقق فروع و اصول مولانا مولوی شمس الحق صاحب ساکن: ترنگ زئی ضلع پشاور صوبہ سرحد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالہ "تحقیق فدک" مؤلفہ مولانا مولوی احمد شاہ صاحب کے اہم مواضعات کو میں نے ملاحظہ کیا۔ فلک نجات کے جواب میں مذکورہ رسالہ فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ بقیہ مضامین بھی امید ہے کہ اسی شان کے ہوں گے۔ شیعہ حضرات کے لیے بھی رسالہ مذکورہ مشعل ہدایت ہوسکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ خشیت الٰہی اور انصاف کے جذبہ کے ماتحت اس کا مطالعہ کریں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ مصنف کی یہ خدمت بارگاہِ ایزدی میں مقبول ہو اور مزید خدمات دینیہ میں اللہ ان کا معین و ناصر ہو۔ (شمس الحق عفاہ اللہ عنہ)

۱۰ ذوالقعدہ ۱۳۷۴ھ

مناظر اہل سنت حضرت مولانا علامہ دوست محمد قریشی رحمہ اللہ

حق و باطل کے درمیان ٹکر روز اول سے جاری ہے۔ حقانیت سے انحراف کبھی دیدہ و دانستہ ہوتا ہے اور کبھی غلط فہمی سے۔ ہر باطل پرست گروہ کے عوام کچھ تو غلط تقلید کی بنا پر ضلالت کا شکار ہوتے ہیں اور کچھ دنیوی طمع و لالچ کی غرض سے۔

لیکن خواص کی لغزشوں میں جہاں کج روی، کج بینی، کج اندیشی اور کج فہمی کو دخل ہے۔ اس سے کہیں زیادہ دنیوی آرائش پرستی اور جاہ طلبی کو۔ میرے خیال میں مذکورہ امراض میں سے کوئی بھی مرض قابل؟ الا ماشاء اللہ

اہل حق ہمیشہ سے حسبۃً للہ باطل کی حقیقت کو بے نقاب کرتے چلے آئے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ باطل حقیقت میں ایک موم کا پہاڑ ہوتا ہے جسے دیکھنے والا انسان دیکھ متحیر و مبہوت سا رہ جاتا ہے لیکن اہل حق کی حقانیت نما برق جب اپنی پوری لمعانیت، درخشانیت اور تابانیت کے ساتھ آئی ہے وہ پگھل کر پانی پانی ہو جاتا ہے۔

انفرادیت سے نہ کبھی کفر و طغیان اور ظلم و عدوان پر غلبہ نصیب ہوا ہے اور نہ ہوگا۔

﴿وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ﴾

﴿وَاصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا﴾

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ﴾

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا﴾

جیسے قرآنی ارشادات سے پتا چلتا ہے کہ ظلمت ضلالت کو اگر ختم کیا جا سکتا ہے تو نور جمعیت سے اور بحمد اللہ یہ حصہ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں تنظیم اہل سنت کے خدام کو نصیب فرمایا ہے اور ان ہی میں سے ایک مرد کامل ضیغم اسلام فخر اہل سنت حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب چوکیرہ صدر مدرس مدرسہ دارالہدیٰ چوکیرہ ضلع سرگودھا ہی ہیں جنھوں نے حقانیت کی علمبرداری کرتے ہوئے ”فلک النجات“ کے صرف ایک باب کی تردید میں ایک علمی تحقیقی مقالہ سپرد قلم کیا ہے۔ جس کے مطالعہ سے اہل سنت علماء نہ صرف لطف اندوز ہو سکتے ہیں بلکہ ان دلائل عقلیہ و نقلیہ اور براہین قاطعہ کو از بر کر کے

خصم کا منہ بھی بند کر سکتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ کتاب علماء کے لیے نافع ہے تو مقررین و مبلغین کے لیے حرز جان سے کم نہیں۔

اہل سنت کی کوئی لائبریری، خطباء کا کوئی کتب خانہ اور مدارس اسلامیہ میں سے کوئی مکتب اس فقید المثال تصنیف سے خالی نہ رہنا چاہیے۔

آپ کا خیر اندیش

خادم تحریک تنظیم اہل سنت

دوست محمد قریشی ہاشمی

احمد پور شرقیہ، ریاست بہاولپور

۱۶-۴-۵۵

مقدمہ

خداوند تبارک وتعالیٰ کی صفات میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی ہے جو ذرات کائنات کو تفصیلی طور پر جانتا ہے۔ اور وہی ہے جو جزئیات عالم کی اول سے آخر تک خبر رکھتا ہے۔ اس کی نگاہ دقیقہ بین سے کوئی چیز اوجھل نہیں۔ اور اس کی قدرت شاملہ تمام ممکنات کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ وہ ایسا غیور ہے کہ مشرک کے لیے دائمی عذاب مہیا فرمایا ہے اور وہ ایسا غفور ہے کہ توبہ کرنے والے کے گناہ معاف کر کے ان کے قائم مقام نیکیاں لکھ دینے کا حکم فرشتوں کو دیتا ہے اور وہ اپنی خوشی کا ملاء اعلیٰ میں اعلان کرتا ہے۔ سب پیغمبروں کے آخر میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو تمام عالم کی ہدایت اور راہ نمائی کے لیے کھڑا کیا۔ اگر آنحضور ﷺ کا وجود مسعود نہ ہوتا تو صفات باری تعالیٰ کی معرفت ناممکن تھی۔ آپ ہی نے ذات وصفات کی معرفت کے دروازے آدم اور جن کی اولاد پر کھول دیے۔ آپ ہی نجات بنی آدم کے ذریعہ قرار پائے۔ آپ ہی کی اتباع میں بہشت ہے اور آپ ہی کی نافرمانی میں دوزخ مقرر ہے۔ بہت سے لوگوں نے آپ کو دیکھا تو خدا کو پالیا اور بہت سے لوگوں نے آپ کو سنا تو خدا کو پالیا۔ خدا تعالیٰ کی ہزاروں رحمتیں نازل ہوں آپ کی ذات پر اور آپ کی اولاد و ازواج مطہرات پر اور آپ کے ہم نشینوں اور جانشینوں پر۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلیما کثیرا کثیرا۔

اس کے بعد فقیر پر تقصیر مجسم سہو ونسیان بندہ پراگندہ احمد شاہ عفا اللہ عنہ خادم تدریس مدرسہ عربیہ دار الہدیٰ چوکیرہ ضلع سرگودھا مغربی پاکستان خدمت میں خواص و

عام اہل اسلام کی عرض کرتا ہے کہ ساری دنیا میں بہ نسبت شیعہ کے اہل سنت بھاری اکثریت رکھتے ہیں۔ یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے لیکن اپنے مذہب کی تبلیغ اور اپنے اصول کی اشاعت میں یہ لوگ بہ نسبت شیعہ کے بہت پیچھے ہیں۔شیعہ عوام کو دیکھو تو ہر ایک ان میں سے اپنے مذہب سے دلچسپی لیتا ہے اور مذہب کے جاننے والوں کی طرف ہر بات میں رجوع کرتا ہے اور اس راہ میں کسی قسم کے خرچ کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ ان کے مقابلے میں اہل سنت عوام کو دیکھو تو مذہبی دلچسپی ان میں برائے نام بھی نہیں ملتی اور مذہب کے جاننے والوں سے نفرت ہے۔ پھر کسی بات میں اہل علم کی طرف رجوع کریں تو کس طرح؟ اور اس راہ میں مال خرچ کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خواص کا مقابلہ اس طرح پر ہے کہ شیعہ علماء اول سے لے کر آج تک اپنے خاص اصول کی اشاعت میں خوب حساس واقع ہوئے ہیں۔ ان میں کوئی اہل علم ایسا نہیں گزرا جو بہت سی تصنیفات چھوڑ کر اس دنیا سے روانہ نہ ہوا ہو۔ اگر فریقین کے علماء کی تحقیق کی جائے تو یقیناً اہل سنت کے علماء بھاری اکثریت میں ہوں گے۔ لیکن اگر تصنیفات کی تعداد کی تحقیق کی جائے تو یقیناً شیعہ علماء کی تصنیفات اکثریت میں ہوں گی۔ تصنیفات سے مراد وہ کتابیں ہیں جو فریقین کے علماء نے ایک دوسرے کے اعتراضات کے جواب میں لکھی ہیں۔ اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ اہل سنت کے علماء ہر زمانہ میں گوشہ نشینی اور ترک دنیا اور خاموشی کو پسند کرتے رہے ہیں۔ اور ذکر الٰہی سے سروکار رکھا ہے۔ نہ کسی مخالف کی کوئی کتاب دیکھی اور نہ اس کی تردید کا خیال پیدا ہوا۔ نتیجہ اس کارروائی کا یہ ہوا کہ بہت سے بھولے بھالے لوگ کثرت تصنیف کو دیکھ کر شیعہ کی جانب مائل ہو گئے۔ دلائل کا امتحان کرنا تو ہر کسی کا کام نہیں ہے۔ دنیا پروپیگنڈا سے ضرور متاثر ہوتی ہے۔ یہ بات بھی کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے۔ یہاں تک کہ راقم الحروف بھی شیعہ کے پروپیگنڈے سے اثر پذیر ہوا۔ مگر ذوق تحقیق نے فوری تبدیلی مذہب سے روک لیا۔ سنی سے شیعہ ہونے کے لیے مطاعن فدک کو اگر دروازے کی حیثیت دے دی جائے تو میرے یہاں کچھ بعید نہیں ہے۔ میں نے سب سے پہلے

مطاعن فدک کی تحقیق کی ہے اور شیعہ اعتراضات کو غلط پایا ہے۔ جس قدر شیعہ اعتراضات کو غور سے دیکھا ہے اسی قدر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پوزیشن کو اعلیٰ و ارفع پایا ہے۔ جس قدر شیعہ نے آپ کے دامن کو ملوث کرنے کی کوشش کی ہے اسی قدر آپ کا دامن پاک اور صاف نظر آیا ہے۔ میرے ان تاثرات کو ناظرین کرام رسالہ ہذا نامی تحقیق فدک میں مطالعہ کر سکتے ہیں۔

چونکہ اس رسالہ میں تمام بحث فدک سے متعلق ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ناظرین کرام کے سامنے فدک کی حقیقت بیان کر دی جائے۔ نیز یہ بیان کر دیا جائے کہ فدک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں کس طرح آیا تھا۔

فدک

فدک ایک شہر کا نام تھا جو مدینہ منورہ سے شمالی جانب سے تقریباً تین منزل کی مسافت پر واقع تھا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اپنی کتاب فتح الباری مطبوعہ مطبع بہیہ مصر جلد ششم ص ۱۵۱ پر تحریر فرماتے ہیں:

((واما فدك وهي بفتح الفآء والمهملة بعدها كاف بلد بينها وبين المدينة ثلاث مراحل))

''اور فدک کی فا اور دال دونوں زبر سے ہیں اور آخر میں کاف ہے۔ یہ ایک شہر ہے جس کے درمیان اور مدینہ منورہ کے درمیان تین منزل کا فاصلہ ہے۔''

۷ھ میں جب خیبر فتح ہو گیا تو یہود فدک نے مرعوب ہو کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کر لی۔ اور پیداوار میں سے اہل خیبر کی طرح حصہ دینا منظور کر لیا۔ اراضی فدک کی آمدنی میں سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر کے اخراجات اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر کے اخراجات الگ کر لیتے تھے۔ باقی ماندہ کو مساکین مدینہ اور یتامیٰ پر خرچ کرتے تھے۔ اسی فدک کی آمدنی میں سے جہاد فی سبیل اللہ اور آنے جانے والے مسافروں پر خرچ کیا کرتے تھے۔ نیز بنو ہاشم کے نکاحوں پر بھی اسی فدک کی آمدنی میں سے خرچ

کرتے تھے۔ الغرض فدک کا علاقہ خاص آنحضور ﷺ کی ملک میں تھا۔ آنحضور ﷺ اس میں مالکانہ تصرف فرمایا کرتے تھے۔ پھر جب آنحضور ﷺ اس جہان سے روانہ ہونے لگے تو خدا کی راہ میں وقف کر گئے۔ فرمایا:

((نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناه فهو صدقة))

''ہم پیغمبروں کی جماعت ہیں، کسی کو اپنا وارث بنا کے نہیں جاتے۔ جو کچھ ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ خدا کی راہ میں وقف ہو جاتا ہے۔''

مراد دنیوی میراث ہے جیسا کہ آئندہ صفحات میں واضح کیا جائے گا۔

لطیفہ

اصول کافی میں ایک حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فدک کسی ملک کا نام ہے جو ہزاروں مربع میل رقبہ پر مشتمل ہے۔ ملاحظہ ہو صافی شرح اصول کافی کتاب الحجۃ جز سوم حصہ دوم ص ۳۶۰۔

((فقال المهدی یا ابا الحسن حدها لی فقال حد منها جبل احد وحد منها عریش مصر وحد منها سیف البحر وحد منها دومة الجندل))

''مہدی عباسی نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ فدک کی حدود بیان فرماویں تو آپ نے فرمایا ایک حد اس کی احد پہاڑ ہے۔ دوسری حد اس کی عریش مصر ہے۔ تیسری حد اس کی سمندر کا کنارہ ہے۔ اور چوتھی حد اس کی دومۃ الجندل ہے۔''

ناظرین کرام! قاضی نور اللہ شوستری نے تعیین حدود فدک میں اس حدیث کو اپنی کتاب مجالس المومنین میں ترجیح دی ہے۔ فرمایا کہ:

((صاحب البیت ادریٰ بما فیه))

''یعنی گھر کے مالک خوب جانتے ہیں کہ اس میں کیا کیا رکھا ہے۔''

راقم الحروف کے نزدیک یہ روایت موضوع ہے۔ مفتریات شیعہ میں سے ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم رحمہ اللہ کی شان اس قسم کی روایتوں سے دور ہے۔ آپ اس قسم کی خلاف واقع بات کیسے ارشاد فرما سکتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فدک نہ ایک شہر کا نام ہے نہ کسی ملک کا نام ہے اور نہ کسی خاص باغیچہ کا نام ہے۔ اور جس طرح بڑے شہروں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے گاؤں متعلق ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس کے ساتھ بھی کچھ گاؤں ملحق ہوں تو کچھ بعید نہیں ہے۔

راقم الحروف کا ارادہ تھا کہ فدک کے محل وقوع پر تاریخ اور جغرافیہ کے معلومات جمع کیے جائیں مگر تنگیِ وقت کی وجہ سے سر دست اختصار سے کام لینا پڑا۔ اگر زندگی باقی رہی تو دوسرے ایڈیشن میں اس کمی کو پورا کر دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز

دوسری عرض یہ ہے کہ اس رسالہ میں جو حوالہ بھی لکھا ہے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر لکھا ہے۔ اس لیے ناظرین کرام نقل در نقل کا تصور ہرگز نہ کریں۔

تیسری عرض یہ ہے کہ شیعہ علماء میں سے جو صاحب اس رسالہ کی تردید لکھنا چاہیں وہ رسالہ کی عبارت پوری پوری نقل کر کے تردید کریں۔ قطع و برید سے کام نہ لیں۔ جس طرح کہ راقم الحروف نے فلک النجات کی عبارتیں پوری پوری نقل کی ہیں۔ اور پھر جواب لکھنے کی کوشش کی ہے۔ ع

گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر!
میں نے تو درگزر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

حررہ

احمد شاہ بخاری عفا اللہ عنہ

بتاریخ ہشتم اگست ۱۹۵۵ء بروز دوشنبہ

متوطن چوکیرہ ضلع سرگودھا

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر!

(اقبالؒ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ طبع دوم

خداوند تبارک و تعالیٰ کا ہزار در ہزار شکر ہے کہ اس نے مجھے بصورت تصنیف خدمت اسلام کی توفیق ارزانی فرمائی۔ اور میں اپنے آپ کو بڑا ہی خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ آنحضور ﷺ کی آل پر اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات کا انکشاف میرے حصے میں آیا۔ بلکہ مجھے فخر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت عظام کی طرف سے مدافعت کرنے والے گروہ کی جوتیوں میں بیٹھنے کے قابل ہو گیا ہوں۔

الحمد للہ کہ زمین فدک کے قضیہ کو آڑ بنا کر شیعہ و رافضہ نے دامن صدیقؓ اور چادر زہراؓ اور عمامہ مرتضیٰؓ پر جو شبہات کے چھینٹے ڈالے تھے اور ان پاکیزہ ہستیوں کے پاکیزہ لباس کو داغ دار بنانے کی جو سعی کی تھی۔ ''تحقیق فدک'' کا مطالعہ کرنے والوں پر اس کی حقیقت منکشف ہو گئی اور جیسا کہ مذکورۃ الصدر تینوں ہستیوں کی سیرت مقدسہ بے داغ اور بے غبار ہو کر جلوہ گر ہونے لگی۔ ٹھیک اسی طرح چاند اور سورج کی روشنی کے منکر بھی اپنے اصلی روپ میں نمودار ہو گئے ع

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمہ آفتاب را چہ گناہ

بحمد اللہ تعالیٰ یہ ناچیز تصنیف نامی ''تحقیق فدک'' اپنی توقعات سے بڑھ کر قبول عام حاصل کر چکی ہے اور خاص و عام اہل اسلام نے اسے بے حد پسند کیا ہے اس رسالہ کے کسی مضمون پر کسی اہل علم بزرگ کو گرفت کی نوبت نہیں آئی۔ مگر ایک مضمون پر

ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا ہے۔ چنانچہ طبع دوم میں سے اس مضمون کو کاٹ دیا گیا ہے۔ میری مراد وہ مضمون ہے جو بخاری شریف کی حدیث کے جوابات کے سلسلہ کی تیسری کڑی ہے جو ''تحقیق فدک'' طبع اول کے صفحہ ۱۱۱ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ میں نے اس جواب سوم میں ابن شہاب زہری کے شیعہ ہونے کا اظہار کیا تھا اور کتب معتبرہ شیعہ کے حوالہ جات سے اس جواب کو مزین کیا تھا۔ میرا مقصد اس سے محض الزام دینا تھا۔ اگر میرے نزدیک یہ جواب تحقیقی ہوتا تو میرا فرض تھا کہ اہل سنت کی مستند کتابوں سے اس چیز کو ثابت کرتا۔ مگر تحقیق فدک کا مطالعہ کرنے والے گواہ ہیں کہ میں نے اس جواب میں کسی سنی کتاب کا حوالہ پیش نہیں کیا۔ حق کے طالب کے لیے جواب سوم کے الزامی ہونے کے واسطے صرف یہی دلیل کافی ہے۔ جن دنوں میری کتاب ''تحقیق فدک'' زیور طباعت سے آراستہ ہو کر جلوہ گر ہوئی۔ بلاتوقف صدیقوں کے دشمنوں بلکہ صداقت کے مخالفوں نے اس کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا۔ یہاں تک کہ اہل سنت والجماعت کے مسلّم اور برگزیدہ علمائے کرام سے ابن شہاب زہری کے سنی ہونے کے فتوے حاصل کیے۔ اور اپنے اخبارات میں جلی سرخیوں کے ساتھ اور نمایاں عنوانات میں درج کیے۔ چنانچہ راقم الحروف نے ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور میں اور پندرہ روزہ ''الفاروق'' چوکیرہ سرگودھا میں نام بردہ جواب سوم کے الزامی ہونے کا اعلان کر دیا۔ اور ساتھ ہی دریافت کیا کہ آیا شیعہ کی کتابوں میں الزامی جوابات کا وجود ہے یا کوئی نہیں؟ پھر اس کے بعد میں نے کتب شیعہ سے الزامی جوابات کی نشاندہی بھی کر دی۔ آج سات برس ہونے کو آئے ہیں مگر کسی شیعہ عالم نے مہر سکوت نہیں توڑی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے ان کی زبان یا زبان قلم پر قبضہ کر رکھا ہے۔ ہاں گاہے گاہے ازرہِ شرارت اور دھوکا بازی اس چیز کو دہرا دیتے ہیں جس کے جواب باصواب نے انہیں مبتلائے عذاب کر دیا ہوا ہے۔ ماسٹر منظور حسین صاحب اجنالوی نے بھی اپنی برائے نام ''توثیق فدک'' بہ جواب ''تحقیق فدک'' میں ابن شہاب زہری کے تشیع کی تردید پر بہت زور مارا ہے۔ اور ان کا سنی ہونا کتب رجال اہل سنت کی اور فتاویٰ علمائے

اہل سنت سے ثابت کیا ہے۔ میں نے اعلان کر دیا تھا کہ شیعہ مبلغین کو ابن شہاب زہری کے سنی ثابت کرنے کے لیے دور جانے کی کوئی ضرورت نہیں وہ مجھ سے استفتا کریں۔ میں تو اپنے قلم سے ان کا سنی ہونا لکھ دوں گا۔ مگر شیعہ مبلغین کا مقصد اظہار حق نہ تھا۔ وہ تو صرف یہی چاہتے تھے کہ کسی طرح ''تحقیق فدک'' کے اثر و رسوخ اور اس کے قبول عام کو روکنے میں کامیاب ہو جائیں۔ اس لیے انہوں نے ہر ناجائز حربہ کو استعمال کرنے میں کوئی شرمندگی محسوس نہ کی اور باوجود اس کے کہ ان کا ضمیر انھیں ملامت کرتا رہا پوری ڈھٹائی سے میرے خلاف پروپیگنڈا کرتے رہے۔ جب کہ میں نے اس جواب کو الزامی قرار دیا تھا۔ تو فن مناظرہ کے اصول کے ماتحت شیعہ مبلغین کا فرض تھا کہ اپنی کتب معتبرہ سے ابن شہاب زہری کے تشیع کی تردید کرتے۔ یہ چیز تو ان کے بس کا روگ نہ تھی۔ اس واسطے اہل سنت کی کتابوں سے ''ابن شہاب زہری'' کے سنی ہونے کو ثابت کرنے لگ گئے۔

خدا کے بندو! جب تمھاری کتب سے نام بردہ بزرگ کا تشیع ثابت کیا گیا ہے تو تم اپنی معتبر کتابوں سے جواب پیش کرو۔ اس موقع پر تو تمھیں اہل سنت کی کتابوں کا نام لینا بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ الزام تمھاری کتابوں کی رو سے ہے۔ خیر بہر حال اس بات کا احتمال باقی تھا کہ جو شخص جواب سوم کی حقیقت سے واقف نہیں وہ ابن شہاب زہری کو شیعہ خیال کرے گا اس واسطے میں نے اب طبع دوم میں سے جواب سوم نام بردہ کے بجائے اور جواب درج کر دیا ہے۔

طریق مطالعہ

جو ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں اب پہنچ رہا ہے اس میں ''تحقیق فدک'' کے ساتھ ایک ضمیمہ شامل کر دیا گیا ہے۔ میں نے اختصار کے لیے بڑی جد و جہد کی، مگر پھر بھی یہ ضمیمہ قدرے طویل ہو ہی گیا۔ عبارت میں کوئی طول نہیں۔ مضامین ہی نہایت ضروری تھے۔ اس ضمیمہ کے مضامین میں کوئی مضمون بھی حذف واسقاط کے قابل نظر نہ آیا۔ پس کتاب ہذا کا مطالعہ کرنے والے حضرات کا فرض ہے کہ وہ ''تحقیق فدک'' کے

اس صفحہ کو دیکھ لیں جس سے ضمیمہ کا تعلق ہو۔ ہر ایک ضمیمہ کے آغاز میں صفحات متعلقہ کا نمبر دے دیا گیا ہے اور ساتھ ہی ماسٹر منظور حسین صاحب اجنالوی کے اعتراضات کو ان کی عبارت میں درج کر دیا گیا ہے تاکہ پڑھنے والے احباب کو ان کی کتاب کا مطالعہ ضروری نہ رہے۔ البتہ جو عزیز طبیعت میں خلش محسوس کریں وہ ضرور جناب ماسٹر صاحب کی کتاب کو بھی سامنے رکھ لیں۔

پہلے خیال تھا کہ تحقیق فدک کو دو حصوں میں شائع کروں گا۔ مگر اب تجربہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ مسلمانوں میں علم اور تحقیقات علمی کا اشتیاق کم ہوتا جا رہا ہے اور ناولیات اور غزلیات پر لٹو ہو رہے ہیں۔ اس لیے میں نے اپنے پروگرام میں اختصار مناسب جانا اور بجائے دوسری جلد کے مختصر سا ضمیمہ تحقیق فدک کے ساتھ لگا دیا گیا۔

اس اختصار کا موجب وہ تصنیف بھی ہے جو زیر ترتیب ہے اور جس میں شیعہ وسنی تنازعات کے موٹے موٹے عنوانات پر تحقیقی بحث مقصود ہے۔ میرے تدریس کے مشاغل بھی مجوزہ تصنیف کی تیاری اور اشاعت میں رکاوٹ ثابت ہو رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ خداوند تبارک و تعالیٰ کوئی ایسی صورت پیدا کر دیں جو تدریس کے مشاغل میں تخفیف کا سبب بن جائے۔ وما ذلك على الله بعزيز۔

مخالف کا اقرار

ہر وہ شہادت جو مخالف حضرات ایک دوسرے کے حق میں ادا کریں اس کی صداقت اقوام عالم کے مسلّمات میں سے ہے اور جو گواہی ضرر رسانی اور نقصان دہی کا نتیجہ ساتھ لے آئے وہ بے اثر اور غیر معتبر ہوتی ہے۔ ماسٹر منظور حسین صاحب نے اپنی کتاب ''توثیق فدک'' میں سیکڑوں مقامات پر راقم الحروف کو جاہل اور بے علم اور نادان لکھا ہے۔ جیسا کہ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۰ سطر ۱۱ پر اس گنہگار کو ''ان پڑھ ملاں'' لکھ کر اپنے دل کو مطمئن کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر تعجب ہے کہ صفحہ ۱۱ پر اس ہیچ مداں کے حق میں مندرجہ ذیل فقرے کس طرح لکھ دیے گئے .... ''کسی قدر ہم کو بھی اعتراف ہے کہ کتاب واقعی ایک نئے ڈھنگ سے تحریر کی گئی ہے جو صرف اپنے مصنف کی جلالت

علمی کی ہی مظہر ہے اور بس۔"

"تحقیق فدک" اور اس کے مؤلف کے خلاف لکھنے والے کی زبان قلم سے مندرجہ بالا فقرہ ایک ایسی تقریظ ہے جو اپنے بزرگوں کی تقریظات سے بے نیاز کر دینے والی ہے۔ میں حیران ہوں کہ جو شخص اپنی کتاب کی سطر سطر پر مجھے جاہل اور نادان لکھتا ہے اس نے میری علمی جلالت کا کیوں کر اقرار کیا؟ وہ کون ہے جس نے آپ سے یہ اقرار کرایا ہے؟ بڑے غور وفکر کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ وہی ہے جس نے شیعی مترجمین اور رافضی مفسرین کے قلم سے سورۂ توبہ کی آیت غار کے ماتحت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ثانی اثنین کے مصداق میں لکھوا دیا ہے۔

فدک میں شیعی منطق

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو غاصب فدک قرار دینے والے جب غصب فدک کی وجہ بیان کرنے لگتے ہیں تو ان کی حالت عجیب بلکہ تعجب خیز ہوتی ہے۔ نہ تو آپ نے اراضی فدک سے خود نفع اٹھایا اور نہ اپنی اولاد کے حوالہ کیا۔ یہ بات شیعہ متکلمین کے یہاں بھی ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ اس لیے اس گناہِ عظیم کی علت کا دریافت کرنا ایک ایسا مرحلہ ہے جس نے اہل قلم حضرات کو سخت مصیبت میں ڈال دیا ہے........."توثیق فدک" بجواب "تحقیق فدک" میں جس منطق کو ہزار بار دہرایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ بنو ہاشم کی سیاسی پوزیشن کو کمزور کرنے کے لیے غصب فدک عمل میں آیا تھا۔ اگر فدک حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہتا تو مدینہ منورہ کے مساکین اور یتامیٰ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دست نگر ہوتے اور ہر کام میں ان کے معاون ومددگار ہوتے، فدک کے ہاتھ سے نکل جانے کی وجہ سے مہاجرین اور انصار مدینہ نے ادھر سے منہ پھیر لیا اور سب کے سب ان کے یار ومددگار ہو گئے جن کے قبضہ میں فدک کی آمدنی تھی اس منطق کا خلاصہ یہ ہوگا کہ تمام مہاجرین اور انصار مدینہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت اس لیے کی تھی کہ زمین فدک آپ کے قبضے میں تھی۔ اور سب دیکھ رہے تھے کہ بیعت کرتے ہی فدک کی گندم اور کھجوروں سے لطف اندوز ہو

جائیں گے۔ اس انوکھی منطق کے مصنف صاحبان کو اتنی بھی خبر نہیں ہوئی کہ صدیقی بیعت کے وقت فدک کس کے قبضہ میں تھا؟ شیعہ وسنی اہل علم اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ زمین فدک سے متعلق جو سوال اٹھایا گیا تھا وہ خلافت صدیق اکبر کے یوم انعقاد سے دسویں روز تھا۔ جیسا کہ شیعہ کی مشہور کتاب حدیدی شرح نہج البلاغہ جلد دوم، جز یازدہم کے صفحہ ۳۰۵ پر بصراحت موجود ہے جبکہ حسب مزعومات شیعہ بوقت وفات نبی ﷺ زمین فدک حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے قبضہ میں تھی، صدیق اکبر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں نہ تھی۔ تو مہاجرین وانصار نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کیوں کر کی؟ اگر فدک سے سیاسی پوزیشن بنتی تو لازم تھا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی جاتی۔ معلوم ہوا کہ زمین فدک کے ساتھ کوئی سیاسی معاملہ وابستہ نہ تھا۔ شیعہ متکلمین کی خام خیالی اور پریشان دماغی ہے، اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔

زاہد ترین انسان

شیعہ حضرات کا دعویٰ ہے کہ وہ آل نبی ﷺ کے علوم اور فتاویٰ کو کامل حجت مانتے ہیں۔ اس لیے ہم یہاں حضرت صدیق اکبر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے متعلق امام جعفر صادق رحمہ اللہ کا وہ فتویٰ پیش کرتے ہیں جو شیعہ مجتہد محمد بن یعقوب کلینی نے اپنی فروع کافی میں سند صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے حضرت ابوبکر، حضرت ابوذر اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: من ازھد من ھولآء یعنی ان تینوں سے زیادہ زاہد اور تارک دنیا کوئی نہیں۔

(دیکھو فروع کافی، مطبوعہ تہران، جلد اول صفحہ ۳۴۶ نیز فروع کافی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ جلد دوم ص ۴)

ناظرین کرام! امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے ارشاد میں غور کریں کیا مطاعن فدک کے لیے آپ نے کوئی گنجائش باقی رکھی ہے؟ ہرگز نہیں۔ زاہد ترین مردم یا زاہد ترین امت محمدیہ کون ہے؟ ائمہ اہل بیتؑ سے پوچھو اگر ان بزرگوں پر ایمان ہے۔ اب ایک طرف شیعہ متکلمین کے بیانات رکھیے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دنیا دار اور فریب کار ثابت کر رہے ہیں، اور دوسری طرف امام جعفر صادق رحمہ اللہ کا مذکورہ ارشاد رکھیے جو

آپ کو زاہد ترین مردم اور تارک دنیا اور ورع ثابت کر رہا ہے۔ اور پھر انصاف سے کہیے کہ کون سا پلڑا بھاری ہے اور حقانیت کون سے پلڑے میں ہے۔

شکست کا احساس

حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کا ارشاد گرامی شیعہ نظریات کے لیے سم قاتل کا حکم رکھتا ہے۔ اسی واسطے فروع کافی، مطبوعہ تہران میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی موجود نہیں ہے۔ یہ سہو کاتب نہیں بن سکتا بلکہ ایران کے مجتہدین کی دیدہ و دانستہ کارروائی ہے۔ ایرانی مجتہدین کی اس کارروائی کا علم ہمیں اس وقت ہوا جب لکھنؤ کی مطبوعہ ''فروع کافی'' سے حدیث کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ کیونکہ اس نسخہ میں سیدنا صدیق اکبر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام نامی و اسم گرامی درج ہے۔ جو صاحب اشتیاق اس چیز کا تماشا کرنا چاہے وہ دونوں نسخے سامنے رکھ کر یہ عجیب تماشا دیکھ سکتا ہے۔

احمد شاہ بخاری
چوکیرہ ضلع سرگودھا
جمعرات ۶؍ دسمبر ۱۹۶۲ء

عرض حال

زیر نظر کتاب لاجواب تحقیق فدک تصنیف لطیف امام پاکستان حضرت مولانا سید احمد شاہ بخاری رحمہ اللہ طبع پنجم کو بہت پہلے منظر عام پر آنا چاہیے تھا۔ لیکن

ع ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا

موجودہ دور میں طباعت کے لوازمات کی نزاکت کے باعث اشاعتی کام کس قدر مشکل ہو چکا ہے اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اس کام سے وابستہ ہیں حضرت والد ماجد امام پاکستان کی کتاب تحقیق فدک کی سابقہ کتابت کی غلطیاں درست کرنا اور ساتھ آج کی نئی کتب شیعہ کے جو طبع جدید ہیں حوالہ جات کے صفحات لگانا اور ساتھ چند نئے حوالہ جات درج کرنا بڑی ذمہ داری کا کام تھا۔ زیادہ عرصہ اسی میں صرف ہوا۔ بہر حال احقر نے ان تمام مشکلات کو عبور کر کے اس کتاب کی اشاعت کا حق ادا کرنے میں اپنی پوری کوشش کی ہے۔

کاوش قارئین کے سامنے ہے اللہ کریم قبول فرمائیں۔ حضرت والد ماجد رحمہ اللہ نے یہ کتاب لاجواب ایک بہت بڑے غالی شیعہ عالم کی کتاب فلک النجاۃ کے ایک باب (فدک) کا جواب دیا تھا۔ کتاب فلک النجاۃ کے مصنف مولوی علی محمد اور مترجم و محشی مولوی حکیم امیر الدین جھنگوی ہیں۔ ماسٹر منظور حسین شاہ اجنالوی نے کتاب تحقیق فدک کا جواب اپنی نامی کتاب توثیق فدک دیا ہے جس کی تقریظ مبلغ اعظم مولوی اسماعیل شیعہ نے لکھی ہے اور کتاب توثیق فدک کو اعجاز حسینی قرار دیا ہے۔

اب یہ پنجم ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے اس ایڈیشن کو دار الکتاب کے مالک

مولانا حافظ ندیم صاحب جو فاضل جامعہ اشرفیہ ہیں، نے عمدہ انداز میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ اللہ کریم ان کی خدمت قبول فرمائیں اور آیندہ تمام کتابیں حضرت امام پاکستان کی شائع کرنے کی توفیق عنایت فرمائیں۔

تری محنت کا الفاروق اک ادنیٰ کرشمہ ہے
سو تحقیق فدک کو بھی نرالا کر دیا تو نے
ہزاروں زور مارے صاحب تبلیغ شیعہ نے
غلط ہوتا نہیں ہے جو حوالہ کر دیا تو نے

حضرت مولانا محبوب احمد صاحب نے کتاب کی تصحیح کرنے میں احقر کا بھرپور تعاون کیا ہے دوسری کتابوں کی بھی تصحیح کر رہے ہیں، احقر ان کا تہ دل سے شکرگزار و ممنون ہے۔ اللہ کریم ان کے علم وعمل میں برکت فرمائیں۔

حسبنا اللہ ونعم الوکیل

والسلام

محمد قاسم شاہ

۲۶ جولائی ۲۰۰۹ء

بروز اتوار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین وعلی آلہ واصحابہ الطیبین الطاھرین۔

برادران اسلام کی خدمت میں بندۂ پر تقصیر احمد شاہ خادم مدرسہ عربیہ دارالہدیٰ چوکیرہ ضلع سرگودھا مغربی پاکستان ایک مقالہ پیش کرتا ہے۔ جس میں مسئلہ فدک کے بارے میں اپنے معلومات کو جمع کیا ہے اور اہل اسلام کے اندر جو ایک پرانا تنازع ہے اس کے صاف کرنے کی کوشش کی ہے۔ خداوندا میری اس خدمت کو قبول فرما اور اہل اسلام کے لیے نہایت مفید بنا، اور مجھے تعصب اور بے راہ روی سے بچا۔ آمین یا رب العالمین، آمین یا رب العالمین، آمین یا رب العالمین۔

باب اول

میراثِ انبیاء کے بیان میں

جس طرح حضور پر نور ﷺ کے لیے چار سے زائد نکاح درست تھے اور یہ آنحضور ﷺ کی خصوصیت تھی، اسی طرح حضور ﷺ نے اس جہانِ فانی سے روانگی پر اپنے وارثوں کے لیے علم شریعت اور علم اسرار شریعت میراث میں چھوڑا، دنیا کی چیزوں میں سے کوئی چیز آنحضور ﷺ نے میراث میں نہیں چھوڑی، عقلی اور نقلی دلائل ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

پہلی دلیل

(اصول کافی باب العالم والمتعلم صفحہ ۸ (اصول کافی جلد ا ص ۶۵ طبع جدید تہران)

((عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال قال رسول اللہ ﷺ ان العلماء ورثۃ الانبیاء ان الانبیاء لم یورثوھا دینارا ولادرھما ولکن

اورثوا العلم فمن اخذ منه اخذ بحظ وافر))

''حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ خدا کے رسول ﷺ نے فرمایا علمائے دین اسلام پیغمبروں کے وارث ہوتے ہیں، اس لیے کہ خدا کے پیغمبر کسی شخص کو سونے چاندی کا وارث نہیں بناتے۔ لیکن وہ علم دین کا وارث بناتے ہیں۔ پس جس نے علم دین حاصل کیا وہ بڑا نیک بخت ہے، اس نے بہت کچھ حاصل کیا۔''

ناظرین کرام! یہ حدیث میراث انبیاء پر نص صریح ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی میراث دین ہے، دنیا نہیں ہے۔ اس حدیث شریف کو سرسری نظر دیکھنے سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے، سوال مع جواب ملاحظہ ہو۔

سوال: اس حدیث شریف میں سونے چاندی کی میراث کی نفی تو موجود ہے زمین اور مکان کی نفی موجود نہیں ہے۔ پس یہ دلیل پورے دعویٰ کو ثابت نہیں کرتی بلکہ آدھے دعویٰ کو ثابت کرتی ہے۔ مناظرہ کی اصطلاح میں تقریب تام نہیں ہے۔

جواب: متکلم کے مقصود کو دریافت کرنا ہر عقلمند کے لیے ضروری ہے۔ اس حدیث شریف میں اگرچہ سونے چاندی کا مذکور ہے۔ مگر مقصود متکلم دنیوی چیز کی میراث کی نفی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ لفظ ولکن کے بعد علم دین کا مذکور ہے اور یہ مسلم ہے کہ لفظ لکن استدراک کے واسطے بنایا گیا ہے۔ استدراک وہم کے دفعیہ کو کہتے ہیں۔ تو یہاں سامع کے دل میں وہم یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب درہم و دینار کی میراث کی نفی ہوگئی تو سرے سے میراث ہی نہ رہا۔ یا کہ میراث کی کوئی قسم باقی رہ گئی؟ اس وہم کو متکلم نے دفع کر دیا کہ علم شریعت کی میراث باقی ہے۔ اس کے علاوہ سب قسم کی میراث ختم ہوگئی ہیں۔ اگر مقصود متکلم صرف سونے چاندی کی میراث کی نفی ہوتی اور زمین اور مکانات کی میراث کو باقی رکھنا ہوتا تو یوں ارشاد ہوتا:

((ولکن اورثوا العلم والدار والعقار))

لفظ لکن کے بعد علم شریعت کو ذکر کرنا اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ

پیغمبروں کی میراث صرف علم شریعت ہے۔ کوئی دنیوی چیز ان بزرگوں کی میراث میں نہیں ہوتی۔ چاہے منقولات میں سے ہو اور چاہے غیر منقولات میں سے ہو، اور سونے چاندی کا ذکر حصر کے لیے نہیں۔

دوسری دلیل

اصول کافی باب صفۃ العلم وفضلہ صفحہ ۷ (اصول کافی جلد نمبر ا ص ۶۰ طبع تہران جدید مع ترجمہ فارسی طبع رابع)

((عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال ان العلماء ورثة الانبیآء وذاك ان الانبیآء لم یورثوا درھما ولا دینارا وانما اورثوا احادیث من احادیثھم فمن اخذ بشیء منھا فقد اخذ حظا وافرا))

"حضرت امام عالی مقام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا علمائے دین اسلام پیغمبروں کے وارث ہیں اور یہ اس لیے کہ پیغمبروں نے کسی کو سونے اور چاندی کا وارث نہیں بنایا۔ اور انہوں نے تو صرف شریعت کی باتوں کا وارث بنایا، پس جس کسی نے ان بزرگوں کی حدیثوں میں سے کچھ بھی حاصل کر لیا اس نے بڑا بھاری نصیبہ حاصل کیا۔"

ناظرین کرام! گزشتہ سوال یہاں بھی پیدا ہوتا ہے جواب کے لیے اس حدیث شریف میں لفظ انما موجود ہے۔ کلام عرب کے اندر یہ لفظ حصر کے لیے بنایا گیا ہے۔ حصر کے معنی بندش کے ہیں۔ پس اس حدیث شریف میں پیغمبروں کی میراث کو صرف ان کی حدیثوں میں بند کر دیا گیا ہے تو جس طرح ان بزرگوں کی میراث میں سونے چاندی کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ اسی طرح زمین اور مکانات کے لیے بھی میراث انبیاء میں کوئی مقام نہیں ہے، درہم و دینار کا ذکر محض نمونہ کے لیے ہے۔ دنیوی چیزوں میں سے بطور نمونہ چاندی سونے کا ذکر کر دیا۔ کوئی آدمی وہم نہ کرے کہ سونے چاندی کی میراث تو نہیں ہے اور زمین جائداد کی میراث باقی ہے۔

امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی اس حدیث شریف سے اہل سنت کا استدلال نہایت

ہی مضبوط ہے۔ علمائے شیعہ نے اس استدلال کو کمزور کرنے اور توڑنے کی بہت کوشش کی ہے مگر منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکے چنانچہ صاحب فلک النجات نے اپنی کتاب فلک النجات جلد اول ص ۳۹۶ طبع اول پر لکھا ہے کہ یہ حدیث ابو البختری کی روایت سے ہے اور وہ سارے جہاں سے زیادہ جھوٹ بولنے والا ہے۔ مراد آپ کی یہ ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے جیسا کہ ص ۱۹۷ پر مترجم نے واضح کر دیا ہے۔

جواب الجواب: صاحب فلک النجات نے کتاب حدیث اصول کافی کی پوزیشن کو نہیں پہچانا۔ اس لیے ضروری ہو گیا کہ کتاب اصول کافی کی پوزیشن کو واضح کر دیا جائے اور محققین علمائے شیعہ کے نظریات کتاب اصول کافی کے بارے میں یہاں درج کر دیے جائیں، تاکہ ناظرین کرام کو معلوم ہو جائے کہ اصول کافی کی حدیث کو موضوع لکھنے والا شیعہ کے ہاں کس قدر فریب خوردہ ہے۔

برادرانِ اسلام! شیعہ کتب احادیث میں اصول کافی کو جو درجہ حاصل ہے وہ کسی دوسری کتاب کو حاصل نہیں ہوا۔ حضرت شہید اوّل فرماتے ہیں:

((کتاب الکافی فی الحدیث الذی لم یعمل مثلہ فی الامامیۃ))

''علم حدیث میں کتاب کافی وہ کتاب ہے کہ فرقہ امامیہ میں اس کی مثل کوئی کتاب نہیں ہے۔''

((وقال الشیخ علی سبط الشھید الثانی فی کتابہ الدر المنظوم فلعمری لم ینسج ناسج علی منوالہ رمنہ یعلم قدر منزلتہ وجلالۃ حالہ))

''شہید ثانی کے پوتے شیخ علی اپنی کتاب در منظوم میں لکھتے ہیں مجھے میری زندگی کی قسم کسی کاریگر نے اس طرز پر کپڑا نہیں بنایا، یعنی کسی محدث نے اس طرح کی کتاب حدیث نہیں لکھی۔ اور اس کتاب سے مصنف کی منزلت کی مقدار اور شان کی بلندی معلوم ہوتی ہے۔''

ناظرین کرام! جس کتاب حدیث میں موضوعات بھری پڑی ہوں اس کی اس طرح مدح ہوسکتی ہے جس طرح کہ شیخ علی اور شہید اوّل کر رہے ہیں؟ معلوم ہوا کہ ان محققین کے ذہن اس چیز سے خالی تھے، جو صاحب فلک النجات کے ذہن میں پیدا ہوئی ہے۔

نیز کتاب روضۃ المتقین شرح الفقیہ کے مصنف نے اصول کافی میں محاکمہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سب مصنفین میں سے مولوی ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی پر زیادہ اعتماد ہے۔ اس لیے کہ مولوی کلینی نے اپنی کتاب کافی بیس برس میں تیار کی ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنی لمبی مدت زیادہ احتیاط کی وجہ سے صرف ہوئی ہے۔ جس قدر احتیاط مولوی کلینی سے صادر ہوئی ہے۔ صدوق اور شیخ طوسی سے نہیں ہوئی۔ ان کتابوں میں سہو پایا گیا ہے۔ مگر مولوی کلینی کی کتاب کافی میں سہو نہیں پایا گیا، مصنف روضۃ المتقین کی تقریر ختم ہوئی۔

ناظرین کرام! صاحب روضۃ المتقین تو فرماتے ہیں کہ کتاب اصول کافی میں کوئی سہو بھی نہیں ہے اور ہمارے مہربان صاحب فلک النجات ہیں کہ لکھتے ہیں یہ حدیث موضوع ہے۔ اگر حدیث میراث کو حدیث موضوع خیال کیا جائے تو لازم ہے کہ مولوی کلینی نے اپنی کتاب میں یہ حدیث سہواً درج کی ہو یا متعمداً جان بوجھ کر۔ دوسری شق کو تو کوئی شیعہ عقلمند قبول نہ کرے گا کیونکہ شیعہ مذہب کا مدار اسی کتاب پر ہے۔ پس ضرور پہلی شق قبول کرنا پڑے گی۔ اس صورت میں کافی میں سہو پایا گیا حالانکہ صاحب روضہ فرماتے ہیں کہ کتاب کافی سہو سے منزہ ہے۔

نیز کتاب من لایحضرہ الفقیہ کی فارسی شرح کے مقدمہ میں گیارھویں فائدے کے ضمن میں ہے:

"وہم چنیں احادیث مرسلہ محمد بن یعقوب کلینی و محمد بن بابویہ قمی بلکہ جمیع احادیث ایشاں کہ در کافی و من لایحضر است، ہمہ را صحیح مے تواں خواند۔ زیرا کہ شہادت ایں دو شیخ بزرگوار کمتر از شہادات اصحاب رجال نیست یقیناً بلکہ

بہتر است ۔“

”اسی طرح مولوی کلینی اور ابن بابویہ قمی کی مرسل حدیثیں بلکہ ساری حدیثیں جو کتاب کافی اور من لا یحضر میں ہیں۔ سب کو صحیح کہنا چاہیے۔ اس لیے کہ ان دونوں بزرگوں کی گواہی علمائے رجال کی گواہی سے کم نہیں، بلکہ بہتر ہے۔“

ناظرین کرام! شارح محقق کے بیان سے واضح ہوگیا کہ مولوی محمد بن یعقوب کلینی کا کسی حدیث کو اپنی کتاب میں درج کر دینا اس حدیث کے صحیح ہونے کی شہادت ہے۔ اگر علمائے رجال کوئی اعتراض کریں تو ان کی جرح پر مولوی کلینی کی تصدیق مقدم ہوگی کیونکہ علمائے رجال میں سے کوئی بھی فاضل کلینی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا۔

ناظرین کرام! محققین علمائے شیعہ کے یہ چاروں قول میں نے عین الغزال فی فہرس اسماء الرجال صفحہ ۲ سے نقل کیے ہیں۔ یہ چاروں قول صاحب فلک النجات کی تردید کے لیے کافی ہیں۔ دین اسلام کے اندر چار گواہوں سے زیادہ گواہی کا کوئی نصاب نہیں ہے۔ گواہی کا آخری نصاب چار گواہ ہیں۔ اس لیے میں نے حدیث میراث کے صحیح ہونے پر چار گواہ پیش کر دیے ہیں۔ اب صاحب فلک النجات کا اس حدیث شریف کو موضوع کہنا غلط ہوگیا شیعہ اصول کے اعتبار سے یہ حدیث صحیح ہے۔

اب حدیث میراث کی صحت ایک اور طریقے سے بیان کرتا ہوں سنیے، سنیے، مولوی محمد بن یعقوب کلینی نے وہ زمانہ پایا ہے جس کو شیعہ لوگ غیبت صغریٰ کا زمانہ کہتے ہیں۔ غیبت صغریٰ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے غائب ہو جانے کے بعد تقریباً ستر برس تک رہی ہے۔ اس زمانہ میں شیعہ تصورات کے مطابق کچھ ایسے لوگ تھے جو حضرت امام غائب سے ملاقات کر لیتے تھے، اور امام غائب شیعوں کو ہدایات بھیجتے تھے۔ توقیعات شریفہ انھی مکتوبات کو کہا جاتا ہے جو حضرت امام غائب علیہ السلام نے بعض شیعوں کے نام بھیجے ہیں۔ مولوی محمد بن یعقوب کلینی نے کتاب کافی اسی غیبت صغریٰ کے زمانہ میں تصنیف کی ہے۔ اگر اس کتاب میں وہ حدیثیں تھیں جو جھوٹے لوگوں کی گھڑی ہوئی

ہیں تو حضرت امام مہدی علیہ السلام ضرور ایک توقیع بھیج کر مولوی کلینی کو متنبہ فرما دیتے کہ مولوی صاحب اس کتاب میں سے فلاں حدیث نکال باہر کرو کہ وہ حدیث موضوع ہے کیا مال لینے کے لیے توقیع جاری ہو سکتی ہے اور کتاب کافی میں سے ایک حدیث موضوع باہر نکال دینے کے لیے توقیع برآمد نہیں ہو سکتی؟

حدیث میراث مذکور تو ضرور نکال دینے کے قابل تھی کیونکہ اس حدیث نے شیعہ مذہب کی بنیاد کو متزلزل کر دیا ہے، اس کے اخراج کے لیے توقیع شریف کا صادر نہ ہونا اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے موضوع نہیں ہے اور صاحب فلک النجات کا اس حدیث کو موضوع کہنا غلط ہے۔ اب میں ذرا ترقی کر کے ناظرین کرام کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ یہ کتاب حضرت امام مہدی علیہ السلام کی خدمت اقدس میں پیش ہو چکی ہے۔ آپ نے اس کتاب کو اول سے آخر تک دیکھا ہے۔ پھر اس کتاب کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے۔ آپ کے ملفوظ شریف یہ ہیں: هذا كاف لشيعتنا۔[1] یہاں سے معلوم ہوا کہ یہ کتاب شیعہ روایات کی رو سے حضرت امام مہدی علیہ السلام کی تصدیق شدہ ہے..... میرے سامنے کافی کا وہ نسخہ ہے جو تہران سے طبع ہو کر آیا ہے۔ سب سے پہلے ورق کی داہنی جانب ترجمۃ المصنف لکھا ہوا ہے جس میں یہ الفاظ موجود ہیں:

((الذي سماه حجة العصر صلوٰة الله عليه وسلامه بالكافي))

''یہ وہ کتاب ہے جس کو امام مہدی علیہ السلام نے کافی کے نام سے موسوم فرمایا۔''

ناممکن ہے کہ یہ کتاب آپ کی نظر سے نہ گزری ہو، اور آپ نے بغیر دیکھے اس کا نام کافی رکھ دیا ہو۔ شیعہ روایات کی رو سے ضرور یہ کتاب آپ کی نظر کیمیا اثر سے گزری ہے۔ پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ آپ اس موضوع حدیث کو قلم زد نہ فرمائیں۔ بلکہ کافی کا عالی شان لقب دے کر تصویب اور تصحیح فرمائیں، اب واضح ہو گیا کہ صاحب

[1] اصول کافی جلد ا ص ۱۵ طبع تہران ترجمۃ المصنف۔

فلک النجات کا فتویٰ اس حدیث کے موضوع ہونے پر حضرت امام عالی مقام مہدی علیہ السلام کے فتویٰ کو رد کرتا ہے ناظرین کرام ہی بتائیں کہ ہم اس حدیث کے بارے میں صاحب فلک النجات کی باتیں مانیں، یا امام مہدی علیہ السلام کی تحقیق کو تسلیم کریں۔ میرے نزدیک صاحب موصوف کی اس غلطی کی وجہ صرف آپ کا نو شیعہ ہونا ہے۔ اگر آپ اصلی شیعہ ہوتے تو حضرت امام علیہ السلام کے فتویٰ کو ہرگز رد نہ کرتے، یا پھر آپ نے کتب شیعہ کا مطالعہ نہیں کیا۔ بہر حال آپ کا یہ فتویٰ کہ یہ حدیث موضوع ہے ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔ ملا خلیل قزوینی شارح اصول کافی اپنی کتاب صافی شرح اصول کافی کے صفحہ ۴ پر رقمطراز ہیں:

الحق کتاب کافی کتاب عمدہ کتب احادیث اہل بیت علیہم السلام است و مصنف آں ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق رازی کلینی کہ مخالفاں نیز اعتراف بکمال فضیلت اونمودہ اند، از روئے احتیاط تمام آں را در بست سال تصنیف کردہ در زماں غیبت صغریٰ حضرت صاحب الزماں علیہ وعلی آلہ صلوٰت الرحمٰن کہ شصت ونہ سال بودہ ودراں زمان مومناں عرض مطلب می کردند بتوسط سفرائے یعنی خبر آوردگان از آنحضرت وایشاں چہار کس بودہ اند، وبترغیب ایشاں وکلائے بسیار بودہ اند کہ اموال از شیعہ امامیہ می گرفتند ومی رسانیدند و محمد بن یعقوب در بغداد نزدیک سفرا بودہ و در سال فوت آخر سفرا ابو الحسن علی بن محمد السمری کہ سال سہ صد و بست ۳۲۹ ونہ ہجری باشد فوت شدہ یا یک سال قبل ازاں پس می تواند بود کہ ایں کتاب مبارک بنظر اصلاح آں حجت خدائے تعالیٰ رسیدہ باشد۔

”حق بات یہ ہے کہ کتاب کافی احادیث اہل بیت کرام علیہم السلام کی ساری کتابوں میں سے عمدہ کتاب ہے اور اس کا مصنف ابو جعفر محمد بن یعقوب رازی کلینی ایسا عالم ہے کہ اس کی علمی فضیلت کا اقرار مخالفوں نے بھی کیا ہے۔ مصنف کی کامل احتیاط کا یہ نشان ہے کہ اس کتاب کو بیس سال میں تیار

کیا ہے۔ حضرت امام مہدی علیہ السلام کی غیبت صغریٰ کے زمانے میں جو ۶۹ انہتر سال ہوتے ہیں اور اس زمانہ میں شیعہ صاحبان اپنے مطلب سفیروں کے ذریعہ سے آپ کی خدمت اقدس میں پیش کرتے تھے اور سفیر چار بزرگ ہوئے ہیں اور ان کی ترغیب کے سبب سے بہت لوگ ان کے وکیل بن گئے تھے، جو شیعوں سے مال لے کر ان سفیروں کو دیتے تھے اور یہ سفیر وہ مال حضرت امام غائب علیہ السلام کو دیتے تھے، اور محمد بن یعقوب بغداد میں سفیروں کے پاس رہتا تھا۔ جس سال آخری سفیر ابو الحسن علی بن محمد سمری فوت ہوا تھا اسی سال یا اس سے ایک سال پہلے محمد بن یعقوب کلینی فوت ہوا تھا اور وہ تین سو انتیس ہجری تھا۔ پس ہوسکتا ہے کہ یہ مبارک کتاب اصلاح کے لیے خداتعالیٰ کی حجت حضرت امام غائب علیہ السلام کی خدمت میں پہنچائی گئی ہو۔''

ناظرین کرام ملا خلیل قزوینی کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی اہل علم نے اس کتاب کے امام غائب علیہ السلام کی خدمت میں پہنچنے کو عقل سے بعید کہا ہے۔ ملا خلیل صاحب اس کے استبعاد کو رفع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مذکورہ بالا تقریر سے چار باتیں خوب واضح ہو رہی ہیں۔

اول...... یہ کہ یہ کتاب حضرت امام علیہ السلام کی غیبت صغریٰ کے زمانہ میں لکھی گئی ہے۔

دوم...... یہ کہ کتب احادیث اہل بیت کرام علیہم السلام میں یہ کتاب سب سے زیادہ معتمد علیہ ہے۔

سوم...... یہ کہ یہ کتاب مبارک امام غائب علیہ السلام کی نظر سے گزری ہے۔

چہارم...... یہ کہ یہ کتاب حضرت امام علیہ السلام کی تصدیق شدہ ہے۔

اب روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ اس کتاب کی ساری حدیثیں صحیح ہیں۔ اس کتاب میں کوئی حدیث موضوع نہیں ہے اور صاحب فلک النجات کا دعویٰ کہ یہ حدیث میراث موضوع ہے۔ شیعہ روایات اور نظریات کے سخت خلاف ہے۔ اگر اس حدیث پر جرح کی گنجائش ہوتی تو ملا خلیل قزوینی بھی شیعہ تھے وہ کب چوکنے والے تھے؟

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
ایں راہ کہ تو مے روی بترکستان است

اہل سنت کے استدلال پر صاحب فلک النجات نے ایک اور اعتراض کیا ہے۔ اب ہم اس کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

صاحب فلک النجات اپنی کتاب فلک النجات طبع اول صفحہ ۳۹۷ پر لکھتے ہیں:

((ولو سلم فالجواب ان معنی الحدیث لیس کما زعم بل معناہ ان العلماء لیس الورثۃ الانبیاء فی الدارھم والدنانیر وغیرھما بل ھم ورثتھم فی الاحادیث وانما ورثۃ مالھم ھم الوارثون من الاقربین کما لسائر الناس))

''مترجم نے ترجمہ یوں لکھا ہے اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ یہ حدیث موضوع نہیں تو معنی حدیث کا وہ نہیں جو مخالف نے زعم کیا ہے، بلکہ معنی اس کا یہ ہے کہ علماء انبیاء کے دراہم و دنانیر وغیرہ میں وارث نہیں۔ بلکہ ان کی احادیث کے وارث ہیں۔ کیونکہ انبیاء کے مال کے وارث ان کے اقربا ہیں جیسا کہ باقی لوگوں کے ہیں۔ اور یہ امام نے واسطے دفع شبہ کے فرمایا۔ جو شبہ لفظ ورثۃ الانبیاء سے پیدا ہوا ہے۔ اس طرح کہ علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث کس طرح ہو گئے تو امام نے فرمایا ان کو ہمارے مال کی وراثت نہیں ملتی بلکہ ہماری غرض اس سے یہ ہے کہ وہ ہماری احادیث کے وارث ہوتے ہیں۔''

جواب الجواب: صاحب فلک النجات نے حدیث امام علیہ السلام کے معنی غلط لکھے ہیں۔ آپ کا قول کہ علماء انبیاء علیہم السلام کے دراہم و دنانیر وغیرہ میں وارث نہیں ہوتے۔ حدیث شریف کے کون سے فقرہ کا ترجمہ ہے۔ حدیث شریف کا درمیانی فقرہ یہ ہے:

((ان الانبیآء لم یورثوا درھما ولا دینارا))

اس فقرے کا صحیح ترجمہ وہ ہے جو ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ یعنی خدا کے پیغمبر کسی کو سونے چاندی کا وارث نہیں بنا جاتے۔ عربی زبان سے اور اس کے قواعد سے جو شخص بھی واقف

ہو گا وہ گواہی دے گا کہ صاحب فلک النجات نے جو ترجمہ اس حدیث کا لکھا ہے وہ غلط ہے۔ چاہے سنی ہو یا شیعہ۔ اس فقرے میں علماء کا مذکور تک نہیں ہے۔ فصیح و بلیغ لوگ مفاعیل عامہ کو حذف کر جاتے ہیں۔ مفاعیل خاصہ کو حذف نہیں کیا کرتے۔ دیکھو قرآن کریم میں ہے:

﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ﴾

''اللہ تعالیٰ ہر کسی کو بہشت کی جانب بلاتے ہیں۔''

اس آیت شریف میں يَدْعُوْٓا کا مفعول محذوف ہے۔ اور وہ لفظ کل واحد ہے جو مفاعیل عامہ میں سے ہے۔ اس حدیث میراث میں بھی لم یورثوا کا مفعول بہ عام ہے اور وہ لفظ احداً ہے۔ اس محذوف کو ظاہر کیا جائے تو عبارت حدیث کی یوں ہو گی:

((ان الانبیاء لم یورثوا احدا درهما ولا دینارا وانما اورثوا احادیث احادیثهم......))

ترجمہ یوں ہو گا:

''خدا کے پیغمبروں نے کسی کو سونے چاندی کی میراث نہیں دی۔ وہ دین کی باتیں میراث میں دے گئے ہیں۔''

نتیجہ یہ نکلا کہ پیغمبروں کی میراث دین ہے، دنیا نہیں ہے اور ثابت ہو گیا کہ علمائے دین پیغمبروں کے وارث ہیں۔

ناظرین کرام! صاحب فلک النجات نے اپنی طرف سے ایک بات بنائی ہے۔ اور اس کو اس حدیث شریف میں گھسیٹنے کی بے جا کوشش کی ہے۔ نعوذ بالله من شرور انفسنا من سیئات اعمالنا۔ شیعہ مذہب میں ایک مشہور کتاب تنزیہ الانبیاء نام علامہ زین العابدین خان کرمانی کی تصنیف ہے۔ صفحہ ۴۸ پر تحریر فرماتے ہیں:

والبتہ میراث انبیاء درہم و دینار نبودہ بلکہ علوم و اخلاق و مقامات و صفات مرضیہ ایشاں بودہ است۔

علامہ موصوف کی یہ عبارت اسی حدیث شریف کا ترجمہ ہے۔ جس کے ترجمے

میں صاحب فلک النجات نے ناجائز کارروائی کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ زین العابدین خان باوجود شیعہ ہونے کے انصاف کی صفت سے موصوف تھے اور ہمارے صاحب فلک النجات نے انصاف کو خیر باد کہہ دیا ہے۔ اور حدیث امام عالی مقام علیہ السلام کے ترجمے کے اندر خیانت شروع کر دی ہے۔ اور غلط ترجمہ لکھ کر اہل سنت کے استدلال کو توڑنے کی کوشش کی ہے۔ کم از کم اپنے مذہب کی کتابوں کا مطالعہ کر لیتے تو بھی ایسی غلط کارروائی سے بچ جاتے اور ایسی فاش غلطی کے مرتکب نہ ہوتے۔

ناظرین کرام! میرے اس جواب کا مدار لم یورثوا کو فعل معروف ماننے پر ہے اور اگر اس فعل کو فعل مجہول پڑھا جائے اور حق بھی یہی ہے تو دونوں مفعول مذکور ہو گئے۔ حذف مفعول کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس صورت میں حدیث شریف کا خلاصہ یہ ہو گا کہ انبیاء علیہم السلام کے اندر دنیوی چیزوں کی رو سے موروث بننے کی گنجائش ہی نہیں۔ وہ تو علم شریعت کی رو سے موروث ہوا کرتے ہیں۔

صحاح ستہ اہل سنت میں یہ حدیث میراث بلفظ مجہول روایت کی گئی ہے بخاری کے شارح لکھتے ہیں کہ اگرچہ لغت کے اعتبار سے لا نورث فعل معروف درست ہے لیکن روایت استاذوں سے حدیث شریف کے فعل مجہول کی ہے دیکھو فتح الباری جلد دوازدہم صفحہ ۵ الراء من قوله لا نورث بالفتح فی الروایة۔ یعنی استاذانِ حدیث سے روایت راء کی زبر سے ہے۔

ناظرین کرام! اگر لم یورثوا کو فعل معروف تسلیم کیا جائے اور حسب زعم صاحب فلک النجات مفعول بہ العلماء کو مقرر کیا جائے تو بھی شیعہ کا مدعا پورا نہیں ہو سکتا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اصل علماء اہل بیت نبوت ہیں۔ ملاحظہ ہو اصول کافی صفحہ ۵۰ مطبوعہ تہران طبع قدیم (اصول کافی مطبوعہ تہران طبع جدید صفحہ ۲۱۴ جلد اطبع رابع (قاسم شاہ)

((قال ابو جعفر علیہ السلام فی هذه الایة بَلْ هُوَ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ثم قال اما والله یا ابا محمد ما قال بین

دفتی المصحف قلت من هم جعلت فداك قال من عسٰی ان یکونوا غیرنا))

''ابوبصیر کہتا ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے آیت مذکورہ بالا کے بارے میں گفتگو فرمائی۔ پھر فرمایا خدا کی قسم! نہیں فرمایا اللہ تعالیٰ نے بین دفتی المصحف جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ قرآن کی آیتیں گتوں کے درمیان رہتی ہیں بلکہ اس کی جگہ فرمایا فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی آیتیں سینوں میں رہتی ہیں، ان لوگوں کے جو صاحب علم ہیں۔'' ابوبصیر کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا میں آپ کی ذات پر قربان ہو جاؤں کون ہیں وہ صاحب علم۔ حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا ہمارے بغیر کون ہو سکتا ہے۔''

ناظرین کرام! حضرت امام محمد باقر رحمہ اللہ کی اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ صاحب علم نبی کے گھرانے والے ہیں۔ صافی شرح اصول کافی صفحہ ۱۳۰ کتاب الحجۃ جز سوم باب بست یکم گفت امام علیہ السلام جز ایں نیست کہ ما آں جمعیم کہ میدانند۔ یعنی بات یہی ہے کہ ہم وہ ہیں جو جانتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ صاحب علم آل نبیؐ ہیں۔

نیز ملاحظہ ہو اصول کافی صفحہ ۵۰ مطبوعہ تہران:

((عن ابی جعفر علیہ السلام فی قول الله عزوجل هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ط اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ قال ابو جعفر علیہ السلام انما نحن الذین یعلمون والذین لا یعلمون عدونا وشیعتنا اولوا الالباب))

''آیت مذکورہ کے بارے میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو لوگ جانتے ہیں وہ ہم ہیں اور جو لوگ نہیں جانتے وہ ہمارے دشمن ہیں۔ اور عقل والے ہمارے شیعہ ہیں۔''

اس تفسیر امام علیہ السلام سے بھی معلوم ہوا کہ صاحب علم اہل بیت نبوت ہیں اور علماء

عالم کی جمع ہے اور عالم صاحب علم کو کہتے ہیں۔ پس اگر صاحب فلک النجات کی تاویل کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو حدیث میراث کا ترجمہ یوں ہوگا خدا کے پیغمبروں نے اپنی آل اولاد کو سونے چاندی یعنی دنیوی مال ومتاع کا وارث نہیں بنایا۔ انہوں نے تو اپنی اولاد کو صرف علم شریعت کا وارث بنایا ہے۔

ناظرین کرام! دیکھو خدا کی قدرت، اگرچہ صاحب فلک النجات کا ترجمہ غلط تھا، مگر پھر بھی مقصود مصنف فلک پورا نہ ہوا۔ ہم نے لفظ علماء میں آل نبی کو شامل کر دیا ہے، اور یہ کارروائی کسی طرح بھی ناجائز نہیں ہے۔ کو[illegible] بلا احادیث ائمہ کو دیکھو تو اصل علم والے اہل بیت نبوت ہیں اور اگر احادیث ائمہ سے کوئی شخص اس بات کو نہ سمجھ سکے تو بھی اہل بیت نبی کریم ﷺ کو علم والوں سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمانوں میں کون ایسا شخص ہے جو اہل بیت کرام علیہم السلام کو علم والوں سے خارج کرے؟ لفظ علماء میں پہلے درجہ پر آل نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ اور دوسرے درجہ پر اور علم والے اہل اسلام۔ مصنف فلک النجات کی سینہ زوری ہے کہ لفظ علماء سے اہل بیت کرام کو خارج تصور کر لیا ہے۔ جب لفظ علماء میں اہل بیت کرام علیہم السلام شامل ہیں تو حدیث شریف کا معنی وہی ہوگا جو ابھی ہم ذکر کر آئے ہیں کہ خدا کے پیغمبر اپنی اولاد کو دنیوی چیزوں کی میراث نہیں دے جاتے بلکہ وہ تو اپنی اولاد کو علم شریعت کی میراث دے جاتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ صاحب فلک النجات کے ترجمہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی اہل سنت والجماعت کا مدعا پورا ہو جاتا ہے۔

اور شیعیان زمانہ حال کو اس ترجمہ سے کچھ نفع نہیں پہنچ سکتا۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

صاحب فلک النجات نے صفحہ ۴۰ پر اپنی کتاب فلک النجات کے حدیث میراث مندرجہ اصول کافی کے چند جوابات اور ذکر کیے ہیں ضروری ہے کہ ان کے جوابات بھی درج کر دیے جائیں۔

جواب اول

از صاحب فلک النجات، حدیث میراث مذکور بہت سی آیات قرآنیہ کے مخالف ہے ملاحظہ ہو:

① ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ (نساء)

② ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ﴾ (نساء)

③ ﴿وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَفْرُوضًا﴾ (نساء)

④ ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُودَ﴾ (نمل)

⑤ ﴿يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ﴾ (نمل)

اور جو حدیث مخالفت قرآن ہو وہ حسب تصریح ائمہ متروک العمل ہوتی ہے۔

جواب الجواب: یہ حدیث آیات قرآنیہ کی مخالف نہیں ہے۔ بلکہ یہ حدیث تو آیات قرآنیہ کی تفسیر کر رہی ہے۔ یُوصِیکُم کے اندر جو ضمیر مفعول بہ ہے وہ مجمل ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خطاب امت کو ہے یا پیغمبر ﷺ بھی اس خطاب میں داخل ہیں؟ حدیث میراث نے بتا دیا کہ خطاب امت کو ہے۔ نبی کریم ﷺ اس خطاب میں داخل نہیں ہیں۔ یہ حدیث شریف آیات قرآنیہ کے خلاف جب ہوتی کہ قرآن حکیم کے اندر کسی آیت میں نبی کریم ﷺ یا کسی دوسرے پیغمبر علیہ السلام کا نام ذکر کے مالی میراث ثابت کی جاتی۔ سارے قرآن میں اس مضمون کی کوئی آیت نہیں ہے۔ جو آیات خمسہ قرآنیہ صاحب موصوف نے ذکر کی ہیں۔ ان میں کوئی آیت دنیوی میراث انبیاء کے لیے ثابت نہیں کرتی۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے، کہ پہلی تین آیات میں مالی میراث کا ذکر ہے۔ مگر انبیاء کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ اور آخری دو آیات میں انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے۔ مگر مالی میراث کا کوئی مذکور نہیں ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ آخری دونوں آیتوں کی تفسیر استدلالات شیعہ کے جوابات میں ذکر کی جائے گی، انتظار فرمایئے گا۔

جواب دوم از صاحب فلک النجات

یہ حدیث مشہور مذہب اہل بیت علیہم السلام کے مخالف ہے اور سنیوں کے مذہب کے موافق ہے۔ اور ایسی حالت میں بقانون فرمودہ امام علیہ السلام عمل ان روایات پر ہوگا جو سنیوں کے مخالف ہوں۔ اور اسی میں رشد و ہدایت ہے۔

جواب الجواب: مشہور مذہب اہل بیت علیہم السلام سے آپ کی کیا مراد ہے؟ کیا اہل اسلام کے اندر مشہور؟ تو جناب عالی ساری دنیا میں مسلم آبادی زیادہ تر اہل سنت ہی چلی آئی ہے اور سارے اہل سنت یہی کہتے آئے ہیں کہ پیغمبروں کی میراث صرف علم شریعت ہے اور اسی کو اہل بیت علیہم السلام کا مذہب بتلاتے رہے ہیں۔ پس یہ حدیث اہل بیت علیہم السلام کے مشہور مذہب کے تو بالکل موافق ہوئی۔ اس حدیث میں اور اہل بیت علیہم السلام کے مشہور مذہب میں ذرہ بھر بھی مخالفت نہیں ہے۔ اور اگر مشہور مذہب اہل بیت علیہم السلام سے مراد آپ کی شیعہ کے ہاں مشہور ہے تو چونکہ شیعہ کے ہاں کتمان حق نہایت ضروری ہے اور اس کی اشاعت اور مشہور کرنا سخت ممنوع ہے۔ اس لیے شیعہ کے یہاں جو بات مشہور ہو گی وہ ضرور باطل ہوگی۔ اور جو بات غیر مشہور ہوگی وہی حق ہوگی۔ پس شیعہ کے ہاں جو بات مشہور ہے وہ چونکہ باطل ہے۔ اس لیے اس بات کی موافقت باطل ہونے کی دلیل ہوگی۔ اور جو بات شیعہ کے ہاں غیر مشہور ہے وہ چونکہ حق ہے۔ اس لیے اس کی موافقت حقانیت کی دلیل ہوگی۔

کتمان حق کی اہمیت کے لیے اصول کافی کی دو حدیثیں درج کر دینا کافی معلوم ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو اصول کافی مطبوعہ تہران ص ۲۰۶ طبع قدیم۔

((قال ابو عبداللہ علیہ السلام یا سلیمان انکم علی دین من کتمه اعزه الله عزوجل ومن اذاعه اذله الله عزو جل))

(اصول کافی جلد ۳ طبع جدید تہران پر موجود ہے۔ طبع رابع)

''حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اے سلیمان تم ایک ایسے دین پر ہو کہ جو شخص اس کو چھپا رکھے گا۔ اسے خدا تعالیٰ عزت بخشے گا اور جو شخص اس

دین کو شہرت دے گا اسے خدا تعالیٰ ذلیل کر دے گا۔"

دوسری حدیث اصول کافی صفحہ ۲۰۷ طبع قدیم پر (صفحہ ۳۲۳ طبع جدید جلد ۳ رابع تہران پر) موجود ہے:

((عن معلی بن خنیس قال قال ابو عبداللہ علیہ السلام یا معلی اکتم امرنا ولا تذعہ فانہ من کتم امرنا ولم یذعہ اعزہ اللہ بہ فی الدنیا وجعلہ نورا بین عینیہ فی الاخرۃ یقودہ الی الجنۃ یا معلی من اذاع امرنا ولم یکتمہ اذلہ اللہ بہ فی الدنیا ونزع النور من بین عینیہ فی الاخرۃ وجعل ظلمۃ تقودہ الی النار))

"معلیٰ بن خنیس کہتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اے معلیٰ! ہماری باتوں کو چھپا رکھو مشہور نہ کرو۔ اس لیے کہ جس کسی نے ہماری باتوں کو چھپا رکھا اور مشہور نہ کیا خدا تعالیٰ اسے عزت بخشے گا دنیا میں اور اس کی آنکھوں کے درمیان نور پیدا کرے گا۔ آخرت میں وہ نور لے جائے گا اس کو جنت میں۔ اے معلیٰ! جس کسی نے مشہور کیا ہماری باتوں کو اور نہ چھپا رکھا ہمارے مذہب کو خدا تعالیٰ اسے ذلیل کر دے گا دنیا میں اور کھینچ لے گا نور اس کی آنکھوں کے درمیان میں سے اور اس کی جگہ رکھ دے گا سیاہی جو لے جائے گی اس کو جہنم میں۔"

ناظرین کرام! ان دونوں حدیثوں کو غور سے پڑھو۔ ان حدیثوں کے ہوتے ہوئے اور ائمہ کرام کے اس قسم کے احکام کے موجود ہوتے ہوئے ان شاگردوں میں سے کسی صاحب کو ائمہ کرام کی باتوں کے مشہور کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ نہ اپنوں میں، اور نہ پرایوں میں، نہ شیعوں میں نہ بیگانوں میں۔ جب حال یہ ہے تو اہل بیت کرام علیہم السلام کا صحیح مذہب شیعوں میں مشہور نہیں ہو سکتا۔ ائمہ کرام کے صحابہ عظام کو ائمہ کی مخالفت اور حکم عدولی کر کے قیامت کے دن روسیاہ بننے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تو ائمہ

کرام کی حدیثوں کو خوب چھپا کر رکھیں گے تاکہ روشن چہروں کے ساتھ بہشت میں داخل ہوں۔ اور قیامت کی سرخروئی اور کامیابی سے مالا مال ہوں۔ صاحب فلک کے اس جواب سے خوب واضح ہے کہ میراث انبیاء کے بارے میں ائمہ اہل بیت کرام علیہم السلام کے دو مذہب ہیں ایک مشہور، دوسرا غیر مشہور۔ اور احادیث ائمہ مندرجہ بالا سے معلوم ہوا کہ شیعہ کے لیے حق کو چھپائے رکھنا نہایت ضروری ہے اور مشہور کرنا سخت گناہ ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شیعوں میں ائمہ کی نسبت جو بات مشہور ہے وہ ائمہ کی بات نہیں ہے اور جو بات ائمہ کی نسبت غیر مشہور ہے وہ واقعی ائمہ کرام ہی کی بات ہے۔ اصول کافی کی حدیث مالی میراث کی بہ نسبت انبیاء علیہم السلام کے نفی کرتی ہے۔ اور بقول صاحب فلک النجات ائمہ کرام کا مشہور مذہب اثبات میراث اموال ہے اور نفی میراث اموال غیر مشہور ہے۔ پس یہ حدیث چونکہ ائمہ کرام کے غیر مشہور مذہب کے مطابق ہے، اس واسطے یہی صحیح ہے۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

حقیقت یہ ہے کہ ائمہ کرام علیہم السلام اس قسم کے قاعدوں سے بہت دور ہیں۔ یہ قاعدے شیعہ علماء کے خود ساختہ ہیں اور نیک پاک ہستیوں کے ذمہ لگا کر اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔

جواب سوم از صاحب فلک النجات

فلک النجات طبع اول صفحہ ۱۰۴ پر لکھتے ہیں حدیث قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتی، اور حدیث بھی ایسی مشکوک جس کو محض مدعا علیہ یعنی ابوبکر مخالف اہل بیت بیان کرتا ہے۔ اس لیے یہ خبر واحد شاذ کے بے شمار احادیث کے مخالف عموم حکم قرآنی کو منسوخ نہیں کر سکتی۔ اور ظاہر ہے کہ حدیث ما نحن فیہ اس پایہ تواتر و مقبولیت کو نہیں پہنچی۔ جس سے ظاہر قرآن و احادیث کثیرہ شہیرہ صحیحہ کو چھوڑ کر اسی خبر واحد پر عمل کیا جائے یا وہ مخصص ہونے کے قابل ہو۔

جواب الجواب: اہل سنت علمائے کرام حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی حدیث میراث کو ناسخ قرآن نہیں جانتے۔ اور اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث لا نورث کو کسی آیت قرآن کا ناسخ نہیں مانتے۔ چونکہ تہمت تراشی اور بہتان طرازی شیعہ علماء کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہے۔ اس لیے وہ بہتان گھڑتے وقت گناہ کا تصور بھی نہیں کرتے۔

بروز حشر شود ہم چو روز معلومت
کہ با کہ باختہ عشق در شب دیجور

مہربان من! اہل سنت علماء تو حدیث میراث کو مفسر قرآن مانتے ہیں۔ جیسا کہ میں آپ کے جواب اول کے جواب الجواب میں لکھ آیا ہوں۔ ایک ورق الٹ کر دیکھ لو۔ تہمت تراشی کی سزا سے صاحب فلک النجات بچ نہیں سکتے۔ دیکھو اصول کافی کی حدیث میراث کے جوابات لکھنے بیٹھے تھے وہ تو حافظہ سے اتر گئی اور شروع ہو گئے بخاری کی حدیث لا نورث کے جواب میں۔ بخاری کی حدیث کو تو کوئی اہل سنت شیعہ کے مقابلے میں ذکر نہیں کرتا۔ اور نہ شیعہ علماء کو جواب دینے کی ضرورت ہے۔ شیعہ علماء کے لیے جو حدیث سوہان روح بنی ہوئی ہے وہ تو اصول کافی کی حدیث ہے۔ جس کے راوی حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ ہیں۔ صاحب فلک النجات نے یہاں سوال گندم جواب چینا، کی کہاوت کو خوب اپنایا ہے اور اپنے دماغی توازن کا عجیب مظاہرہ کیا ہے۔ اہل سنت علماء بطور حجت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی حدیث پیش کرتے ہیں اور آپ ہیں کہ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ حدیث قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتی۔ اور حدیث بھی ایسی مشکوک جس کو محض مدعا علیہ یعنی ابوبکر مخالف اہل بیت بیان کرتا ہے۔ خدا کے بندے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی حدیث کا تمہارے سامنے کسی نے نام بھی لیا ہے۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے

یہاں پگڑی اچھلتی ہے اسے میخانہ کہتے ہیں

تہمت تراشی کے گناہ کی سزا صاحب فلک النجات کو دست بدست مل گئی ہے۔

اصول کافی کی یہ حدیث پہاڑ سے زیادہ مضبوط ہے۔جیسا کہ میں پہلے لکھ آیا ہوں۔اور حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضور پر نور خاتم النبیین ﷺ کی زبان حقیقت ترجمان سے صادر ہوئی ہے۔اگر یہ حدیث صاحب فلک النجات کے ہاں مقبول نہیں ہے تو دعوئ محبت پیغمبر ﷺ کی حقیقت منکشف ہو گئی۔

بر افگن پردہ تا معلوم گردد
کہ یاراں دیگرے را مے پرستند

باقی رہا قصہ تخصیص کا تو شیعہ کے ہاں خبر واحد مخصص ہوا کرتی ہے۔ہم اس چیز کو استدلالات شیعہ کے کھول کر بیان کریں گے، انتظار فرمایئے۔

جواب چہارم از صاحب فلک النجات

احادیث ائمہ علیہم السلام سے جو مخالف اس خبر واحد کے اور مثبت توریث انبیاء کی ہیں وہ غیر محدود ہیں۔بطور نمونہ کے ہم کتب ذیل کا پتا دیتے ہیں۔ملاحظہ ہو تفسیر البرہان جلد اول صفحہ ۲۱۴ و فروع کافی جلد سوم صفحہ ۴۷ و روضہ کافی صفحہ ۱۱۵ و من لا یحضرہ الفقیہ جلد دوم صفحہ ۲۹۷ و تہذیب جلد دوم صفحہ ۳۵۶۔

((عن ابی عبداللّٰہ علیہ السلام قال حمزة بن حمران قلت لابی عبداللّٰہ علیہ السلام من ورث رسول اللّٰہ ﷺ قال فاطمة علیہا السلام وفی روایة ابی جعفر علیہ السلام ورث علی علم رسول اللّٰہ وورثت فاطمہ ترکتہ))

دیگر ہمچوں قسم کی احادیث بکثرت ہیں اور اصول اہل سنت میں بھی مذکور ہے کہ مثبت نافی پر مقدم و مرجح ہوتا ہے۔

جواب الجواب: اصول کافی کی حدیث میراث کے مقابلے میں جن احادیث ائمہ کو صاحب فلک النجات نے پیش کیا ہے وہ خود قرآن کے مخالف ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہیں۔معارضہ تو جب متحقق ہوتا ہے کہ دونوں قسم کی حدیثیں صحت میں برابر ہوں۔شرح اس معما کی یہ ہے کہ اصول کافی کی حدیث میراث کے مقابلے میں جن احادیث کو

صاحب فلک النجات نے پیش کیا ہے وہ ایک ہی بات کو بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی وراثت صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ملی ہے۔ آنحضور ﷺ کے ترکے کا وارث ان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوا۔ من لا یحضرہ الفقیہ جلد دوم صفحہ ۲۱۷ پر اسی حدیث کے الفاظ یوں مرقوم ہیں:

((عن الفضیل بن یسار قال سمعت ابا جعفر علیہ السلام یقول لا واللہ ما ورث رسول اللہ ﷺ العباس ولا علی ولا ورثتہ الا فاطمۃ علیہا السلام))

"فضیل بن یسار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے سنا ہے آپ فرماتے تھے خدا کی قسم! نہیں وارث ہوئے رسول اللہ ﷺ کے عباس رضی اللہ عنہ اور نہ علی رضی اللہ عنہ اور نہ کوئی اور وارث سوائے حضرت فاطمہ کے سلام اللہ علیہا۔"

ناظرین کرام! یہ حدیث امام محمد باقر رحمہ اللہ قرآن کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ﴾

"اگر تمھارے اولاد نہ ہو تو جو کچھ بھی تم چھوڑ جاؤ اس میں سے تمھاری بیویوں کے لیے ایک چوتھائی ہے اور اگر تمھارے ہاں اولاد ہو تو جو کچھ بھی تم چھوڑ جاؤ اس میں سے تمھاری بیویوں کے لیے آٹھواں حصہ ہے۔"

یہ آیت پکار کر اعلان کر رہی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی زوجات آپ کی وارث ہیں، اور حدیث امام محمد باقر رحمہ اللہ آپ کی زوجات کی میراث کی نفی کر رہی ہے اور خود صاحب موصوف جواب اول میں اقرار کر چکے ہیں کہ حدیث مخالف قرآن متروک ہوا کرتی ہے۔ اس لیے یہ حدیث بھی متروک ہوگی۔ معارضہ تو رہا درکنار۔ یہ حدیث تو سرے سے صحیح ہی نہیں بن سکتی۔ اب صاحب فلک النجات کو اختیار ہے کہ اس حدیث کو صحیح مانے اور قرآن کو غلط یا قرآن کو صحیح جانے اور اس حدیث کو غلط۔ امید ہے

کہ آپ قرآن کو غلط کہنے کی جرأت نہ کریں گے تو ضرور یہ حدیث غلط ہو گی، اور جب یہ حدیث سرے سے صحیح ہی نہ نکلی تو اصول کافی کی اس حدیث سے معارضہ کس طرح کر سکتی ہے جس میں پیغمبروں کی مالی میراث کی نفی موجود ہے اور جب معارضہ نہیں بن سکتا تو وجوہ ترجیح کی کہانی کی ضرورت نہ رہی اور مثبت و نافی کا قصہ خود بے محل ہو گیا۔ ع

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

سوال: من لا یحضرہ الفقیہ کی حدیث مذکورہ قرآن کے خلاف نہیں ہے۔ اس لیے کہ آیت مذکورہ قرآنیہ میں خطاب حضور نبی کریم ﷺ کو نہیں ہے۔ بلکہ صرف امت کو خطاب ہے۔ اور قرآن کریم امت کے مردوں کو خطاب کرتا ہے کہ تمھاری زوجات تمھارے بعد وارث ہوں گی۔ پیغمبر ﷺ اس خطاب سے باہر ہیں۔ اس لیے آپ کی زوجات آپ کی وارث نہ ہوں گی۔ پس حدیث اور قرآن میں کوئی مخالفت باقی نہ رہی۔

جواب: يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ میں تم کہتے تھے کہ اس خطاب میں پیغمبر داخل ہے اور سخت اصرار کرتے تھے کہ پیغمبر ضرور داخل ہے۔ مگر خدا جانے اب کیا پیش آ گئی کہ پیغمبر علیہ السلام کو آیات میراث کے خطاب سے خود ہی خارج کر دیا۔

تھیں بنات النعش گردوں دن کو پردے میں نہاں
شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں

آیات میراث کے نظم و نسق میں کوئی تفاوت نہیں ہے اس لیے ہم کہتے ہیں کہ دونوں مقاموں پر حضور نبی کریم ﷺ خطاب کے اندر داخل ہوں گے۔ یا دونوں جگہوں پر آنحضور ﷺ خطاب سے باہر ہوں گے۔ اگر علمائے شیعہ دونوں مقاموں پر حضور نبی کریم ﷺ کو داخل خطاب مانتے ہیں تو من لا یحضرہ الفقیہ کی حدیث مخالف قرآن بن کر واجب الترک ہو جاتی ہے اور اگر دونوں جگہوں پر آنحضور ﷺ کو خطاب سے خارج مانتے ہیں تو چشم ما روشن دل ما شاد ہماری تخصیص حق بجانب ثابت ہو گئی اور سارا جھگڑا میراث کے مسئلے میں ختم ہو گیا اور آپ اسی چیز کے قائل ہو گئے جس کو اپنے لیے

سم قاتل تصور کرتے تھے ؎

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

جواب پنجم از صاحب فلک النجات

تعجب ہے کہ مسئلہ عدم توریث انبیاء کا وارثان نبی کے متعلق تھا۔ لیکن سوائے ابی بکر صاحب کے جس کا وراثت نبی سے کچھ تعلق نہ تھا۔ کسی کو رسول اللہ ﷺ نے ظاہر نہ فرمایا حتیٰ کہ ازواج نبی و امیر عثمان وغیرہ سب سے پوشیدہ رہا۔ اور جناب زہرا کو باوجود قرب و فضائل معلومہ مشہورہ کے حضرت ﷺ نے یہ نہ فرمایا کہ مبادا آپ کو میری وراثت کا خیال پیدا ہو اور رنج کی نوبت پہنچے، یہ یاد رکھیے کہ ہم پیغمبروں کی وراثت کسی کو نہیں پہنچتی۔

جواب الجواب: صاحب فلک النجات جواب لکھ رہے تھے اصول کافی کی اس حدیث کا جس کو حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور اہل سنت نے اس حدیث کو میراث کے باب میں تخصیص انبیاء کے لیے بطور حجت پیش کیا ہے مگر خدا جانے صاحب موصوف کو کیا ہو گیا کہ حدیث لا نورث کا جواب لکھنا شروع کر دیا۔ جس کی آپ کو کوئی ضرورت نہ تھی۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ صاحب موصوف بخاری کی حدیث لا نورث اور اصول کافی کی حدیث ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا کو ایک ہی حدیث تصور کرتے ہیں اور ان دونوں حدیثوں میں سے ایک کے جواب کو دوسری حدیث کا جواب یقین کرتے ہیں اگر صاحب موصوف دونوں حدیثوں کو ایک چیز تصور نہیں کرتے تو پھر یہ جواب بے محل ہے جو عقلمندوں کی شان سے بہت دور ہے۔
اس کے بعد قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے نبی کریم ﷺ کا زمانہ نہیں پایا تو ضرور ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ اور نبی کریم علیہ السلام کے درمیان علمی واسطے ہوں، وہ کون لوگ ہیں؟ یہاں دو ہی صورتیں بن سکتی ہیں کوئی تیسری صورت نہیں ہے۔ یہ حدیث میراث حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

کے واسطے سے پہنچ سکتی ہے یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے۔ اگر پہلی صورت اختیار کی جائے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر شیعہ کے جس قدر اعتراضات ہیں کافور ہو جاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اگر حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایسا اعتقاد کرتے جیسا کہ آج کل کے شیعہ خیال کرتے ہیں۔ تو آپ اس حدیث کو ہرگز قبول نہ کرتے۔ جس کے پہلے راوی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ بلکہ راوی کو صاف کہہ دیتے کہ اس حدیث کا پہلا راوی (حضرت) ابوبکر ہے اور وہ کاذب ہے۔ اس لیے یہ حدیث تو موضوع ہے ہم تو اس حدیث کو سننا بھی نہیں چاہتے۔ چہ جائیکہ اس حدیث کو محفوظ رکھیں اور پھر مسلمانوں کو پہنچائیں۔ پس حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کا اس حدیث کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واسطے سے قبول کر لینا ان کے صدیق ہونے کی ایک کھلی ہوئی دلیل ہے اور ان کے صادق و امین ہونے کی شہادت ہے۔ اس شہادت کو رد کرنا اہل سنت سے تو ناممکن ہے۔ شیعہ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچ لیں۔ اور اگر دوسری صورت اختیار کی جائے یعنی یہ حدیث حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے پہنچی، تو پھر صاحب فلک النجات کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر تنہائی کا الزام لگانا بالکل غلط ہو گیا۔ کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی اس حدیث کو روایت کرنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ شامل ہو گئے۔

باقی رہی یہ بات کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کیوں نہ فرما دیا کہ ہماری وراثت کسی کو نہیں پہنچتی۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوب جانتے تھے کہ میرے بعد میرے خلیفہ میرے یارِ غار ہوں گے۔ اور اس قسم کے مسائل کی ان کو سخت ضرورت ہو گی۔ اس لیے اپنے خلیفہ کو اس مسئلہ کی تعلیم کر دی۔ دنیا میں جو لوگ قضا اور ججی کے منصب پر فائز ہوتے ہیں پیش آنے والے مقدمات میں فیصلے کے طریقوں کا علم جس قدر ان کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ اس قدر اور کسی کے لیے ضروری نہیں ہوتا۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خوب جانتے تھے کہ میرے عزیز و اقارب اس معاملہ میں جھگڑا کرنے والے اور شک کرنے والے نہیں ہیں۔ اس لیے اپنے اہل بیت کے ہر ایک

ممبر کو یہ مسئلہ سمجھانے کی آنحضور ﷺ کوئی ضرورت نہ سمجھے۔

جواب ششم از صاحب فلک النجات

فلک النجات طبع اول صفحہ ۴۰۲ پر لکھتے ہیں۔ غضب جناب معصومہ زہرا بلکہ جملہ اہل بیت علیہم السلام کا جو بے شمار روایات میں وارد ہے۔ ثبوت توریث اور عدم حجیت حدیث توریث یعنی لم یورثوا کے لیے دلیل واضح ہے اور غضب کا ثبوت بدرجہ شہرت و تواتر مسلم فریقین ہے۔

جواب الجواب: روایت غضب اخبار آحاد میں سے ہے۔ صحیحین میں اس حدیث کا مدار ابن شہاب زہری پر ہے۔ سارے اسناد ابن شہاب زہری پر جمع ہو جاتے ہیں۔ پس اہل سنت علماء اس حدیث کو مشہور یا متواتر ہرگز نہیں کہتے۔ پس اس حدیث کے تواتر کو مسلم فریقین کہنا ایک ایسا بہتان ہے جو خاص صاحب فلک النجات کی شان ہے۔

اس کے بعد دوسری گزارش یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا غضب اگر حدیث لم یورثوا کو مقام حجیت سے خارج کر دیتا ہے تو ضرور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر آنجناب کا راضی ہو جانا اسی حدیث کو قابل حجیت بنا دے گا۔ آنجناب ﷺ کے غضب کو مؤثر ماننا اور رضا مندی کو بے اثر جاننا نہایت بے انصافی ہے اور آں معصومہ طاہرہ کی شان میں گستاخی ہے نعوذ باللہ من ذالک، شیعہ حضرات ناراضگی کی روایت کو تو خوب شائع کرتے ہیں اور رضا مندی کی حدیث کا نام لینا بھی گناہ جانتے ہیں۔ حالانکہ رضا مندی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کتب شیعہ میں موجود ہے۔ یہ واقعہ بعینہٖ ایسا ہے جیسا شہدائے کربلا میں کچھ بزرگ ایسے بھی ہیں جن کے نام خلفائے ثلاثہ کے نام ہیں اور وہ بزرگ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ آپ کے ساتھ جام شہادت نوش کیا ہے۔ مگر شیعہ حضرات ان کا نام لینا گناہ کبیرہ جانتے ہیں۔ حالانکہ کتب شیعہ میں ان کے اسمائے گرامی شہدائے کربلا کی فہرست میں موجود ہیں۔

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو
نفی حکمت مکن از بہر دل عامے چند

صاحب فلک النجات نے اپنی کتاب فلک النجات کے صفحہ ۳۹۴ پر ناراضگی اور رضا مندی کی روایات میں تعارض قائم کر کے رضا مندی کی روایات کو مرجوح اور ساقط عن الاعتبار کہا ہے جو سراسر غلط ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ ناراضگی اور رضا مندی کے وقت الگ الگ ہیں۔ پہلے ناراضگی بعد میں رضا مندی اور جب تعارض ہی نہ رہا تو وجوہ ترجیح کے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہ رہی۔ ہم ان شاء اللہ رضا مندی کی روایت کو دوسرے باب میں خوب تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے، انتظار فرمائیے گا۔

جواب ہفتم از صاحب فلک النجات

بصورت فرض وتسلیم حدیث کے حسب قانون مسلم بین الفریقین احادیث مخالفہ سے اس کی تطبیق کی جائے گی۔ تاکہ کوئی بھی ان سے ملغی عن العمل اور متروک نہ ہو اور وہ معنی مراد لیا جائے جو دوسری احادیث کے مخالف نہ ہو۔ اس طرح کہ بیان فضیلت علم میں امام نے ارشاد فرمایا۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ اس پر یہ شبہ ہوتا تھا کہ علماء اموال انبیاء کے کس طرح وارث ہو جاتے ہیں کیونکہ لفظ وراثت سے حقیقتاً وراثت مال مراد لی جاتی ہے۔ لہٰذا ذہن اس طرف سبقت کر جاتا ہے۔ اور یہی معنی متبادر ہوتا ہے تو رفع شبہ کے لیے امام نے فرمایا کہ وراثت سے یہ مراد نہیں جو علماء انبیاء سے دراہم و دنانیر کے وارث ہوں بلکہ ان کو انبیاء سے محض وراثت احادیث ملتی ہے اور ترکہ کے وارث مطابق کتاب اللہ کے انبیاء علیہم السلام کے اقربا ہی ہوتے ہیں نہ کہ علماء۔

جواب الجواب: واقعی احادیث میں تعارض کی صورت پیدا ہو جائے تو تطبیق بہترین چیز ہے۔ مگر صد افسوس کہ صاحب موصوف ان دونوں قسم کی حدیثوں میں تطبیق کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ اصول کافی کی حدیث ان الانبیآء لم یورثوا درھما ولا دینارا کا صاف معنی یہ ہے کہ خدا کے پیغمبر کسی کو سونے چاندی کی میراث نہیں دیتے۔ مراد مال دینا ہے تو جس حدیث میں حضور نبی کریم ﷺ کی دنیوی میراث کا ثبوت ہوگا وہ ضرور اصول کافی کی حدیث مذکورہ بالا کے خلاف ہوگی۔ ان دونوں حدیثوں میں ایسا

تعارض ہے جس کا رفع کرنا صاحب فلک النجات کے بس کی بات نہیں ہے۔

عنقا شکار کس نہ شود دام باز چیں

ایں جا ہمیشہ باد بدست است دام را

اصول کافی کی حدیث مذکورہ بالا کا جو معنی فلک النجات کے صفحہ ۳۹۷ پر لکھ آئے ہیں اسی کو یہاں دہرایا ہے۔ حالانکہ یہ معنی ہی غلط ہے۔ جیسا کہ ہم اس رسالہ میں دلائل کے ساتھ اس معنی کی غلطی بیان کر آئے ہیں۔ صحیح معنی وہ ہے جو علامہ زین العابدین خان کرمانی شیعہ اپنی کتاب تنزیہ الانبیاء کے صفحہ ۴۸ پر لکھ گئے ہیں اور ہم علامہ زین العابدین خان کرمانی کے معنی کو اس رسالہ میں نقل کر آئے ہیں دوبارہ ملاحظہ کر لیا جائے تو بہتر ہوگا۔ اور جب تطبیق ناممکن ہوگئی تو ضرور ایک حدیث کو قبول کرنا ہوگا اور دوسری کو ترک کرنا پڑے گا۔ اور چونکہ من لا یحضرہ الفقیہ کی حدیث دنیوی میراث نبی کو ثابت کرنے والی قرآن کے خلاف ہے، کما مر تو یہی واجب الترک ہوگی۔ اور اصول کافی کی حدیث ان الانبیآء لم یورثوا درھما و لا دینارا واجب القبول ہوگی۔

جواب ہشتم از صاحب فلک النجات

اب ہم توریث کے تنازع سے قطع نظر کر لیتے ہیں کہ ملے یا نہ ملے مگر پھر بھی اہل جماعت جو حضرات ثلاثہ کو غصب فدک اور غصب اہل بیت سے بچانا چاہتے ہیں وہ نہیں بچ سکتے۔ کیونکہ نبی نے اپنی حیات میں فدک بحق زہرا ہبہ فرما دیا تھا۔ آخر میں غصب اہل بیت کے لیے صاحب موصوف نے ایک سنی عالم کی شہادت نقل کی ہے اور سلسلہ جوابات کو ختم کیا ہے۔

جواب الجواب: ہبہ فدک کی روایت موضوع اور باطل ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم کے خلاف ہے۔ ہم ان شاء اللہ تیسرے باب میں اس روایت پر مفصل گفتگو کریں گے اور صاحب فلک النجات کا ابن ابی الحدید کو سنی عالم لکھنا سراسر کذب ہے اور سفید جھوٹ ہے وہ تو شیعہ ہے۔ اس کے شیعہ ہونے کی دلیل درکار ہو تو اس کے قصائد سبعہ کہیں سے تلاش کر کے مطالعہ کر لو۔ ایران میں تو کوئی شیعہ بھی ابن ابی الحدید کو سنی نہیں جانتا۔ ہر

کوئی اس کو شیعہ ہی جانتا ہے۔ جدیدی شرح نہج البلاغہ کا جو نسخہ میرے سامنے ہے وہ مطبوعہ تہران ہے۔ اس کے پہلے ورق پر ابن ابی الحدید کا شیعہ ہونا لکھا ہوا ہے جو صاحب اطمینان حاصل کرنا چاہیں وہ میرے پاس آ کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

ناظرین کرام! اہل سنت کی دوسری دلیل پر صاحب فلک النجات نے جتنے اعتراض کیے ہیں بحمد اللہ تعالیٰ سب کے جواب باصواب ہو چکے ہیں۔ اب تیسری دلیل ملاحظہ ہو۔

تیسری دلیل

شہر علم کے دروازے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کو وصیت فرماتے ہیں۔ کتاب من لا یحضرہ الفقیہ جلد ۲ صفحہ ۳۴۶

((وتفقه فی الدین فان الفقهاء ورثة الانبیاء ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درهما ولکنهم ورثوا العلم فمن اخذ منه اخذ بحظ وافر))

''علم دین حاصل کر اس لیے کہ علمائے دین ہی پیغمبروں کے وارث ہیں۔ تحقیق ہے کہ پیغمبروں نے کسی کو سونے اور چاندی کا وارث نہیں بنایا۔ لیکن انھوں نے علم دین کا وارث بنایا ہے۔ پس جس نے حاصل کیا علم دین اس نے لے لیا بڑا نصیبہ یعنی وہ بڑا نیک بخت اور خوش نصیب ہے۔''

ناظرین کرام! چونکہ محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کو اپنے بزرگوار والد شریف کی وصیت خوب دلنشین ہو چکی تھی۔ اس لیے اپنے بھائیوں یعنی حسنین شریفین سے مال کی میراث نہیں طلب کی تھی۔ بلکہ صرف علمی میراث کا مطالبہ کیا تھا۔ جیسا کہ ابن ابی الحدید نے اپنی کتاب شرح نہج البلاغہ جلد اول جز ہفتم صفحہ ۳۹۳ پر لکھا ہے۔

((ان علیا لما قبض اتی محمد ابنه حسنا وحسینا علیہما السلام فقال لهما اعطیانی میراثی من ابی فقالا له قد علمت ان اباك لم یترك صفراء ولا بیضاء فقال قد علمت ذلك ولیس میراث

المال اطلب انما اطلب میراث العلم))

''جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس جہان سے روانہ ہو گئے تو آپ کا بیٹا محمد اپنے دونوں بھائیوں حسن و حسین علیہما السلام کے پاس آیا اور کہا۔ میرے باپ کی میراث مجھے دے دو۔ حسنین شریفین نے کہا تو جانتا ہے کہ تیرے باپ نے سونا چھوڑا نہ چاندی۔ پس محمد ابن حنفیہ رحمہ اللہ نے کہا اس بات کو تو میں جانتا ہوں اور مال کی میراث میں نہیں طلب کرتا۔ میں تو صرف علم کی میراث طلب کرتا ہوں۔''

ناظرین کرام! حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرزندوں کے اس مکالمے سے دو مسئلے واضح ہو گئے۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ لفظ میراث مشترک ہے مالی میراث اور علمی میراث اور ملکی میراث میں۔ وجہ یہ ہے کہ ایک ہی لفظ میراث سے محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے علم مراد لیا۔ اور اسی لفظ سے امامین کریمین رضی اللہ عنہما نے مال مراد لیا۔ اور تینوں بزرگ اہل لسان تھے۔ معلوم ہوا کہ لفظ میراث مشترک ہے حقیقت و مجاز نہیں ہے۔ صاحب فلک النجات اپنی کتاب میں جا بجا کہتا ہے کہ یہ لفظ مالی میراث میں حقیقت ہے اور علم میں مجاز ہے غلط کہتا ہے۔

دوسرا مسئلہ اس مکالمے سے یہ نکلتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس جہان سے روانہ ہوئے ہیں تو اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں وقف کر گئے ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی یہ کارروائی کسی کے طرز عمل سے نقاب کشائی کرتی ہے۔ یعنی حضور پرنور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں وقف کر گئے تھے، اس واسطے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں وقف کر دیا۔ علمائے شیعہ کی خدمت میں بصد ادب معروض ہے کہ یہاں غاصب میراث کی تعیین کریں۔ اور بقائی ہوش و حواس جواب دیں کہ اولاد علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو میراث علی رضی اللہ عنہ سے کس نے محروم کیا؟ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تو قبروں میں تھے۔ حکومت حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی تھی۔ تعجب ہے اس محرومی ارث پر کوئی شیعہ اعتراض نہیں کرتا، اور نہ کوئی محب اہل بیت علیہم السلام اشکبار ہوتا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ

رضی اللہ عنہ کی یہ کارروائی اسی اصل کی فروعات میں سے ہے جس کی فروع میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کارروائی ہے۔ جس چشمے سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سیراب ہوئے ہیں۔ اسی چشمہ آب حیات سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زندگی حاصل کی ہے۔

چوتھی دلیل

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری لمحات میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے دونوں بیٹوں حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کو خدمت اقدس میں پیش کر کے عرض کیا:

((یا رسول الله هذا ان ابناءك فورثهما شيئا فقال اما حسن فان له هيبتی وسوددی واما حسين فان له جرأتی وجودی))

''خدا کے رسول! یہ دونوں آپ کے بیٹے ہیں، پس انھیں کسی چیز کا وارث بنا دیجیے۔ پس آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا حسن کے لیے میری دہشت اور سرداری ہے اور حسین کے لیے میری دلیری اور سخاوت ہے۔''

یہ حدیث حدیدی شرح نہج البلاغہ جلد دوم جز شانزدہم صفحہ ۲۶۱ پر درج ہے اور یہی مضمون حدیث دلائل الامامہ تصنیف ابن جریر طبری صفحہ ۳ پر موجود ہے۔ یہی روایت شیعہ کی معتبر کتاب کشف الغمہ جلد ۲ صفحہ ۸۴ طبع تہران پر بھی موجود ہے۔

ناظرین کرام! حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جیسی محبوب ترین ہستی اپنے فرزندوں کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند کہہ کر آپ کے پیش کرتی ہے۔ اور عرض کرتی ہے کہ کچھ نہ کچھ انھیں ضرور عطا ہونا چاہیے۔ اس موقع پر اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دنیوی چیزوں میں سے کوئی چیز ہوتی تو ضرور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کو عطا کر دیتے، کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کوئی شفیع نہیں ہو سکتا۔ اور رحم دلی نبوت کی طرح آپ کی ذات ستودہ صفات پر ختم ہو چکی ہے اور محل عنایت و مقام شفقت و موضع محبت حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما سے زیادہ نہ ہو سکے۔

پس معلوم ہو گیا کہ آنحضور ﷺ اس شفاعت سے پہلے اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں وقف فرما چکے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور پرنور ﷺ سے روایت کیا:

((نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناه صدقة))

''ہم پیغمبروں کی جماعتیں موروث نہیں ہوتے جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ وقف ہوا کرتا ہے۔''

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شفاعت کے جواب میں آنحضور ﷺ کا اخلاق عالیہ کو ذکر کرنا اور دنیوی چیزوں میں سے کسی چیز کا ذکر تک نہ کرنا اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے اہل بیت علیہم السلام کے لیے دین چاہتے تھے اور دنیا نہیں چاہتے تھے۔ اگر میراث کے قاعدوں کے اعتبار سے یہ بزرگ میراث نہیں پا سکتے تھے تو قاعدۂ وصیت کی رو سے ایک تہائی حاصل کر سکتے تھے۔ باوجود ان باتوں کے حضور پرنور ﷺ کا دنیوی چیزوں میں سے کسی چیز کا ذکر نہ کرنا حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اور حکمت وہی ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اموال پیغمبراں وقف ہو جاتے ہیں۔ رشتہ داروں میں حسب قاعدہ میراث تقسیم نہیں ہوا کرتے۔

کارِ پاکاں را قیاس خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

پانچویں دلیل

ملاحظہ ہو من لا یحضرہ الفقیہ جلد دوم صفحہ ۲۹۷ (جلد ۴ صفحہ ۱۹۰ طبع جدید تہران)

((سمعت ابا جعفر رحمہ اللہ یقول لا واللہ ما ورث رسول اللہ ﷺ العباس ولا علی ولا ورثته الا فاطمه علیہا السلام))

''فضیل بن یسار کہتا ہے میں نے حضرت امام محمد باقر رحمہ اللہ سے سنا آپ فرماتے تھے خدا کی قسم! خدا کے رسول ﷺ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کوئی وارث نہیں ہوا۔ عباس نہ علی اور نہ کوئی اور وارث۔''

ناظرین کرام! اگر حضور پرنور مومنوں کے لیے سرور ﷺ کے بعد آپ کی مالی میراث ہوتی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کس طرح محروم ہو سکتے تھے۔ نیز آپ کی بیویاں امہات المومنین کیسے محروم رہ سکتی تھیں؟ حضرت امام عالی مقام علیہ السلام کے اقرار کے بموجب جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کوئی وارث نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ سرے سے آپ کی مالی میراث ہی نہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے آپ نے ایک وقف کر دیا تھا۔ اسی کو حضرت امام علیہ السلام نے میراث کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اگر کوئی کہے کہ شیعہ کے ہاں بیوی جائداد کی وارث ہی نہیں ہے۔ تو ہم جواب میں عرض کرتے ہیں کہ قرآن حکیم کے اندر جب میراث زوجہ موجود ہے تو شیعہ کے انکار میں کچھ وزن نہیں رہ جاتا۔ میراث زوجہ کے مسئلے کو ہم صاحب فلک النجات کے جواب چہارم کے جواب الجواب کے ضمن میں خوب تشریح سے لکھ آئے ہیں دوبارہ ملاحظہ کر لیا جائے۔

چھٹی دلیل

اگر پیغمبروں کی دنیوی میراث تسلیم کر لی جائے تو ان حضرات پر ایک ایسا اعتراض وارد ہوتا ہے جس کا جواب ناممکن ہے۔ شرح اس کی یہ ہے کہ جس کو لوگ پیغمبر خدا مان لیتے ہیں۔ اس کے سامنے اپنی جان اور اموال پیش کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ بلکہ اس کے قبول کر لینے میں اپنی سعادت تصور کرتے ہیں۔ پس اگر مدعی نبوت ان اموال اور فتوحات کو اپنے اور اپنی اولاد کے آرام کے لیے استعمال کرے۔ یہاں تک کہ تمول کی صورت پیدا ہو جائے تو ضرور اعتراض کرنے والا اعتراض کرے گا کہ دعویٰ نبوت جمع اموال اور دنیوی فوائد کے لیے کیا تھا۔ ہاں اگر مدعی نبوت اعلان کر دے کہ جو مال آئے ساری جماعت کے منافع کے لیے ہے۔ اپنے منافع پر جماعت کے منافع کو مقدم رکھے اور ساتھ ہی اعلان کر دے کہ میرے بعد میرے اموال وقف ہوں گے۔ میرے رشتہ داروں کا بصیغۂ میراث ان کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو گا تو سرے سے کسی کو اعتراض کی مجال نہیں رہتی، اگر پیغمبر اپنی زندگی تنگی میں گزارے اور اولاد کو دولت مند بنا جائے تو دنیا میں اور کیا چاہیے ہر کوئی اپنی آسانی پر اولاد کی آسانی کو مقدم

رکھے ہے۔ اولاد کی آسانی اور آرام ہی تو اصل خوشی اور سرور کا موجب ہے۔ جو شخص صاحب اولاد ہے تو وہ ساری محنت ہی اولاد کے آرام کے لیے کرتا ہے۔ اگر پیغمبر بھی یہی کچھ کرے تو پیغمبر میں اور عامۃ الناس میں کیا فرق رہ جائے گا۔ اگر کوئی عاقل بالغ اپنی عقل سے پوچھے۔ درآں حالے کہ کسی سوسائٹی سے متاثر نہ ہو چکا ہو تو اسے یہی جواب ملے گا کہ پیغمبر ہر قسم کی دنیوی خواہشات سے پاک ہے۔ دور کیوں جاتے ہو۔ ہمارے ملک میں مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اس سے پہلے وہ ایک عرائض نویس آدمی تھا۔ جس کی تنگدستی ظاہر و باہر تھی۔ رفتہ رفتہ نبوت کا دعویٰ جڑ دیا، اور چندے وصول کرنے شروع کر دیے۔ یہاں تک کہ شاہی ٹھاٹھ باٹھ سے دن گزارنے لگا۔ اور جب دنیوی زندگی سے مایوس ہوا تو اپنی اولاد میں میراث کے قاعدے کے مطابق وہ اموال تقسیم کیے جو دعویٰ نبوت کے سبب سے جمع ہو گئے تھے۔ اس پر اہل اسلام کے علماء نے اعتراض کیا کہ نبوت کا دعویٰ ہی اس لیے کیا تھا کہ اپنی اولاد کو مالا مال کر جائے اس اعتراض کا جواب ہوا نہ ہو سکے گا۔

کیا شیعہ حضرات چاہتے ہیں کہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی ذات پاک بھی اس قسم کے اعتراضات کا نشانہ بن جائے۔ آنحضور ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾

''اور خدا بچائے گا تجھ کو آدمیوں کے شر سے۔''

آدمیوں کا شر دو قسم پر ہے۔ ایک جسمانی اور دوسرا روحانی۔ جسمانی شر تو یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کے بدن مبارک کو تکلیف پہنچائیں، زخمی کر دیں، یا قتل کر دیں۔ روحانی شر یہ ہے کہ ایسے اعتراضات وارد کر دیں جن کے جوابات نہ ہو سکیں۔ پس آنحضور ﷺ کا فرمان ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا معترضین کے اس اعتراض کے دفعیہ کے لیے صادر ہوا ہے اور یہ وحی خداوندی ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ پیغمبروں پر یہ اعتراض کیا جائے گا۔ اس لیے پہلے سے اپنے پیغمبروں کو تعلیم دے

دی تا کہ معترضین کے اعتراضات کا قلع قمع ہو جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ پیغمبروں کی مالی میراث کے قائل ہیں وہ پیغمبروں کو اپنے پر قیاس کرتے ہیں۔ ان میں اور پیغمبروں میں جو عظیم الشان فرق ہے اس کو نظر انداز کر جاتے ہیں

کارِ پاکاں را قیاس خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

یہ چھ دلائل ہیں۔

ان میں پانچ نقلی ہیں اور آخری ایک دلیل عقلی ہے۔ جس سے واضح ہو رہا ہے کہ پیغمبران علیہم السلام کے بعد ان کے وارث علوم شرعیہ کے وارث ہوتے ہیں۔ دنیوی چیزوں کے نہیں بنتے۔ دنیوی متروکاتِ پیغمبران خدا کی راہ میں وقف قرار پاتے ہیں۔ اور یہ کمالات نبوت میں سے ہے۔ جو شخص بھی انصاف کی نگاہ سے ان دلائل کو دیکھے گا۔ ضرور اطمینان قلبی حاصل کر لے گا۔ اور جو شخص تعصب کی نگاہ سے ان دلائل کو دیکھے گا وہ معذور نہیں ہے۔ قیامت کے مواخذہ سے ہرگز نہ بچ سکے گا۔

بروز حشر ہمچو روز معلومت
کہ با کہ باختہ عشق در شب دیجور

شیعہ کے دلائل اور ان کے جوابات

شیعہ کی پہلی دلیل

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾

”حکم کرتا ہے تمھیں خدائے تعالیٰ تمھاری اولاد کے بارے میں کہ ایک بیٹے اور دو بیٹیوں کا حصہ برابر ہے۔“

اس آیت کے خطاب میں جس طرح امتی داخل ہیں اسی طرح نبی کریم ﷺ بھی داخل ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ امتی اس جہان سے روانہ ہوں تو ان کی اولاد متروکات دنیویہ حاصل کریں۔ اور حضور پرنور ﷺ اس جہان فانی سے روانہ ہوں تو ان کی اولاد متروکات دنیویہ سے محروم رہیں۔

جواب: اس آیت میں صرف آنحضور ﷺ کے ماننے والوں کو خطاب ہے۔ آنحضور ﷺ اس آیت کے خطاب کے مخاطب نہیں ہیں۔ وجہ اس کی وہی دلائل ہیں جو ابھی ذکر کر چکا ہوں، جن میں احادیث ائمہ طاہرین علیہم السلام بھی موجود ہیں اور عقلی تائید سے نہایت مضبوط ہو چکی ہیں۔ شیعہ علماء اس موقع پر کہا کرتے ہیں کہ حدیث قرآن کی تخصیص نہیں کر سکتی، مگر تعجب ہے کہ اگر اخبار آحاد سے قرآن کی تخصیص کر لیں تو وہ عین ثواب ہو، اور اگر سنی علماء یہی کام کریں تو وہ گردن زنی ہو جائیں۔

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا
سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

شرح اس کی یہ ہے کہ آیت مندرجہ ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ کے حکم

میں شیعہ علماء نے خود تخصیص روا رکھی ہے۔ ان کی کتب فقہ میں مانع ارث بیس لکھے ہوئے ہیں۔ چھ مانع تو صاحب شرح لمعہ نے بھی ذکر کر دیے ہیں۔

ناظرین کرام کی ضیافت طبع کے لیے نمونہ پیش کرتا ہوں۔

پہلا مانع: کفر ہے صورت اس کی یہ ہے باپ مسلمان ہے اور بیٹا اس کا کافر ہے۔ باپ کے مرنے پر یہ کافر بیٹا اس کی میراث سے محروم رہے گا۔ اس تخصیص کے لیے ایک حدیث لکھتے ہیں جس کے الفاظ ہیں:

((لا یرث الکافر المسلم))

''کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا۔''

یاد رہے کہ یہ حدیث اخبار آحاد میں سے ہے متواتر ہرگز نہیں ہے۔

دوسرا مانع: قتل ہے اس کی صورت یہ ہے کہ بیٹے نے اپنے باپ کو قتل کر دیا۔ تو یہ بیٹا اپنے باپ کی میراث سے محروم ہو جائے گا۔ اس تخصیص کے لیے ایک حدیث لکھتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں:

((قال رسول الله ﷺ لا میراث للقاتل))

''خدا کے رسول ﷺ نے فرمایا قاتل کے لیے مقتول کی میراث نہیں ہے۔''

(فروع کافی جلد سوم صفحہ ۷۷)

یاد رہے کہ یہ بھی خبر واحد ہے اور تخصیص ہو چکی ہے۔

تیسرا مانع: غلامی ہے صورت اس کی یہ ہے کہ باپ آزاد ہو گیا ہے اور اس کا بیٹا غلام ہے۔ اس باپ کے مرنے پر یہ بیٹا وارث نہیں ہو سکتا۔ اس تخصیص کے لیے بھی ایک حدیث پیش کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں:

((عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال لا یتوارث الحر والمملوك))

''حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا آزاد اور غلام ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔''

یہ حدیث فروع کافی صفحہ ۸۲ جلد سوم میں ملاحظہ کریں۔

چوتھا مانع: لعان ہے۔ صورت اس کی یہ ہے کہ کوئی مرد اپنی زوجہ پر زنا کی تہمت لگاتا ہے اور گواہ زنا پیش نہیں کر سکتا اور وہ عورت انکار کرتی ہے اس مقدمہ میں قاضی خاوند کو حکم دے گا کہ چار قسمیں اپنی صداقت پر کھانے کے بعد ایک لعنت کرے جس کا مضمون یہ ہوگا کہ اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو۔

اس کے بعد قاضی زوجہ کو حکم دے گا کہ خاوند کے جھوٹ بولنے پر چار دفعہ خدا کی قسم کھائے۔ پھر کہے خدا تعالیٰ کا غضب ہو مجھ پر اگر میرے خاوند نے اس معاملہ میں سچ کہا ہو۔ یہ ہے لعان کی صورت۔ شریعت میں یہ بھی ایک قسم کی سزا ہے اس کے بعد قاضی ان دونوں کے درمیان تعلق نکاح کو توڑ دیتا ہے۔ اندریں حالت جو لڑکا پیدا ہوگا وہ لڑکا جب مرے گا تو اس لڑکے کا باپ میراث نہیں پائے گا۔

اس تخصیص کے لیے بھی ایک حدیث پیش کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں:

((عن ابی جعفر علیہ السلام ان میراث ولد الملاعنة لامه فان کانت امه لیست بحیة فلاقرب الناس الی امه اخواله))

"امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے آپ نے فرمایا لعان والی عورت کا بیٹا مر جائے تو اس کی وارث اس کی ماں ہے اور اگر ماں زندہ نہ ہو تو اس لڑکے کے ماموں جو زیادہ قریب ہیں۔"

فروع کافی جلد سوم صفحہ ۸۸ پر یہ حدیث موجود ہے۔ اور یہ بھی خبر واحد ہے متواتر نہیں ہے۔

امید ہے کہ ناظرین کرام تخصیص کے ان نمونوں کو مطالعہ کرنے کے بعد خوب سمجھ گئے ہوں گے کہ شیعہ نے بھی اس آیت میں تخصیص روا رکھی ہے اب اگر اہل سنت کے منہ سے تخصیص کا لفظ صادر ہو جائے تو اس میں کون سی قباحت لازم آئے گی۔ اس آیت کی تخصیص کے لیے جو حدیثیں اہل سنت نے پیش کی ہیں وہ چونکہ فریقین کی کتابوں میں برابر صحیح تسلیم کی گئی ہیں جیسا کہ ذکر کر چکا ہوں اور ائمہ کرام علیہم السلام کی تصدیق شدہ ہیں نیز درایت سے تائید یافتہ ہیں۔ اس لیے ان کی تخصیص کے درست

ہونے میں تو کسی اہل انصاف کو شبہ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ تخصیص کی حقیقت اظہار خصوصیت ہے اس لیے جو احادیث تخصیص کرتی ہیں وہ ناسخ نہیں بلکہ وہ تو مفسر ہیں۔

یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ میں مخاطب مجمل ہے۔ حضرت امام جعفر رحمہ اللہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث نے واضح کر دیا کہ یُوْصِیْکُمْ کے خطاب میں پیغمبر علیہ السلام داخل ہی نہیں۔ نسخ تو جب ہوتا کہ خطاب کے اندر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوتے اور یہ حدیث آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خارج کر دیتی جن لوگوں نے تخصیص کی حقیقت کی طرف توجہ نہیں دی۔ انھوں نے تخصیص کو عین نسخ سمجھ لیا۔ اور پھر فتویٰ صادر کر دیا کہ خبر واحد تخصیص کے قابل نہیں ہوتی۔ اگر شیعہ وسنی کی کتب فقہ میں غور کرتے تو بہت جلد معلوم ہو جاتا کہ تخصیص سے کسی کو چارہ نہیں، جیسا کہ اوپر موانع کے بیان سے واضح ہو چکا ہے، اور پھر احادیث تخصیص کو متواتر ثابت کرنا نہایت ہی مشکل ہے۔ تواتر تو رہا بجائے خود، شیعہ علماء تو احادیث تخصیص کی صحت بھی ثابت نہیں کر سکتے۔ اگر کسی کو دعویٰ ہے تو میدان میں آ جائے ہم تو ہر وقت تحقیق کے واسطے بے قرار رہتے ہیں۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

شیعہ کی دوسری دلیل

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا ہے جو سورۂ مریم کے پہلے رکوع میں موجود ہے۔

﴿فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝﴾

”پس عطا کر مجھے ایک لڑکا جو میرا وارث بنے اور حضرت یعقوب کی اولاد کا وارث بنے اے میرے پروردگار اس کو پسندیدہ بنا لو۔“

وجہ استدلال یہ ہے کہ لفظ وراثت مال کی وراثت میں حقیقت ہے۔ اور علم و نبوت میں مجاز ہے۔ اور حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کی طرف جانا اور علم و نبوت میں اس کا

استعمال کرنا بدوں دلیل کے ہرگز جائز نہیں۔ اور مخفی نہیں کہ کوئی دلیل توی صارف عن الحقیقت نہیں ہے۔ (فلک النجات جلد اول طبع اول صفحہ ۱۰۴ تفسیر عمدۃ البیان صفحہ ۲۹۹)

جواب: اس آیت میں وراثت علم شریعت مراد ہے۔ مال کی وراثت ہرگز مراد نہیں ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ پیغمبروں کی نگاہ میں مال دنیا کی کوئی قدر و قیمت اور عزت و منزلت نہیں ہوتی۔ یہ بزرگ تو علوم الٰہیہ اور احکام شرعیہ سے سروکار رکھتے ہیں۔ دنیا داروں کی نگاہ میں اموال دنیویہ بڑی وقعت رکھتے ہیں۔ دنیا دار چاہتے ہیں کہ ہماری کمائی اور ہمارا جمع شدہ ہماری اولاد ہی کے کام آئے کسی دوسرے کے کام نہ آئے۔ اگر دنیا دار کا مال اس کے فرزندوں کے علاوہ کسی دوسرے رشتہ دار کے پاس چلا جائے تو اس کے پیٹ میں سخت درد اٹھتا ہے۔ اور نہایت غمناک ہوتا ہے۔ مگر خدا کے پیغمبروں کا یہ حال نہیں ہے وہ خود بھوکے رہتے ہیں۔ اپنی اولاد کو اہل بیت کو بھوکا رکھتے ہیں دو دو مہینے ان کے چولھوں سے دھواں نہیں نظر آتا۔ لیکن دنیوی اموال جس قدر بھی آ جاتا ہے وہ تقسیم کر کے مسجد سے جاتے ہیں۔ خدارا ان بزرگوں، ہستیوں کو اپنے پر قیاس نہ کرو۔ یہ دلیل عقلی ہے جو ہر عقلمند کو مجبور کرتی ہے کہ آیت زکریا میں علم شریعت کی وراثت مراد لیں۔ دنیوی چیزوں کی وراثت مراد نہ لیں۔ اور اگر اس آیت کے ماقبل کو اور مابعد کو سوچ سمجھ کر دیکھ لیا جائے تو علمی میراث کے علاوہ کوئی معنی تصور میں بھی نہیں آ سکتے۔ دیکھو آیت کے ماقبل میں یہ ارشاد ہے:

﴿وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِن وَرَائِي﴾

"اور میں ڈرتا ہوں اپنے رشتہ داروں سے جو میرے پیچھے رہنے والے ہیں۔"

اب سوچنا چاہیے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو کس بات کا ڈر ہے؟ کیا اس بات کا ڈر ہے کہ رشتہ دار چونکہ بدکار ہیں۔ وہ میرے مال کو برے کاموں میں خرچ کریں گے اور یہ کارروائی آپ کو پسند نہیں ہے تو اس اندیشے کا علاج تو نہایت ہی آسان تھا کہ سارا مال خدا کی راہ میں خیرات کر دیتے۔ اور خدائی خزانہ میں جمع کرا دیتے۔

خدا کی راہ میں دینا ہے گھر کا بھر لینا
اِدھر دیا کہ اُدھر داخل خزانہ ہوا

دوسری بات یہ ہے کہ جب ازروئے شریعت خداوندی آپ کے رشتہ دار مال کے وارث ہیں۔ اور قانون خداوندی آپ کا مال آپ کے رشتہ داروں کو دلاتا ہے تو پھر گھبرانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ گھبراہٹ تو حقیقت میں احکام شرعیہ سے گھبراہٹ معلوم ہوتی ہے جس سے خدا کے پیغمبر علیہ السلام لاکھوں میل دور ہیں۔ اور اگر آپ کو ڈر اس بات کا ہے کہ میرے رشتہ دار میرے بعد علم شریعت کے پھیلانے میں اور دین اسلامی کی تبلیغ میں کوتاہی کریں گے تو یہ اندیشہ واقعی صحیح ہے اور انبیاء علیہم السلام کی شان کے مطابق ہے۔

اس صورت میں حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا میں بھی وراثت علم شریعت مراد ہوگی اور اگر کوئی وراثت مال مراد لینے کی کوشش کرے تو آیت کے ماقبل کے خلاف کرے گا۔ جو نظم قرآن کو مضر ہے اور اگر اس آیت میں دعائے زکریا علیہ السلام کے مابعد کو دیکھا جائے تو ارشاد ہوا ہے:

﴿يَٰيَحْيَىٰ خُذِ الْكِتَٰبَ بِقُوَّةٍ﴾

''یعنی اے یحییٰ اس کتاب کو زور سے پکڑ لو۔''

ناظرین کرام! یہ وہی مولود ہے جس کے لیے حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے درخواست کی تھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صورت میں قبول فرمایا۔ اور یحییٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اے یحییٰ! اس کتاب تورات کو قوت سے پکڑ لو۔ اگر حضرت زکریا علیہ السلام کی مراد مال کی وراثت ہوتی تو اللہ تعالیٰ یحییٰ علیہ السلام کو حکم دیتے کہ اے یحییٰ اس مال کو قوت سے پکڑ لو یا یحییٰ خذ المال بقوۃ فرمایا جاتا۔ لفظ الکتاب کی جگہ لفظ المال مناسب ہوتا۔

یہ تین دلائل ہیں۔ ایک عقلی اور دو نقلی، جو گواہی دیتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا میں علم شریعت کے وارث کی طلب ہے۔ مال کے وارث کی طلب نہیں ہے۔ اور

صاحب فلک النجات نے جو فرمایا کہ حقیقی معنی سے پھیرنے کے لیے یہاں کوئی قوی دلیل نہیں ہے اور سید عمار علی صاحب نے عمدۃ البیان میں فرمایا ہے حقیقت چھوڑ کر مجاز کی طرف جانے کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔ دونوں صاحب راستے سے بھٹک گئے ہیں۔ اگر قرآن کے اندر تدبر سے کام لیتے اور ساتھ اپنی عقل کو بھی استعمال کرتے تو ضرور ہدایت سے ہمکنار ہو جاتے۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

شیعہ کی تیسری دلیل

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن حکیم کی سورۂ نمل میں فرماتے ہیں:

﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ﴾

''یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داود علیہ السلام کے وارث ہوئے۔''

وجہ استدلال یہ ہے کہ وراثت کا لفظ مال کی میراث میں حقیقت ہے۔ اور علم شریعت کی میراث میں مجاز ہے۔ اور حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی لینے کے لیے کوئی دلیل چاہیے جو یہاں موجود نہیں ہے۔

جواب: اس آیت میں نبوت اور بادشاہت کی وراثت مراد ہے دلائل ملاحظہ ہوں:

پہلی دلیل: آیت مذکورہ بالا کے بعد میں ہے ﴿اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ﴾ یعنی یہی ہے واضح فضیلت۔ اس جملہ میں اسم اشارہ کا مشار الیہ حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے خود بیان فرمایا ہے۔ جس کو تفسیر صافی جلد دوم صفحہ ۲۴۷ پر نقل کیا ہے۔ في الجوامع عن الصادق علیہ السلام يعني الملك والنبوة، یعنی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ اسم اشارہ سے مراد بادشاہت اور نبوت ہے۔

ناظرین کرام! حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی اس تفسیر سے واضح ہو گیا کہ آپ کے نزدیک حضرت سلیمان علیہ السلام نبوت اور بادشاہت کے وارث ہوئے ہیں۔ اگر حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے تصور میں وہ چیز ہوتی جو صاحب فلک النجات کے ذہن

میں ہے تو آپ اسم اشارہ کی یوں تفسیر فرماتے یعنی المال والنبوۃ مال کے لفظ کو ترک کر دینا اور اس کی جگہ پر ملک ونبوت کو رکھ دینا صاف بتا رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی مالی میراث آپ کے خیال شریف میں موجود نہیں ہے۔ یہاں سے اصول کافی کی حدیث ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا کی بھی تصدیق ہو گئی۔

اب شیعہ حضرات جو اعتراض علمائے اہل سنت پر کرتے ہیں وہی اعتراض حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ پر وارد ہو گیا۔ کیونکہ حضرت امام نے بھی میراث سلیمان علیہ السلام کے وہی معنی لیے جو اہل سنت کے علماء بیان کرتے ہیں۔

دوسری دلیل: ایک حدیث ہے جو اصول کافی مطبوعہ تہران صفحہ ۵۳ پر بدیں الفاظ درج ہے:

((قال ابو عبداللہ علیہ السلام ان سلیمان ورث داود وان محمدا ورث سلیمان))

''حضرت داود علیہ السلام کے وارث حضرت سلیمان ہوئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے وارث حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے۔''

ناظرین کرام! اس حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے کہ محمد اور سلیمان علیہما السلام میں جس قسم کی میراث ہے۔ سلیمان اور داود علیہما السلام میں بھی اسی قسم کی میراث ہے۔

اس حدیث نے آیت سورۂ نمل کی تفسیر کر دی ہے کہ آیت میں نبوت اور بادشاہت کی میراث ہے۔ شیعہ وسنی میں جس میراث کا تنازع ہے۔ آیت میں اس میراث کا نام ونشان بھی نہیں ہے۔ نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ لفظ وراثت بغیر مفعول بہ کے مذکور ہو تو اس صورت میں بھی مالی وراثت کے علاوہ دوسری وراثت مراد ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اصول کافی کی اس حدیث میں وراثت بغیر مفعول بہ کے مذکور ہے اور مراد نبوت اور بادشاہت کی وراثت ہے۔ پس سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کا دعویٰ کہ مطلق وراثت مال کی وراثت ہوتی ہے۔ اس حدیث نے باطل کر دیا۔

تیسری دلیل: حضرت داود علیہ السلام کے فرزندوں کی تعداد انیس تک کتب تفسیر اور تاریخ

میں ملتی ہے۔ دیکھو ناسخ التواریخ کتاب اول جلد اول صفحہ ۲۷۰ پر حضرت داود علیہ السلام کے چھ بیٹوں کے نام یوں لکھے ہیں۔ اول عمنون، دوم کالاب، سوم ابی شالوم، چہارم ادو نیا، پنجم سفطیا، ششم ایثرعم پھر اسی کتاب کے صفحہ ۲۸۴ پر گیارہ بیٹوں کے نام اور تحریر کیے ہیں۔ جو پہلے چھ بیٹوں کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ اول ساموع، دوم ساخوب، سوم ناثان، چہارم سلیمان، پنجم یوخابار، ششم الیشع، ہفتم نفاغ، ہشتم یقیع، نہم ایسمع، دہم الیدع، یازدہم الیفلط، یہ سترہ نام ہیں۔ زیادہ جستجو کی جائے تو امید ہے کہ باقی دو فرزندوں کے نام بھی مل جائیں گے۔ بہرحال حضرت داود علیہ السلام کے فرزندوں کے متعدد ہونے میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ پس اگر آیت مذکورہ میں حضرت داود علیہ السلام کی مالی میراث کا مذکور ہوتا۔ تو آپ کے فرزندوں میں سے صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذکر کرنے میں کون سا فائدہ ہے؟ کیا یہ مقصود ہے کہ باقی فرزندوں کو محروم کر دیا گیا تھا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ نہ حضرت داود علیہ السلام اپنی اولاد کو حقوق شرعیہ سے محروم کرنے والے تھے اور نہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے بھائیوں کو ان کے حقوق سے محروم کرنے والے تھے۔ کلام اللہ بے فائدہ ہونے سے پاک ہے۔ اس لیے اس آیت میں میراث نبوت اور بادشاہت مراد ہوگی۔ اور متنازعہ فیہ وراثت سے اس آیت کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

یہ تین دلائل ہیں اس بات پر ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ﴾ میں وراثت سے مراد وہ وراثت نہیں ہے جس میں شیعہ و سنی اختلاف ہے بلکہ مراد وراثت نبوت اور بادشاہت ہے۔ اب اگر کوئی کہہ دے کہ بغیر دلیل کے مجازی معنی مراد لے رہے ہیں تو یہ اس کی سینہ زوری ہوگی۔

اعتراض اوّل از صاحب فلک النجات

صاحب فلک النجات طبع اول صفحہ ۲۰۴ پر لکھتے ہیں اور اگر چہ کتب تفاسیر اہل تسنن میں داود علیہ السلام کے بیٹے بعض نے اٹھارہ لکھے ہیں لیکن حسب بیان ظاہر قرآن کے ایک سلیمان علیہ السلام ہی تھے، پڑھیے:

﴿وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ﴾

اس واسطے وارث صرف سلیمان ہی تھے۔

جواب: کتب شیعہ میں بھی حضرت داود علیہ السلام کے بیٹے انیس ہی لکھے ہوئے ہیں۔ دیکھو تفسیر عمدۃ البیان تصنیف سید عمار علی صاحب صفحہ ۵۰۱ نیز ملاحظہ ہو ترجمہ فارسی قرآن حکیم از مجتہد شیعہ مولوی محمد حسین صاحب خوانصاری صفحہ ۳۱۶

معلوم ہوا کہ صاحب فلک النجات کتب شیعہ کا مطالعہ نہیں رکھتے۔ اگر آپ کتب شیعہ کا مطالعہ کرتے تو اس قدر عظیم الشان غلط بیانی کے مرتکب نہ ہوتے۔

قرآن حکیم سے حضرت داود علیہ السلام کے صرف ایک بیٹے کا ثبوت بھی عجیب ہے:

﴿وَ وَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَیْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ﴾

''عطا کیا ہم نے داود کو سلیمان وہ نہایت ہی اچھا بندہ تھا اور وہ ہماری طرف بہت رجوع کرنے والا تھا۔''

ناظرین کرام! اس آیت شریف میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی مدح تو ضرور موجود ہے۔ مگر اس کے دوسرے بھائیوں کی نفی موجود نہیں ہے۔ شاید شیعہ مذہب کے اصول میں یہ بھی قاعدہ رکھا ہوا ہو کہ ایک فرزند کے ذکر سے دوسروں کی نفی ہو جاتی ہے۔ قرآن حکیم کے اندر پچیس پیغمبروں کے نام آئے ہیں اس قاعدہ کی رو سے تو باقی پیغمبروں کی نفی ہو جانی چاہیے۔

صاحب فلک النجات کے اس اعتراض سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داود علیہ السلام کے فرزندوں کا تعدد انہیں سخت نقصان دہ ہے۔ کیونکہ آپ کے فرزندوں کی صورت میں آیت ﴿وَ وَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ﴾ میں نبوت اور بادشاہت کی وراثت بن جاتی ہے۔ وراثت متنازعہ فیہ ہرگز نہیں بن سکتی اسی واسطے صاحب فلک نے سارے جہان کے خلاف داود علیہ السلام کے فرزندوں کے تعدد کا انکار کیا ہے۔ اور ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ حضرت داود علیہ السلام کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام کے علاوہ بھی تھے۔ اس واسطے ہماری تیسری دلیل لاجواب دلیل ہوگئی ہے۔ جو کوئی یوں کہے کہ آیت میں وراثت بادشاہت مراد نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ مجازی معنی بغیر دلیل کے مراد نہیں لے سکتے۔ تو یہ قول سینہ زوری

ہوگی جیسا کہ ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

اعتراض دوم از صاحب فلک النجات

کتاب فلک النجات طبع اول صفحہ ۳۷۷ پر لکھتے ہیں:

((ورث سلیمان من ابیه داود علیہ السلام الف فرس))

"یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے باپ داود علیہ السلام سے ہزار گھوڑے کے وارث ہوئے۔"

معلوم ہوا کہ آیت سورۂ نمل میں وراثت مالی مراد ہے جو متنازعہ فیہ ہے۔

جواب: لفظ وراثت معنی میں قبضہ کے بھی آتا ہے جیسا کہ:

﴿وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾

"اللہ تعالیٰ کے لیے آسمانوں اور زمین کا قبضہ ہے، یعنی ہر چیز اسی کے قبضہ میں ہے۔"

یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی رشتہ دار مر گیا ہے اور آپ کو آسمان و زمین میراث میں مل گئے ہیں۔ اسی طرح اس روایت میں بھی وراثت بمعنی قبضہ ہے۔ اور یہ ہزار گھوڑے کا قبضہ بادشاہی کے ضمن میں ہے کیونکہ جب حضرت داود علیہ السلام کی بادشاہی حضرت سلیمان علیہ السلام کو مل گئی تو حکومت کے گھوڑوں پر بھی انھی کا قبضہ ہو گیا۔ حکومت کے خاص اموال کو حاکم ہی تصرف میں لاتے ہیں۔ اس قبضہ کو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں۔

سنیے! آج کل ہمارے ملک میں کچھ زمینیں ایسی ہیں جو حکومت کی ملک میں ہیں۔ متعلقہ آفیسرز یہ زمینیں رعایا کو پٹہ پر دیتے ہیں اور وصول شدہ رقم سرکاری خزانہ میں جمع کرا دیتے ہیں۔ کیا ان حاکموں کو کوئی عقلمند آدمی ان زمینوں کا مالک تصور کر سکتا ہے۔ اسی طرح ہمارے ملک میں حکومت کے گھوڑے خچر بھی ڈپوؤں میں رکھے رہتے ہیں۔ ان میں بھی متعلقہ آفیسر سرکاری قاعدے کے مطابق تصرف کرتے رہتے ہیں۔ ان کو خود بھی استعمال کر سکتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی استعمال کے لیے حسب قاعدہ حکومت دے سکتے ہیں۔ مگر کوئی عقل مند آدمی ان گھوڑوں اور خچروں کا مالک ان

افسروں کو نہیں جانتا۔ بلکہ ہر کوئی جانتا ہے کہ یہ سرکاری گھوڑے ہیں۔ پس اسی طرح حضرت داود علیہ السلام کے بعد جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام بادشاہ ہوئے تو شاہی گھوڑوں میں ان کا تصرف جاری ہو گیا۔ اسی تصرف اور انتظامی قبضہ کو مفسرین کرام نے وراثت سے تعبیر کیا ہے۔ یہ وراثت بادشاہت ہے۔ جس کے ضمن میں گھوڑے کیا، سب حکومت کے اموال نئے حاکم کے تصرف اور انتظام کے اندر آ جاتے ہیں۔ اس سے مالک ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام ہزار گھوڑے کے مالک ہوتے تو پھر آپ کو اپنی خاص ضروریات زندگی کے لیے ٹوکریاں بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ جو شخص ہزار گھوڑے کا مالک ہو وہ تو بڑا بھاری دولت مند ہوتا ہے۔ گھوڑوں کا تناسل اور فروخت اتنی کثیر تعداد میں کئی کنبوں کی پرورش کے لیے کفایت کرتا ہے اور اس ذریعہ معاش میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے۔ پس معلوم ہو گیا کہ یہ گھوڑے آپ کی ذاتی چیز نہیں تھے بلکہ حکومت کے املاک میں سے تھے۔ اسی لیے آپ اپنی ذاتی ضروریات کے لیے ٹوکرے بنا کر بیچتے تھے۔ جیسا کہ مجتہد شیعہ علامہ محمد حسین صاحب خوانصاری اپنے فارسی ترجمہ قرآن مطبوعہ تہران صفحہ ۳۵۰ پر تحت آیت ﴿وَ وَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ﴾ لکھتے ہیں:

باوجود آں ملک و سلطنت زنبیل بافتے بجہت امر معاش خود بر حصیر خواب کردے ولحظہ از یاد حق غافل نہ بودے۔

"باوجود اس بادشاہی کے اپنے گزارے کے لیے ٹوکریاں بناتے تھے۔ اور چٹائی پر نیند کر لیتے تھے اور ایک دم بھی خدا تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے تھے۔"

معترض صاحب کی خدمت میں اس کے سوا اور کیا عرض کیا جائے۔

سخن شناسی نہ دلبر خطا ایں جاست

اعتراض سوم از صاحب فلک النجات

فلک النجات طبع اول صفحہ ۱۰۴ پر تحریر فرماتے ہیں نیز سلیمان علیہ السلام کو نبوت وعلم داود علیہ السلام کی زندگی میں حاصل تھا نہ کہ بعد وفات حضرت داود علیہ السلام کے ملا۔ دیکھو ﴿وَلَقَدْ

اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ عِلْمًا﴾ ثابت ہوا کہ وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ سے مراد وراثت محض علم نہیں ہے۔ وراثت ترکہ مقصود ہے یا دونوں۔

جواب: صاحب فلک النجات کے سوال سے معلوم ہوا کہ جو چیز کسی کی زندگی میں حاصل ہو۔ اس کے مرنے کے بعد اس کو وراثت سے تعبیر نہیں کر سکتے۔ وراثت کے لیے ضروری ہے کہ بعد وفات حاصل ہو۔ اس نظریہ کی تردید کے لیے ہم حضرت امام محمد باقر رحمہ اللہ کی ایک حدیث پیش کرتے ہیں۔

ملاحظہ ہو فروع کافی جلد سوم صفحہ ۴۷

((عن زرارة عن ابی جعفر علیہ السلام قال ورث علی صلوات الله علیه علم رسول الله ﷺ وورثت فاطمة علیہا السلام ترکته))

''حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خدا کے رسول کے علم کے وارث ہوئے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے متروکات کی وارث ہوئیں۔''

کیا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یہ علوم پیغمبر آپ کی وفات کے بعد حاصل ہوئے اور آنحضور ﷺ کی زندگی میں حاصل نہ تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولوی کلینی تو اپنی کتاب کافی میں ائمہ کے لیے علم ما کان وعلم ما یکون ثابت کرتا ہے اور ایک صاحب فلک نجات ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم شریعت کا بھی روا دار نہیں بناتے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل له ومن یضلله فلا ھادی له

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

تعجب ہے کہ خود صاحب فلک النجات فروع کافی جلد سوم کی یہ حدیث بالفاظ اسی صفحہ پر درج کر چکے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ صاحب فلک نجات نے نہ سنی تفسیروں کا مطالعہ کیا ہے نہ شیعہ تفسیروں کا۔ اگر آپ نے کتب تفسیر فریقین کا مطالعہ کیا ہوتا تو ہرگز ایسی غلط بیانی نہ فرماتے۔ شیعہ تفسیروں میں سے میرے سامنے تفسیر صافی ہے جو علمائے

شیعہ کے ہاں نہایت ہی معتبر ہے۔ جلد دوم صفحہ ۴۳۷ پر تحریر فرماتے ہیں:

((وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ الملك والنبوة))

"حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داود علیہ السلام کے وارث ہوئے بادشاہت اور نبوت کے۔"

اور سنی تفسیروں میں سے میرے سامنے روح المعانی موجود ہے۔ جلد ہفتم صفحہ ۱۷۰ پر لکھتے ہیں:

((وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ ای قام مقامه فی النبوة والملك وصار نبيا ملكا بعد موت ابيه داود علیہ السلام))

"حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داود علیہ السلام کے وارث ہوئے یعنی نبوت اور بادشاہت میں ان کے قائم مقام ہوئے اور اپنے باپ داود علیہ السلام کی موت کے بعد بادشاہ نبی بن گئے۔"

قائم مقام ہونے کو وراثت سے تعبیر کیا ہے اور یہ کلام عرب میں شائع ہے پس واضح ہو گیا کہ اس آیت میں محض علمی وراثت کا قول صرف سنی علمائے تفسیر کا قول نہیں ہے یہ بھی صاحب فلک نجات کی جانب سے بہتان ہے۔ علمائے تفسیر اہل سنت تو نبوت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور صاحب فلک النجات ہیں کہ بادشاہت کا نام لینے سے جی چراتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں بادشاہت کی وراثت شیعہ کو سخت مضر ہے۔ مگر کیا کیا جائے خود فلک نجات میں صفحہ ۳۷۷ پر رقمطراز ہیں:

قال الثعلبی فی عرائس المجالس صفحه ۴۰۰

((وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ یعنی نبوته وحكمته وعلمه وحكمه))

"حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داود علیہ السلام کے وارث ہوئے۔ ان کی نبوت کے اور حکمت کے اور علم کے اور بادشاہت کے۔"

اور باوجود اس کے فرماتے ہیں کہ اہل سنت اس آیت میں محض علمی وراثت کے قائل ہیں۔ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ

اعتراض چہارم از صاحب فلک النجات

فلک نجات طبع اول صفحہ ۱۰۴ پر تحریر فرماتے ہیں۔ نیز باب مدینۃ العلم ہر دو آیت مذکورہ نبوت وراثت انبیاء کے استدلال میں حضرت ابی بکر کے سامنے پیش کی ہیں۔ اور جناب مرتضٰی علیہ السلام کا استدلال کرنا ہمارے مدعا کی تائید میں کافی اور تمسک کے لیے عروہ وثقی ہے۔ اور استدلال علی علیہ السلام کا آیت مذکورہ سے بروایت ابن سعد کنز العمال جلد سوم صفحہ ۱۳۴ میں مذکور ہے۔

جواب: کنز العمال کی اس روایت کے راوی شیعہ لوگ ہیں۔ اس لیے اہل سنت کی تفسیر وراثت پر اعتراض کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ سید مرتضٰی جیسے شیعہ متکلمین کے سردار نے اس روایت کا سہارا نہیں لیا۔

نیز ابن ابی الحدید جیسے شیعہ متکلم نے اس روایت کو نہج البلاغہ کے فصول فدک میں ذکر نہیں کیا۔ جو شخص کنز العمال کی کوئی روایت ہمارے سامنے پیش کرے اسے چاہیے کہ کنز العمال کے مقدمے کو ملاحظہ کرے۔ جہاں لکھا ہے کہ کتاب کنز العمال حقیقت میں جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی جمع الجوامع ہے اور ظاہر ہے کہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے جمع الجوامع میں صحت کا التزام نہیں کیا۔ بلکہ ہر قسم کی حدیثیں جمع کر دی ہیں۔ عام اس سے کہ قوی ہوں یا ضعیف۔ منکر ہوں یا شاذ۔ مقبول ہوں یا مردود۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ کے صفحہ ۱۳۵ پر کتب حدیث کے طبقات کی تشریح کے بعد لکھا ہے:

((فالانتصار بها غير صحيح في معارك العلماء بالحديث))

''چوتھے طبقہ کی کتابوں سے امداد لینا علمائے حدیث کی مجلسوں میں درست نہیں۔''

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کنز العمال کی یہ روایت موضوع ہے یا ایسی ضعیف کہ قابل حجت نہیں ہے۔

باب دوم

صلوات اللہ علیہا
حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شان کے بیان میں

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل سے کتب فریقین لبریز ہیں۔ سارے اہل اسلام آں معصومہ کے اوصاف حمیدہ کے دل و جان سے گرویدہ ہیں۔ آپ ہی کی ہستی ہے جس کے متعلق آج تک دورائیں پیدا نہ ہوسکیں۔ یہاں تک کہ جب حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک محبوب ترین کون تھا؟ تو فرمایا فاطمہ! پھر پوچھا گیا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بعد محبوب ترین کون تھا؟ تو فرمایا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے خاوند علی رضی اللہ عنہ، سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے وہ صرف آپ کی ذات جامع کمالات ہے۔ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جس ہستی کو اپنی خاص جگہ پر بٹھایا کرتے تھے۔ وہ آپ ہی کی ذات ستودہ صفات ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر پر روانہ ہونے لگتے تو آخری الوداع جس سے کرتے وہ آپ کی ذات بابرکات ہوتی تھیں۔ اور جب سفر سے واپس تشریف لے آتے تو سب لوگوں سے پہلے جس سے ملاقات فرماتے وہ آپ ہی کی ذات منبع سعادات ہوتی تھی۔

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو تمام بہشتی عورتوں کی سیادت سے مسرور فرمایا اور دنیا کی ساری عورتوں کی سرداری کا مژدہ سنایا۔ اقربیت رسولؐ اور لقب بتول آپ کے زہد اور ترک دنیا پر زبردست گواہ ہیں۔ اور ایسی زبردست شہادت کو نہ ماننے والا ظلوم وجہول ہے۔ آپ ہی کو اپنے بدن کا ٹکڑا فرمایا۔ آپ کی خوشی کو اپنی خوشی اور آپ کے رنج کو اپنا رنج فرمایا۔ پس جو شخص آپ کو زاہدہ اور تارکہ دنیا بتاتا ہے وہ ضرور آپ کو خوش کرتا ہے۔ اور جو شخص حضرت بتول جگر گوشہ رسول کو دنیا دار خیال کرتا ہے وہ ضرور آپ کو رنج پہنچاتا

ہے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ

حضور نبی کریم ﷺ اس جہان فانی سے رحلت فرمانے لگے تو فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے کان میں ایک راز کی بات کہہ دی۔ جس سے آپ رونے لگیں تو فی الفور ایک ایسی بات آپ کے گوش گزار کی جس سے آپ کے وجود پاک میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اور بجائے رونے کے ہنسنے لگیں۔ قیامت کے دن جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بہشت میں جانے کے لیے تیار ہوں گی تو جبریل امین بلند آواز سے کہیں گے کہ لوگو آنکھیں بند کر لو تا کہ فاطمہ بنت محمد گزر جائیں۔ پس نبی رسول، صدیق شہید سب آنکھیں بند کر لیں گے اس وقت تک کہ آپ پردے میں گزر جائیں گی اور بہشت میں داخل ہو جائیں گی۔ رضی اللہ عنہا

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

ناظرین کرام! کہا جاتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے خلیفہ اول سے زمین فدک کا مطالبہ کیا اور دستیاب نہ ہونے پر آپ خلیفہ اول سے ناراض ہو گئیں اب ہم ان دونوں باتوں کے متعلق تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں اور حقیقت کے چہرے سے پردہ اٹھاتے ہیں، سنیے!

واقعی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے میراث کی راہ سے فدک وغیرہ کا مطالبہ کیا۔ اس مطالبے کا محرک کیا تھا؟ اس کے دریافت کرنے میں آج تک حق تحقیق ادا نہیں کیا گیا۔ حالانکہ اصل چیز اس مسئلہ میں محرک ہی معلوم کرنا تھا۔ شیعہ علماء نے اپنی تصنیفات میں لکھا ہے کہ آپ نے فدک کا مطالبہ کر کے دنیا پر واضح کر دیا کہ یہ شخص خلافت نبوت کے قابل نہیں ہے۔ حقداروں کے حقوق دینا دلوانا ہی تو خلیفہ برحق کا کام ہے۔ جس نے اربابِ حقوق کو ان کے حق نہ دیے وہ بادشاہ تو ہو سکتا ہے پیغمبر کا جانشین برحق نہیں ہو سکتا۔ عام رعایا کا حق مار لینا ظالم ہونے کے لیے کافی ہے۔ تو آل نبی ﷺ کے حقوق دبا لینے والا بڑا بھاری ظالم نہ کہلائے گا تو اور کیا کہلائے گا اور مسلم ہے کہ ظالم کو خلیفہ

برحق نہیں کہا جا سکتا۔

ناظرین کرام! شیعہ علماء کی اس تقریر میں حسب ذیل خرابیاں پائی جاتی ہیں:

پہلی خرابی

یہ تقریر بتلا رہی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ برحق نہیں جانتی تھیں۔ بلکہ ظالم جانتی تھیں اور شیعہ کے یہاں مسلم ہے کہ ظالم حاکم کے پاس مقدمہ لے کر جانا حرام ہے۔

ملاحظہ ہو فروع کافی جلد سوم صفحہ ۲۲۵

((عن عمر بن حنظلة قال سئلت ابا عبدالله علیہ السلام عن رجلین من اصحابنا یکون بینهما منازعة فی دین او میراث فتحاکما الی السلطان او القضاة یحل ذلك فقال من تحاکم الی الطاغوت فحکم له فانما یاخذ سحتا وان کان حقه ثابتا لانه اخذ بحکم الطاغوت وقد امر الله ان یکفر به))

”عمر بن حنظلہ کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ان دو مردوں کے بارے میں پوچھا جو ہمارے شیعہ میں سے ہوں اور ان کے درمیان قرضے یا وراثت میں تنازع پیدا ہو جائے پھر وہ مقدمہ لے جائیں بادشاہ یا اس کے قاضیوں کے پاس کیا یہ کام حلال ہے۔ حضرت امام رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا جو شخص بھی مقدمہ لے جائے ظالم حاکم کے پاس، پس وہ حاکم اس کے حق میں فیصلہ کر دے تو وہ مدعی جو چیز وصول کرے گا وہ اس کے لیے حرام ہو گی۔ اگرچہ واقع میں مدعی کا اپنا حق ہو۔ اس لیے کہ اس نے ظالم کے فیصلہ کے ذریعہ سے وہ چیز حاصل کی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس کی ہر بات کا انکار کیا جائے۔“

حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی یہ حدیث بلند آواز سے کہتی ہے کہ شیعہ کو غیر شیعہ حاکم کے پاس مقدمہ لے جانا حرام ہے۔ مطالبہ فدک کی مندرجہ بالا حکمت بیان

کرنے والے شیعہ حضرات بتلائیں کہ اس حدیث کے ہوتے ہوئے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا فدک کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کر کے معصوم رہ سکتی ہیں۔

اب شیعہ و تین راستوں میں سے ایک راستے پر ضرور گامزن ہونا ہوگا۔ یا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عصمت کے عقیدے کو ترک کر دیں یا حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی اس حدیث کو جھٹلا دیں یا پھر مطالبہ کی اس توجیہ سے توبہ کریں۔ راقم الحروف ازرہِ خیر خواہی شیعہ علماء کو مشورہ دیتا ہے کہ دونوں بزرگوں کی عصمت کو ترک نہ کریں۔ اور مطالبہ فدک کی جو وجہ بیان کی ہے اس سے رجوع کر لیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دوسری خرابی

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے علم اور حکم کے بغیر مطالبہ میراث حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شایان شان نہیں ہے۔ اور جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حکم سے یہ مطالبہ ہوا ہے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عصمت بھی داغدار ہوگئی۔ اوپر درج شدہ حدیث کے علاوہ ایک اور حدیث شریف ملاحظہ ہو فروع کافی جلد سوم صفحہ ۲۲۵

((عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال ایما مؤمن قدم مؤمنا فی خصومة الی قاض او سلطان جائر فقضی علیہ بغیر حکم اللہ فقد شرکہ فی الاثم))

"حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے فرمایا کوئی مومن کسی مومن کو کسی مقدمہ میں ظالم بادشاہ یا ظالم قاضی کے پاس جانے کو کہے پھر اس قاضی یا بادشاہ نے خدا کے حکم کو چھوڑ کر کوئی اور فیصلہ دیا تو یہ دونوں مومن گناہ میں برابر کے حصہ دار ہیں۔"

ناظرین کرام! یہ حدیث ظالم کے یہاں مقدمہ لے جانے والے کو اور مشورہ دینے والے کو گنہگار بتلا رہی ہے۔ پس اس حدیث نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی

گنہگار بنا دیا۔ کیونکہ یہ مرافعہ ان کے مشورہ کے بغیر ناممکن ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ظالم طاغوت تسلیم کر کے ان کے یہاں مقدمہ لے جانے سے جب ائمہ کرام علیہم السلام کی عصمت اور صداقت پر حرف آتا ہے تو بہتر یہی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ظالم کہنا چھوڑ دیں۔ اگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ظالم کہتے رہو گے تو پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عصمت ہرگز قائم نہیں رہ سکتی

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

تیسری خرابی

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے تمام اخراجات حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فدک کی آمدنی میں سے پورے کیے اور یہ کارروائی آخری دم تک جاری رہی۔ ملاحظہ ہو سید علی نقی فیض الاسلام کی فارسی کی شرح نہج البلاغۃ جلد پنجم صفحہ ۹۶۰

خلاصہ ابوبکر غلہ وسود آنرا گرفتہ بقدر کفایت باہل بیت علیہم السلام میداد وخلفاء بعد از وہم برآں اسلوب رفتار نمودند

''اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ظالم ہوتے تو ان کے ہاتھ سے اخراجات ہرگز وصول نہ کیے جاتے۔''

شیعہ مذہب میں ظالم سے تبرا نہایت ضروری ہے بلکہ اصل الاصول ہے۔ کہتے ہیں تولا بے تبرا نیست ممکن یعنی اہل بیت سے دوستی جبھی متصور ہو سکتی ہے کہ خلفائے ثلاثہ سے بیزاری ظاہر کی جائے۔ جب اہل بیت علیہم السلام نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے گھر کے اخراجات وصول فرمائے تو تبرا درمیان سے اٹھ گیا اور تبرا کے اٹھ جانے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ظالم ہونا خود بخود اٹھ گیا۔ پس شیعہ علماء کی مندرجہ بالا توجیہ باطل ہو گئی۔

ایک اور توجیہ

بعض اہل علم نے کہا ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا انبیاء اور غیر انبیاء کے درمیان مسئلہ

میراث میں فرق نہ جانتی تھیں۔ اس واسطے نبی کریم ﷺ کی میراث کا مطالبہ کر دیا۔ مگر پہلی توجیہ کی طرح یہ توجیہ بھی غلط ہے۔

اول: اس لیے کہ شیعہ وسنی کتب حدیث میں ایسی روایات پائی جاتی ہیں۔ جن سے واضح ہو رہا ہے کہ آپ اس مسئلہ کو جانتی تھیں۔ ملاحظہ ہو کتاب ناسخ التواریخ جلد چہارم از کتاب دوم صفحہ ۲۳۹

((قال رسول الله ﷺ فعلت فداها ابوها ثلث مرات ليست الدنيا من محمد ولا من ال محمد ولو كانت الدنيا تعدل عند الله من الخير جناح بعوضة ما اسقى فيها كافر شربة ماء ثم قام فدخل فيها))

”فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ٹھیک کام کیا۔ اس کا باپ اس پر فدا ہو، اس فقرے کو آنحضور ﷺ نے تین دفعہ دہرایا اور پھر فرمایا بات یہ ہے کہ دنیا محمد کے لیے نہیں ہے اور نہ محمد کی اولاد ہی کے لیے اگر دنیا کی قدر و قیمت خدا تعالیٰ کے یہاں مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ ملتا۔ پھر آنحضور ﷺ کھڑے ہو گئے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہو گئے۔“

ناظرین کرام! حضور نبی کریم ﷺ ملنے کے لیے تشریف لے آئے ہیں۔ گھر میں داخل ہونا چاہتے ہیں کچھ دنیوی چیزوں پر نظر پڑ گئی ناراض ہو کر ہٹ گئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خبر ہوتی ہے تو سب کچھ خدا کی راہ میں خرچ کر دیتی ہیں۔ جب آنحضور ﷺ کو یقین ہو جاتا ہے کہ اب اس گھر میں کوئی دنیا کی چیز نہیں ہے۔ تب جا کر آنحضور ﷺ اپنے سرور کا اظہار فرماتے ہیں۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں قدم رنجہ فرما کر گھر والوں کو خوش کرتے ہیں۔ اس حدیث میں حضور پر نور ﷺ کا ارشاد کہ دنیا محمد ؐ کے لیے نہیں ہے اور نہ آل محمد ؐ کے لیے ہے۔ انبیاء اور غیر انبیاء میں جو فرق ہے اس کو بالکل واضح کر چکا ہے اور مسئلہ میراث میں اگر کچھ خفا باقی تھا تو اس کو دور کر دیا ہے۔

سوچنے کا مقام ہے کہ آنحضور ﷺ دنیا سے بے تعلقی کے اظہار کے موقع پر اپنی آل کو اپنے ساتھ ملا کر ذکر کرتے ہیں اور کسی کو اس موقع پر اپنے ساتھ نہیں ملاتے۔ اس میں حکمت یہی ہے کہ آپ دنیوی وراثت سے پاکیزگی کا اظہار فرما رہے ہیں اور اپنی اولاد کو اپنی زندگی میں اس مسئلہ کی عملی تعلیم دے رہے ہیں۔ جن لوگوں کو آنحضور ﷺ نے قول سے اور عمل سے ترک دنیا کی ایسی تعلیم دی ہے کیا وہ نہیں جانتے کہ انبیاء اور غیر انبیاء میں دنیوی میراث کے اعتبار سے کس قدر تفاوت ہے؟ نتیجہ یہ ہے کہ آپ کی آغوش میں تربیت پانے والے اس مسئلہ سے ناواقف نہیں ہو سکتے۔

دوم: اس لیے کہ حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ اس مسئلہ کو خوب جانتے ہیں جیسا کہ پہلے باب میں مذکور ہوا۔ اور حضرت امام عالی مقام حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پوتے ہیں تو ضروری ہے کہ اس مسئلے کا علم آپ کو اپنی دادی کی جانب سے بطور وراثت حاصل ہوا ہو۔ اگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس مسئلہ کو نہ جانتی تھیں تو حضرت امام جعفر علیہ السلام کو اس مسئلے کا علم کس طرف سے حاصل ہوا؟

اگر کوئی یوں کہے کہ حضرت امام علیہ السلام کو بذریعہ وحی خداوندی اس مسئلے کا علم حاصل ہو گیا تو ہم کہتے ہیں کہ اس وحی خداوندی کو حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کوئی عداوت تھیں کہ انھیں اس مسئلہ کی خبر نہ دی۔ اور ان کے پوتے سے کچھ زیادہ محبت تھی کہ ان الانبیاء لم یورثوا درھما و لا دینارا کا پیغام آ کر پہنچا دیا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کا اس مسئلے کو جاننا حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے اس مسئلے کو جاننے کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ اصطلاح منطق میں یہ دلیل انی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اب واضح ہو گیا کہ یہ لاعلمی والی توجیہ بھی بے کار ہی ہے۔ اور طالب حق کے لیے مطالبہ کی اس توجیہ میں کوئی اطمینان کا سامان نہیں ہے۔

تحقیق مؤلف

راقم الحروف کے نزدیک حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا مطالبہ میراث اس واسطے تھا

کہ نفی میراث انبیاء کا نظریہ دنیا میں خوب مشہور ہو جائے۔ اگر آپ دربارِ خلافت میں اس مطالبہ کو پیش نہ فرماتیں تو حدیث لا نورث کو یہ شہرت ہرگز حاصل نہ ہوتی جو اس حدیث کو دنیا میں اب حاصل ہے۔ پہلے مسلمانوں کے عام مجمع میں میراث کے مسئلے کا پیش ہونا اور پھر سارے مجمع کا حدیث لا نورث کو سن کر تسلیم کر لینا۔ کسی ایک فرد کا انکار نہ ہونا۔ ایک ایسی چیز ہے کہ اس حدیث کو شہرت کے آخری مقام پر پہنچا دیتی ہے۔ اور مطالبہ میراث جس ہستی کی جانب سے اٹھایا گیا ہے اس کا مقصود باحسن وجوہ ہو گیا۔

اس حدیث کو اس قدر مشہور کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آ گئی کہ انبیاء کی دنیوی میراث کا نہ ہونا دلائل نبوت میں سے ایک عظیم الشان دلیل تھی اور خصائص نبوت میں سے ایک عظیم خصوصیت تھی جیسا کہ پہلے باب میں خوب وضاحت سے لکھا گیا ہے اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا جانتی تھیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہت سے لوگ نبوت کا دعویٰ کر کے ختم نبوت کے بنیادی عقیدے کو مسلمانوں کے دل سے نکالنے کی کوشش کریں گے اور مقصود اس ساری جعل سازی سے دنیوی فوائد ہوں گے۔ حدیث لا نورث کی شہرت اور عدم میراث انبیاء کے مسئلہ کی وضاحت اس وقت روشنی کے مینار کا کام دے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جس شخص نے بھی آج تک خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا۔ اس نے دنیا کے جمع کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ خود بھی آرام سے زندگی گزاری اور اولاد کو بھی آسودگی کی زندگی کے راستے پر لگا دیا۔ اس موقع پر جن لوگوں نے روشنی کے اس مینار کو دیکھ لیا وہ فوراً تاڑ گئے کہ یہ صاحب جھوٹے ہیں۔ اصلی نبی نہیں بناسپتی نبی ہیں۔

پس حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے پیغمبروں کی میراث کے قاعدے کو مشہور کر کے قیامت تک جھوٹے دعوے کرنے والوں کی تعیین فرما دی اور نبوت کی تشخیص کا ایک ایسا آلہ لوگوں کے حوالے کیا جس کے ہوتے ہوئے کسی جھوٹے کی دکان چالو نہیں ہو سکتی۔ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی یہ کارروائی حقیقت میں ختم نبوت کی عظیم الشان خدمت ہے اور اس خدمت کے لیے آل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ موزوں کون ہو سکتا ہے؟ خلاصہ کلام

یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسیلمہ کذاب سے جنگ کر کے ختم نبوت کے مسئلہ کی خدمت کی تو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے عدم میراث انبیاء کے مسئلہ کو مشہور کر کے تاج ختم نبوت کو چار چاند لگا دیے۔ سچ ہے عادات السادات سادات العادات

یہ رتبہ بلند بلا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

سوال: حدیث لا نورث کی شہرت عوام کے مجامع میں بار بار کرنے سے ہو سکتی تھی۔ دربارِ خلافت میں مطالبہ میراث کے ذریعہ سے اس حدیث کو شہرت دینے کی کیا ضرورت تھی۔

جواب: اس حدیث کے معانی میں بہت سے احتمالات پیدا ہو سکتے تھے۔ منقول کی میراث کی نفی ہو یا غیر منقول کی میراث کی نفی ہو۔ یا دونوں میراث کی نفی ہو۔ دربار خلافت میں جب اس حدیث نے ایک عظیم الشان مقدمے کا فیصلہ کیا تو اس کی مراد متعین ہو گئی۔ اور باقی احتمالات رفع ہو گئے۔ قانون کی صحیح تفسیر ہائی کورٹ میں ہوتی ہے اور وہی قانون کی تشریح معتبر اور مستند ہوتی ہے جو ہائی کورٹ سے کسی فیصلہ کے ضمن میں صادر ہوتی ہے۔

مسلمانوں کے سب سے بڑے اور سب سے پہلے ہائی کورٹ نے اول اول دو مسئلے حل کیے۔

پہلا: یہ کہ انبیاء علیہم السلام کی دنیوی میراث کوئی نہیں ہے۔

دوسرا: یہ کہ جو شخص بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے اس سے جنگ کرنا اہل اسلام پر لازم ہے۔

ان دونوں مسئلوں کا تعلق عقیدۂ ختم نبوت سے ہے۔ پہلے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب جھوٹے پیغمبروں کی نشاندہی کر دی اور دوسرے مسئلہ نے ان پر فردِ جرم عائد کر دیا اور اس جھوٹے دعویٰ کی سزا مقرر کر دی۔ پہلے مسئلہ کی تحریک کا شرف اللہ تعالیٰ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو عطا کیا تو دوسرے مسئلہ کی تحریک کا سہرا حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہا کے سر باندھا۔ ان دونوں بزرگ ہستیوں کو ختم نبوت کے اولین خدمت کار کا لقب دینا عین ثواب ہے اور اس مسئلہ میں شک و شبہ کی گنجائش کا تصور کرنا سرمایۂ عذاب ہے۔

ناظرین کرام! اب واضح ہو گیا کہ اس مطالبہ کی حقیقت کیا تھی اور یہ کیا سمجھے۔

بر افگن پردہ تا معلوم گردد
کہ یاراں دیگرے را می پرستند

مسئلہ رضا مندی

جب مطالبہ فدک کی حقیقت واضح ہو چکی تو ضروری ہوا کہ ناظرین کرام کے سامنے رضا مندی کا مسئلہ رکھا جائے۔ پہلے باب میں خوب وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ پیغمبروں کے فرزندان کے دین کے وارث ہوتے ہیں۔ دنیوی چیزیں وراثت میں نہیں پاتے۔ پیغمبر جو کچھ چھوڑ کر اس جہان فانی سے روانہ ہوتے ہیں وہ وقف کر جاتے ہیں۔

ائمہ کرام اہل بیت علیہم السلام کی حدیثوں سے اس مسئلہ کو ثابت کیا گیا ہے اور عقلی دلائل سے بھی اس نظریہ کو مزین کیا گیا ہے۔ پس ناممکن ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایسے واضح اور مضبوط مسئلہ کو سن کر غضب ناک ہو جائیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف سن کر آپ کی طبع شریف کا ناراض ہو جانا مستحیلات عقلیہ میں سے ہے۔ اس قسم کے تصورات اسی شخص کے ذہن میں آ سکتے ہیں جو آپ کی علوشان سے ناواقف ہو۔ اور پھر ان کی تصدیق کرنا اس کا کام ہے جو آپ کے علمی اور عملی کمالات پر پورا یقین نہ رکھتا ہو۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس عقلی مسئلہ کو روایات کی روشنی میں بھی ناظرین کرام کے سامنے رکھ دیں تاکہ کوئی یوں نہ کہے کہ یہ مسئلہ روایات کی تائید سے عاری ہے۔

لیجیے صاحب ملاحظہ ہو شرح نہج البلاغۃ مطبوعہ ایران از علامہ ابن میثم بحرانی صفحہ ۵۴۳

((کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاخذ من فدك قوتکم ویقسم الباقی

ویحمل منه فی سبیل الله ولك علی الله ان اصنع بها کما کان یصنع فرضیت بذلك واخذت العهد علیه به وکان یاخذ غلتها فیدفع الیهم منها ما یکفیهم ثم فعلت الخلفاء بعده کذلك الی ان ولی معاویة))

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے خطاب کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فدک کی آمدنی میں سے تمھارا اہل بیت کا خرچ الگ کر لیتے تھے۔ اور جو کچھ باقی بچ جاتا مسکینوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اور اس میں جہاد کے لیے سواریاں دیتے تھے۔ اور خدا کی رضا مندی کے لیے آپ کا مجھ پر حق ہے کہ فدک کے بارے میں وہی کارروائی کروں جو کارروائی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ پس حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اس بات پر راضی ہو گئیں۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عہد لے لیا پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ارض فدک کی آمدنی میں سے اہل بیت علیہم السلام کو اس قدر دیتے تھے کہ سال بھر کے اخراجات کے لیے کافی ہو جاتا تھا۔ پھر باقی خلفا نے بھی اسی طرح کیا۔ یہاں تک کہ معاویہ رضی اللہ عنہ ملک کے والی ہوئے۔''

ناظرین کرام! اس روایت سے چار مسئلے واضح ہوتے ہیں:

پہلا: یہ کہ فدک سے متعلق نبوی طرز عمل میں اور صدیقی طرز عمل میں کوئی تفاوت نہیں تھا۔

دوسرا: یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا راضی تھیں اور صدیقی طرز عمل آپ کو پسند تھا۔

تیسرا: یہ کہ اہل بیت علیہم السلام کے گھر کے اخراجات آخری دم تک فدک کی آمدنی میں سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پورے کرتے رہے۔

چوتھا: یہ کہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی کارروائی فدک سے متعلق ایک ہی طرح کی رہی

ہے۔ پس جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فدک مروان کو بخش دیا تھا وہ غلط بات ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فدک میں سے کچھ حصہ مروان کو دے دیا تھا۔ پھر مروان نے اپنی حکومت کے دوران میں سارے کا سارا فدک اپنی ملک میں لے لیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فدک کے بارے میں طریق نبوی کو ہرگز نہیں چھوڑا تھا۔

ناظرین کرام! رضا مندی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی یہ روایت صرف ایک ہی کتاب میں مذکور نہیں ہے بلکہ اس روایت کو ابن میثم کے علاوہ دوسرے علمائے شیعہ نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

راقم الحروف کے مطالعہ میں جو کتابیں آ چکی ہیں۔ ان کے نام تعیین صفحہ کے ساتھ لکھے جاتے ہیں۔ درہ نجفیہ شرح نہج البلاغۃ مطبوعہ تہران صفحہ ۳۳۲ حدیدی شرح نہج البلاغۃ جلد دوم جز شانزدہم صفحہ ۲۹۶ سید علی نقی فیض الاسلام کی فارسی شرح نہج البلاغۃ جز پنجم مطبوعہ تہران صفحہ ۹۶۰

اب بھی کوئی شخص اس روایت کو سنیوں کی طرف منسوب کرے تو عدالت اور انصاف سے بہت دور ہوگا۔ ہم اس کو ہٹ دھرم نہ کہیں تو اور کیا کہیں؟ نیز اگر یہ روایت سنیوں کی گھڑی ہوئی ہے تو علمائے اہل سنت کی کسی کتاب میں سے نکال کر دکھلا دیں۔ جہاں تک راقم الحروف کے مطالعہ کا تعلق ہے۔ سنی علماء نے اس روایت کو اپنی تصنیفات میں درج نہیں کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب شیعہ مصنفین اس روایت کو اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں تو اہل سنت کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ اگر یہ روایت علمائے اہل سنت کی کسی کتاب سے نقل کی جاتی تو شیعہ علماء چوکنے والے نہیں تھے ضرور تصریح کر دیتے کہ روایت اہل سنت کی فلاں کتاب سے ہم نے نقل کی ہے۔

ناظرین کرام! جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ روایت خاص شیعہ کی ہے تو اس روایت میں اگر کوئی لفظ یا فقرہ ایسا ہو جو اہل سنت کی تحقیقات کے خلاف ہو تو وہ اہل سنت کو کچھ ضرر نہیں دے سکتا۔ اس لیے کہ شیعہ روایت شیعہ پر حجت ہوتی ہے اہل سنت پر ہرگز

حجت نہیں بن سکتی۔

سوال: رضا مندی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کی ابتدا لفظ روی سے ہے جو صیغہ فعل مجہول ہے اور یہ عنوان روایت کے ضعیف ہونے کا نشان ہے اور ناراضگی کی روایت مشہور کے عنوان سے شروع کی گئی ہے۔ جو روایت کے قوی ہونے کا نشان ہے۔ پس اس کو ترجیح ہوگی اور رضا مندی کی روایت ساقط عن الاعتبار ہوگی۔

جواب اوّل: شیعہ کے اصول کو دیکھا جائے تو ان کے یہاں روایت بصیغۂ مجہول ضعف کا نشان نہیں ہے بلکہ عدم شہرت کی دلیل ہے۔ اسی واسطے ابن میثم بحرانی نے ناراضگی کی روایت کو لفظ مشہور سے شروع کیا ہے۔ اب قابل غور بات یہ ہے کہ شیعہ کے یہاں جو بات مشہور ہو وہ حق ہوتی ہے یا غیر مشہور بات برحق ہوتی ہے؟ تو کتب اصول شیعہ دیکھنے سے معلوم ہوا ہے کہ جو بات ان کے یہاں مشہور ہوگی وہ باطل ہوگی اور جو بات ان کے یہاں غیر مشہور ہوگی وہ برحق ہوگی۔

ملاحظہ ہو صافی شرح اصول کافی کتاب الایمان والکفر جز چہارم حصہ دوم باب الکتمان صفحہ ۲۵

((عن معلی بن خنیس قال قال ابو عبداللہ علیہ السلام یا معلی اکتم امرنا ولا تذعه فانه من کتم امرنا ولم یذعه اعزہ اللہ به فی الدنیا وجعله نورا بین عینیه فی الاخرۃ تقودہ الی الجنة))

''معلیٰ بن خنیس کو خطاب کرتے ہوئے حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اے معلیٰ! ہماری باتوں کو چھپائے رکھنا اور ان کو شہرت نہ دینا اس لیے کہ جس کسی نے ہماری باتوں کو چھپایا اور مشہور نہ کیا۔ خدا تعالیٰ اس کو دنیا میں عزت دے گا۔ اور قیامت کے دن اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور پیدا کرے گا اور لے جائے گا اس کو بہشت میں۔''

ناظرین کرام! یہ حدیث اور اسی طرح کی بہت سی حدیثیں کتمان حق کے باب میں اصول کافی میں درج ہیں۔ سب کا خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ کرام اہل بیت رحمہم اللہ نے

اپنے شاگردوں اور صحابہ کو اپنی احادیث کے چھپا رکھنے کی سخت تاکید کی تھی۔ جس کو بھی اپنے صحابہ میں سے دین کی کوئی بات بتلاتے تھے۔ ساتھ ساتھ پوشیدہ رکھنے کی بھی تاکید فرما دیتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنے شیعوں سے بھی چھپا رکھنے کا حکم دیتے تھے۔ ملاحظہ ہو اسی باب کی ایک حدیث:

((عن عمار قال قال ابو عبدالله علیہ السلام اخبرت بما اخبرتك به احدا قلت لا الا سليمان بن خالد قال ما احسنت اما سمعت قول الشاعر ولا يعدون سري وسرك ثالثا۔ الا كل سر جاوز اثنين شائع))

''عمار کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے مجھے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کیا کسی کو اس بات کی خبر دی ہے جو میں نے تم کو بتلائی تھی؟ میں نے جواب میں عرض کیا کہ اور تو کسی کو نہیں بتلائی۔ صرف سلیمان بن خالد کو بتلائی ہے۔ حضرت امام عالی مقام رحمہ اللہ نے فرمایا تو نے اچھا نہیں کیا۔ کیا تو نے شاعر کا قول نہیں سنا جس میں وہ کہتا ہے کہ جو بھید دو آدمیوں سے باہر نکل جائے وہ مشہور ہو جاتا ہے۔''

ناظرین کرام! باب کتمان حق کی احادیث بلند آواز سے بتلا رہی ہیں کہ ائمہ کرام اہل بیت رضی اللہ عنہم نے اپنے شاگردوں کو اظہار حق سے روک دیا تھا۔ اور حق بات کو چھپا رکھنے کی سخت تاکید فرما دی تھی۔ اسی واسطے مذہب شیعہ زاویہ تقیہ میں چھپا رہا۔ جیسا کہ قاضی نور اللہ شوستری نے اپنی کتاب مجالس المومنین کی ابتدا میں اقرار کیا ہے کہ مذہب شیعہ سلاطین صفویہ کی حکومت قائم ہونے کے بعد دنیا میں ظاہر ہوا۔ اس سے پہلے زاویہ تقیہ میں چھپا رہا اور شیعہ علماء اپنے آپ کو حنفی یا شافعی ظاہر کرتے رہے۔

پس آئمہ کرام اہل بیت رضی اللہ عنہم نے جب اپنے شاگردوں کو اپنی خاص احادیث مشہور کرنے سے روک دیا تھا تو اب ایسا کون شاگرد ہوگا جو فرمودۂ امام معصوم کو پس پشت ڈال دے۔ اور ائمہ کرام کی باتوں کو مشہور کردے۔ لائق شاگرد تو وہی ہوگا جو ائمہ

کرام کی حدیثوں کو خوب چھپا کر رکھے گا۔ نہ اپنوں کو بتائے اور نہ بیگانوں پر ظاہر کرے۔ دیکھا سلیمان بن خالد خاص شیعہ میں سے تھا مگر پھر بھی حضرت امام ناراض ہوئے کہ اس کو بھی ہماری باتیں بتانا جائز نہیں تھا۔ جب ہم نے حق ظاہر کرنے سے منع کر دیا تو کسی کو بتانا جائز نہیں ہے چاہے شیعہ ہو چاہے سنی ہو، چاہے موافق ہو چاہے مخالف ہو۔ اب روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے اصحاب نے خاص علوم ائمہ کو ہرگز شہرت نہیں دی۔ پس جو بات انھوں نے مشہور کی وہ ائمہ کرام کی بات نہ ہوگی بلکہ کسی اور کی بات ہوگی۔ اور جو بات پوشیدہ اور غیر مشہور ہوگی۔ وہ واقعی ائمہ کرام کی بات ہوگی۔ اور جو پوشیدہ اور غیر مشہور ہوگی وہ واقعی ائمہ کرام کی بات ہوگی اور وہی حق ہوگی۔

پس رضا مندی کی روایت کا مشہور نہ ہوسکنا اس کے صحیح اور حق ہونے کی دلیل ہے اور اس روایت کا پوشیدہ رہنا اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ یہ روایت حقیقت میں ائمہ کرام اہل بیت رضی اللہ عنہم کی روایت ہے اور ناراضگی کی روایت کا مشہور ہو جانا اس کے غیر صحیح ہونے کا نشان ہے۔ ہوسکتا ہے کہ شیعہ علماء نے ناراضگی کی روایت کو بیان کر کے اپنا سنی ہونا ظاہر کیا ہو۔ تقیہ کے اصول کے یہ برگ و بار ہیں اور کتمان حق کے قاعدے کے یہ لوازمات ہیں۔

جواب دوم: فعل مجہول کا عنوان ضعف روایت کی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو امام مہدی علیہ السلام سے مروی ہونے کی دلیل ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے آخری امام کا نام لینے سے منع کر دیا تھا ملاحظہ ہو صافی شرح اصول کافی کتاب الحجۃ جز سوم باب ہفتاد و ہفتم صفحہ ۳۹۱

((عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال صاحب ھذا الامر لا یسمیہ باسمہ الا کافر))

"حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کا نام لے کر جو ذکر کرے گا وہ کافر ہو جائے گا۔"

ناظرین کرام! شیعہ مذہب کے اصول میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کے غائب ہو جانے کا عقیدہ ہے۔ ان کے غائب ہونے سے لے کر تقریباً ۷۰ سال تک غیبت صغریٰ ہے۔ جس میں خاص لوگ آپ سے ملاقات کرتے رہے۔ اس کے بعد کا زمانہ غیبت کبریٰ کا زمانہ ہے۔ جس میں کوئی شخص آپ سے ملاقات نہیں کر سکتا۔ غیبت صغریٰ کے پاک زمانہ میں صرف چار بزرگ ایسے گزرے ہیں جو حضرت امام مہدی علیہ السلام سے ملتے تھے۔ اور آپ کے علوم و مسائل خاص شیعہ کو پہنچاتے تھے۔ اور شیعہ سے مال وصول کر کے حضرت امام رحمہ اللہ کو پہنچاتے تھے۔ ان بزرگوں کو سفیر بولتے ہیں۔ ان سفرائے کرام سے خاص لوگ حضرت امام کا نام اور مکان پوچھتے تھے تو جواب میں کہتے تھے کہ حضرت امام نے اپنا نام بتانے سے منع کر دیا ہے۔ اس لیے حضرت امام کا نام اور مکان پوچھنا حرام ہے اس فتویٰ کی علت یہ تھی کہ اس وقت کے بادشاہ کی تحقیق میں حضرت امام حسن عسکری لاولد فوت ہوئے تھے۔ اسی واسطے آپ کے اموال و املاک آپ کی بیوی اور بھائی میں تقسیم کر دیے تھے۔ اب اگر حضرت امام علیہ السلام کے نام کو ظاہر کیا جاتا تو آخر بادشاہ کو پتا چل جاتا اور شیعوں کو مجبور کرتا کہ وہ لڑکا پیش کرو۔ بادشاہ کی اس کارروائی کے خوف سے نام اور مکان کا پوچھنا اور بتلانا حرام ہو گیا۔

اب ظاہر ہے کہ ایسی ہستی کی احادیث احکام اور علوم حقہ بیان کرنے کے افعال مجہولہ ہی مناسب ہیں۔ افعال معلومہ کا عنوان تو ہزار خطرے کا موجب ہو گا۔ اس لیے آپ کی احادیث کا عنوان رُوِیَ بصیغۂ مجہول بنایا گیا تاکہ کسی قسم کے خطرہ سے دوچار نہ ہونا پڑے اور فتویٰ کفر سے بھی بچ جائیں۔

رضا مندی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی اسی قسم کی احادیث میں سے ہے اس لیے اس کا عنوان فعل مجہول کو بنایا گیا۔ پس اس موقع پر روایت کا عنوان بصیغۂ مجہول ضعف کی علامت نہیں ہے۔ بلکہ اس میں ایک بھاری حکمت ہے جو ابھی بیان کی گئی۔

شیعہ علماء میں ایک صاحب بڑے پایہ کے بزرگ گزرے ہیں۔ نام نامی واسم گرامی شیخ عبدالعلی شیرازی ہے۔ کتاب نور الثقلین اور کتاب شرح لامیۃ العجم ان کی

تصنیفات میں سے ہیں جو ان کی جلالت شان کے دو شاہد عدل ہیں۔ ان کے حالات میں شیخ عباس قمی نے لکھا ہے کہ فقہ کی کتابوں میں جو قول بصیغۂ فعل مجہول درج ہوتا ہے آپ اس پر سختی سے عمل کرتے ہیں اور فرماتے تھے کہ یہ قول حضرت امام مہدی علیہ السلام کے اقوال میں سے ہے۔

ملاحظہ ہو کتاب تتمۃ المنتہیٰ صفحہ ۵۹۲ عبارت شیخ کی یوں ہے:

((ومن غریب ما یسند الیه انه کان یعمل بما ینسبه الاصحاب فی کتبهم الفقیهة الی القیل ویقول انه من اقاویل مولانا الصاحب علیہ السلام))

"اور شیخ عبدالعلی شیرازی کی طرف ایک اوپری بات منسوب ہے کہ کتب فقہ میں جس قول کو ہمارے اساتذہ فقہ لفظ قیل صیغہ مجہول سے لکھتے ہیں اس پر آپ ضرور عمل کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ قول حضرت امام مہدی علیہ السلام کے اقوال میں سے ہے۔"

ناظرین کرام! اب خوب واضح ہو گیا کہ رضا مندی کی روایت کے عنوان کی جو توجیہ راقم الحروف نے لکھی ہے وہی توجیہ اقوال فقیہ کے عنوانات میں حضرت علامہ شیخ عبدالعلی شیرازی نے بیان کی ہے۔ اور پھر اس پر عمل کر کے دکھایا ہے۔

نہ من تنہا دریں مے خانہ مستم
جنید و شبلی و عطار شد مست

مزید یہ کہ حضرت شیخ عباس قمی آپ کے اس طرز عمل کو آپ کے مناقب میں درج کر رہے ہیں اور اس طرز عمل کو نقل کر کے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ بلکہ طرزِ نگارش سے پسندیدگی ظاہر ہوتی ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ ابن میثم کی رضامندی کی روایت کو فعل مجہول کے عنوان سے اس لیے لکھا کہ اپنے بزرگوں سے اسی عنوان سے پایا اور اس میں تغیر و تبدل مناسب نہ سمجھا۔ پس جو شخص اس عنوان کو ضعف کی دلیل بناتا ہے وہ تحقیق کے میدان سے بہت دور ہے۔ اہل سنت کے یہاں چونکہ امام غائب کا کوئی

عقیدہ نہیں ہے اس لیے ان کے یہاں فعل مجہول کی یہ توجیہ نہیں ہو سکتی۔ پس اہل سنت کی کتابوں میں تو صیغہ فعل مجہول ضعف کا نشان بن سکتا ہے۔ مگر کتب شیعہ کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ ان کے یہاں امام غائب کا عقیدہ اصل الاصول ہے اور اس کے نام و مکان کا پوچھنا، بتلانا دونوں حرام ہیں جیسا کہ کتب اصول شیعہ کی شہادت پہلے درج ہو چکی ہے۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

جواب سوم: اگر رضا مندی کی روایت کو ضعیف جان کر ترک کر دیا جائے اور اس کے مقابلے میں ناراضگی کی روایت کو قوی جان کر قبول کیا جائے تو خاکم بدہن حضرت علی المرتضٰی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی پوزیشن خطرناک حد تک گر جاتی ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ ہمارے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جبکہ ہم حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے رنجیدہ خاطر واپس تشریف لانے اور حضرت علی المرتضٰی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی طاقت اور شجاعت کے حرکت میں نہ آنے کا تصور کرتے ہیں۔

شیعہ روایات کے مطابق جب حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا انصار کو اپنی امداد کے لیے بلا رہی تھیں تو حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ اس وقت کہاں تشریف لے گئے تھے؟ کیا عرب سے کہیں باہر چلے گئے تھے؟ اگر مدینہ منورہ ہی میں موجود تھے تو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو انصار سے امداد طلب کرنے کی حاجت کیوں ہوئی؟ کوئی دیانت دار آدمی اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کی امداد سے دستبردار ہو جائیں۔ اگر حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی پوزیشن کو بچانا ہے۔ اگر آپ کے علمی اور عملی، ظاہری اور باطنی کمالات پر یقین ہے تو ناراضگی کی روایت کو ترک کرنا ہوگا۔ اور رضا مندی کی روایت کو قبول کرنا ہوگا۔ اگرچہ مشہور نہیں ہے ہم اس شیعہ کی مشہور اور متفق علیہ روایت کو کیا کریں جس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان اقدس پر حرف آتا ہو۔ ابن میثم بحرانی جانتے تھے کہ ناراضگی کی روایت میں کس قدر خرابیاں لازم آتی ہیں اسی لیے آپ نے اس کے

بعد رضامندی کی روایت درج کر دی۔ اگر علامہ موصوف رضامندی کی روایت کی خوبیوں سے اور ناراضگی کی روایت کی خرابیوں سے آگاہ نہ ہوتے تو رضامندی کی روایت کو اپنی کتاب میں ہرگز درج نہ کرتے۔

جواب چہارم: تعدد روایات کے مواقع میں شیعہ کے یہاں ایک قاعدہ رکھا ہوا ہے جس کی امداد سے ایک روایت کو دوسری پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس قاعدے کو مولوی ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی نے اپنی کتاب اصول کافی کے دوسرے صفحے پر حضرت امام مہدی علیہ السلام کے الفاظ میں یوں ذکر کیا ہے:

((دعوا ما وافق القوم فان الرشد فی خلافهم))

''چھوڑ دو اس روایت کو جو سنیوں کی روایت کے مطابق ہو۔ اس لیے کہ سچائی ان روایات میں بند ہے جو سنیوں کی روایات کے مخالف ہیں۔''

صاحب فلک نجات نے اپنی کتاب میں اس قاعدے کو بیان کیا ہے ارشاد ہوتا ہے اور ایسی حالت میں بقانون فرمودہ امام علیہ السلام عمل ان روایات پر ہوگا جو مذہب عامہ کے مخالف ہیں اور اسی میں رشد و ہدایت ہے۔

دیکھو فلک نجات طبع اول جلد اول صفحہ ۱۰۴

ناظرین کرام! اس قاعدے کی رو سے ناراضگی کی روایت کو ترک کر دینا چاہیے۔ کیونکہ اس طرح کی ایک روایت صحاح ستہ اہل سنت میں موجود ہے اور رضا مندی کی روایت کو قبول کر لینا چاہیے۔ اس لیے کہ اس قسم کی کوئی روایت اہل سنت کی کتابوں میں موجود نہیں ہے۔

جواب پنجم: اگر ناراضگی کی روایت کو ترجیح دی جائے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو لازم آتا ہے کہ آپ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی ناراض ہو جائیں۔ اس لیے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ناراض ہونے کی وجہ صرف غصب فدک ہے تو جو لوگ اس وقت آپ کی امداد کر سکتے تھے اور فدک واپس دلوا سکتے تھے، اور کچھ امداد نہیں کی، کیا ان لوگوں سے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کبھی راضی ہو سکتی ہیں؟ خصوصاً حضرت علی المرتضیٰ

رضی اللہ عنہ پر جس قدر حق اعانت واجب ہے کسی دوسرے پر نہیں، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں آپ کی امداد نہیں کی تو ضرور ناراض ہو جانے کا مقام ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کتب شیعہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ کی ناراضگی کے فقرے ملتے ہیں ملاحظہ ہو کتاب ناسخ التواریخ جلد چہارم از کتاب دوم صفحہ ۱۲۹

((فقالت یاابن ابی طالب اشتملك شملة الجنین وقعدت حجرة الظنین))

(یہی روایت احتجاج طبرسی جلد ۱ صفحہ ۱۴۵ طبع نجف اشرف پر بھی موجود ہے۔ قاسم)

اے پسر ابو طالب خویشتن بشملہ در پیچیدی مانند جنین در رحم وروی از خلق نہفتی چوں مردم متہم

''اے ابو طالب کے بیٹے تو اپنے آپ چادر میں لپٹ گیا ہے جیسا کہ رحم کے اندر بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے اور اپنے چہرے کو لوگوں سے چھپا لیا ہے جیسا کہ کسی پر تہمت لگ جائے تو لوگوں سے چھپ جانے کی کوشش کرتا ہے۔''

ناظرین کرام! ناسخ التواریخ شیعہ کی معتبر کتاب ہے فارسی ترجمہ مصنف کتاب کی جانب سے ہے اور اردو ترجمہ راقم الحروف کی طرف سے ہے۔ یہ فقرے اہل سنت کی کسی کتاب میں نہیں پائے جاتے۔ اس قسم کی گوہر افشانی شیعہ فصحا و بلغا ہی کا حصہ ہے۔ اب یہ کلمات بلند آواز سے ناراضگی کی شہادت دے رہے ہیں۔ اگر کچھ شبہ باقی رہ گیا ہو تو لیجیے ہم اس کا بھی ازالہ کیے دیتے ہیں۔

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی اس تقریر کے جواب میں حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

((نهنهینی عن وجدك یا ابنة الصفوة وبقیة النبوة))

(احتجاج طبرسی جلد ۱ صفحہ ۱۴۶ پر موجود ہے۔ طبع نجف اشرف)

برمن خشم مگیر اے دختر برگزیدہ موجودات واے یادگارِ نبوت

''مجھ پر ناراض نہ ہو اے برگزیدۂ موجودات کی بیٹی اور اے نبوت کی

یادگار۔"

ناظرین کرام! حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس جواب میں لفظ وجد موجود ہے۔جس کے معنی ہیں ناراض ہو جانا۔ یہ وہی لفظ ہے جو صحیح بخاری میں خلیفہ اول کے حق میں موجود ہے۔حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس جواب نے واضح کر دیا کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خطاب ناراضگی سے لبریز تھا۔پس فدک کے معاملہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کی ناراضگی تسلیم کر لی جائے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس ناراضگی سے کسی صورت میں بچ نہیں سکتے۔جیسا کہ از روئے عقل ونقل ثابت ہو چکا اور اس ناراضگی کی وجہ سے جو فتویٰ خلیفہ اول پر لگایا جاتا ہے بعینہٖ وہی فتویٰ خلیفہ چہارم پر لگایا جائے گا۔

اب شیعہ علماء پر لازم ہے کہ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اس فتویٰ سے بچانے کے لیے ناراضگی کی روایت کو مردود قرار دیں۔اور اس کے مقابلے میں رضا مندی کی روایت کو شرف قبولیت بخشیں۔اگرچہ پہلی مشہور ہے اور دوسری غیر مشہور۔

ناظرین کرام! آج دنیا کہاں سے کہاں تک جا پہنچی ہے۔ ہر بات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا جا رہا ہے۔مگر ایک ہمارے شیعہ بھائی ہیں کہ سوچنے کی تکلیف برداشت نہیں کرتے۔اگر عقل اور انصاف کو کام میں لائیں تو ضرور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اس ناراضگی کے الزام سے بچانے کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ناراضگی کی روایت کو ترک کر دینا پڑے گا۔

ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تطہیر ذیل کے لیے اس قدر محنت نہیں کرتے۔ بلکہ ہم تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاک دامن پر دھبا آنے سے گھبرا جاتے ہیں۔اور آپ کی پاک دامنی جبھی قائم رہ سکتی ہے کہ ناراضگی کی روایت کو ترک کیا جائے اور رضا مندی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو معتبر قرار دے کر شائع کیا جائے۔شیعہ علماء کی خوش قسمتی ہے کہ رضا مندی کی روایت ان کی اپنی کتابوں میں موجود ہے۔اور بڑی مدت سے ان کے مصنف اس روایت کو نقل کرتے آتے ہیں۔

دیکھو! علامہ ابن میثم بحرانی ساتویں صدی ہجری میں گزرے ہیں اور صاحب در نجفیہ تیرھویں صدی میں تھے اور سید علی نقی آج کل چودھویں صدی میں شیعی دنیا کو فیض پہنچا رہے ہیں

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار پکاروں میں ہائے دل

ایک لطیفہ

میں نے کئی دفعہ سوچا ہے کہ اس روایت کے شائع نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ جبکہ یہ روایت خود ان کی کتابوں میں موجود ہے۔ آخر یہی سوجھی کہ خدا نہ بھلائے شیعہ علماء عوام شیعہ سے ڈرتے ہیں اور مارے ڈر کے اس روایت کا نام نہیں لیتے۔ اس روایت کا معاملہ ٹھیک حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بھائیوں کے معاملے کی طرح ہے۔ کربلائے معلیٰ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے وہ بھائی بھی شہید ہوئے جن کے اسمائے گرامی خلفائے ثلاثہ کے ناموں پر رکھے گئے تھے۔ کتب شہادت اسی چیز سے بھری پڑی ہیں۔ مگر شیعہ علماء اور ذاکرین شہدائے کربلا کا ذکر کرتے ہیں تو آپ کے ان مخلص بھائیوں کا نام بھی نہیں لیتے۔ عوام شیعہ سے ڈرتے ہیں کہ شہدائے کرام کے اندر خلفائے ثلاثہ کا نام لینے سے عوام بھڑک اٹھیں گے اور اگر جان سے بچ گئے تو وہ خدمت تو نہیں ہوگی جو عوام کی عقیدت مندی میں پوشیدہ ہے۔ یہی معاملہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی رضامندی کی روایت کا ہے۔ ان کتابوں میں موجود ہے مگر اس کا نام لینے سے عاجز ہیں بے چارے ڈرتے ہیں کہ رضامندی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا ذکر کرنے سے عوام بھڑک جائیں گے اور خدمات میں کمی واقع ہو جائے گی۔

اگر رضامندی کی روایت کے عوام شیعہ میں شائع نہ ہونے کی یہی وجہ ہے اور یقیناً یہی وجہ ہے تو مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ

سوال: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ناراض ہو جانا، صحیح بخاری میں موجود ہے جو اہل سنت کے یہاں نہایت معتبر کتاب ہے۔

جواب: واقعی صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ کے یہاں اس کے سارے راوی ثقہ اور عادل اور ضابط ہیں مگر باوجود اس کے کہ کسی راوی کی غلط فہمی کے سبب سے اس روایت میں ناراضگی کے الفاظ داخل ہو گئے ہیں اور حضرت امام بخاری مرحوم نے جوں کے توں اپنی کتاب میں درج کر دیے ہیں۔ شرح اس کی یہ ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا حدیث پیغمبر سن کر ناراض ہو جانا ممکن نہیں ہے۔ یہ چیز تو عامہ مسلمین سے بھی ممکن نہیں ہے۔ پس اخص الخواص ہستی سے کس طرح ممکن ہو گی؟ بنا بریں ہم یہ کہتے ہیں کہ اس روایت کے کسی راوی نے اپنے استاذ کے الفاظ میں ترک گفتگو پایا تو اس کی علت ناراضگی کو بنایا۔ اور اپنے فہم کی بنا پر لفظ غضبت روایت میں داخل کر دیا۔ پھر ایک دوسرے سے اس کو نقل کرنے لگے۔ یہاں تک کہ امام بخاری رحمہ اللہ تک پہنچ گیا۔ اور آپ نے اپنی کتاب میں درج کر دیا۔ کتب حدیث میں اس کی نظیریں پائی جاتی ہیں۔ علامہ شبلی مرحوم اپنی کتاب سیرت النبی جلد اول طبع سوم کے صفحہ ۵۹ پر لکھتے ہیں تفحص اور استقراء سے بعض جگہ یہ نظر آتا ہے کہ راوی جس چیز کو واقعہ کی حیثیت سے بیان کرتا ہے وہ اس کا قیاس ہے واقعہ نہیں ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں سیرت میں موجود ہیں۔ یہاں ہم صرف ایک واقعہ پر اکتفا کرتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے ناراض ہو کر تنہا نشین ہو گئے تھے تو یہ مشہور ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کو طلاق دے دی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ نہیں میں نے طلاق نہیں دی۔ غور کرو مسجد نبوی میں تمام صحابہ جمع ہیں۔ اور سب بیان کر رہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی ہے۔ صحابہ عموماً ثقہ اور عادل ہیں اور ان کی تعداد کثیر اس واقعہ کو بیان کر رہی ہے۔ باوجود اس کے جب تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعہ نہیں بلکہ قیاس تھا۔ (سیرت النبی طبع سوم جلد اول صفحہ ۶۰)

ناظرین کرام! جس طرح حضور نبی کریم ﷺ کی خلوت نشینی سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے طلاق کو استنباط کر لیا۔ حالانکہ آنحضور ﷺ نے طلاق نہیں دی تھی۔ صرف علیحدگی اختیار کی تھی۔ ٹھیک اسی طرح اس روایت کے کسی راوی نے عدم کلام یا ترک کلام سے ناراضگی کا استنباط کر لیا۔ حالانکہ واقع میں ناراضگی نہیں ہوئی تھی اور یہ قیاس صحیح نہیں تھا کیونکہ ترک کلام کوئی ایسا معلول نہیں ہے جس کی علت صرف ایک ناراض ہونا ہی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی علت عدم ضرورت ہو۔ یعنی گفتگو کی ضرورت لاحق نہ ہوئی ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اطمینان حاصل ہو گیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اصل مقصود پورا ہو گیا ہو۔ جب ترک کلام کی علت میں اتنے احتمالات ہیں تو راوی نے جو ترک کلام کی علت تجویز کی ہے۔ یہ راوی کی غلط فہمی ہے پھر ایک دوسرے سے نقل کرنے لگے یہاں تک کہ امام بخاری رحمہ اللہ تک پہنچ گئی۔ اور آپ نے اپنی کتاب میں درج کر دی۔ مذکورہ بالا واقعہ طلاق میں تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے۔ اور خود حضور ﷺ سے پوچھ کر غلط فہمی کو دور کر دیا۔ لیکن ابن شہاب زہری کی غلط فہمی کو الگ کیا جائے تو کس طرح الگ کیا جائے۔ ابن شہاب زہری نے جس وقت اپنے اجتہاد سے ناراضگی کا فقرہ روایت میں درج کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس وقت دنیا میں موجود ہوتیں تو اصل واقعہ کی تحقیق کی جا سکتی تھی۔ اب تو عقل ہی سے کام لیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ جن اہل علم کی توجہ اس طرف پھر گئی۔ انھوں نے اس روایت کو تنقید سے معاف نہیں کیا، آیات بینات میں تفصیل دیکھی جا سکتی ہے اور عقل صریح حکم دیتی ہے کہ ناراضگی فاطمہ ممکنات میں سے نہیں ہے۔ اس لیے اس فقرے کو راوی کے اجتہاد اور استنباط پر حمل کیا جائے گا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اپنی کتاب فتح الباری جلد نہم مطبوعہ بہیہ مصر صفحہ ۲۴۰ پر تحریر فرماتے ہیں:

((فان جزم الانصاری فی روایته بوقوع التطلیق وکذا جزم الناس الذین راهم عمر عند المنبر بذلك محمول علی انهم شاع بینهم ذلك من شخص نباه علی التوهم الذی

توهمه من اعتزال النبی ﷺ نساءہ فظن لکونہ لم تجر عادتہ بذلك انہ طلقھن فاشاع انہ طلقھن فشاع ذلك فتحدث الناس بہ))

''اس انصاری نے اور صحابہ نے جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر کے پاس دیکھا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے طلاق دینے کا یقین کر لیا تھا تو وہ یوں ہوا ہوگا کہ کسی شخص نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کر لی ہے اور چونکہ آنحضرت ﷺ کی یہ عادت نہ تھی۔ اس لیے اس نے گمان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے طلاق دے دی۔ پھر یہ خبر پھیلا دی اور لوگ ایک دوسرے سے بیان کرنے لگے۔''

بڑے بڑے بزرگ غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس سے ان کے عادل ثقہ ہونے پر کوئی حرف نہیں آتا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے پیش کی گئی تو فرمایا:

((اما انہ لم یکذب ولکنہ نسی او اخطا))

''ہاں وہ جھوٹ نہیں بولتے لیکن بھول گئے یا خطا کی۔''

اگر علمائے اہل سنت کا دعویٰ ہوتا کہ صحیح بخاری کے راوی غلط فہمی سے منزہ ہیں، خطا سے پاک ہیں۔ لغزش سے مبرا ہیں تو واقعی یہ جواب قابل سماعت نہ ہوتا۔ مگر اس قسم کا دعویٰ علمائے اہل سنت میں سے کسی نے نہیں کیا۔ پس یہ جواب صحیح ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب کے صحیح ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس کتاب کے اندر جس قدر راوی ہیں وہ ثقہ ہیں، عادل ہیں، ضابط ہیں، کوئی ان میں وضاع نہیں اور نہ کوئی ان میں کذاب ہے۔ اس کتاب کے صحیح ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قرآن کی طرح صحیح ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن حکیم کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾

''یہ کتاب ایسی ہے جس میں کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہیں۔''

معلوم ہوا کہ دنیا میں قرآن حکیم کے علاوہ کوئی کتاب اس شان کی نہیں۔ میری اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب کے اندر کسی راوی کی غلط فہمی دریافت کر لینے سے کتاب کے علو شان کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔

جواب دوم: حدیث فدک صحاح ستہ میں بہت سی سندوں سے مروی ہے۔ ناراضگی کا فقرہ ابن شہاب زہری بیان کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی راوی اس فقرے کو بیان نہیں کرتا۔ پھر ابن شہاب زہری بھی ہمیشہ اس فقرے کو نہیں بیان کرتا، بلکہ کبھی بیان کرتا ہے اور کبھی بیان نہیں کرتا۔

بخاری شریف میں حدیث فدک پانچ مقاموں پر مذکور ہے:

اول: صحیح بخاری جلد اول کتاب الجہاد فرض الخمس صفحہ ۴۳۵ یہاں زہری سے صالح بن ابی الاخضر روایت کرتا ہے اور ناراضگی مذکور ہے۔

دوم: کتاب المناقب باب مناقب قرابۃ رسول اللہ ﷺ صفحہ ۵۲۶ یہاں زہری سے شعیب روایت کرتا ہے اور ناراضگی مذکور نہیں ہے۔

سوم: صحیح بخاری جلد دوم کتاب المغازی باب غزوۃ خیبر صفحہ ۶۰۹ یہاں عقیل بن خالد زہری سے روایت کرتا ہے اور ناراضگی مذکور ہے۔

چہارم: کتاب الفرائض باب لا نورث ما ترکناہ صدقۃ صفحہ ۹۹۵ یہاں بھی زہری سے معمر روایت کرتا ہے۔ اور ناراضگی کا کوئی ذکر نہیں ہے اور یہی حدیث فدک سنن ابوداود شریف میں چار سندوں سے مروی ہے۔ دیکھو سنن ابوداود جلد دوم باب صفایا رسول اللہ ﷺ صفحہ ۴۱۴، ۴۱۵۔

پنجم: اول سند میں زہری سے عقیل بن خالد روایت کرتا ہے اور ناراضگی کا ذکر نہیں کرتا۔

دوسری سند میں زہری سے شعیب بن ابی حمزہ روایت کرتا ہے اور ناراضگی کا نام و نشان نہیں ہے۔

تیسری سند میں صالح بن ابی الاخضر ابن شہاب زہری سے روایت کرتا ہے اور ناراضگی کو خیال میں نہیں لاتا۔

چوتھی سند میں ابو طفیل سے ولید بن جمیع روایت کرتا ہے اور ناراضگی کے فقرہ کا اعتبار نہیں کرتا۔

ناظرین کرام! آؤ ہم تمھیں ترمذی شریف کی سیر کرائیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی جامع میں ایک جگہ تحریر کیا ہے۔ دیکھو سنن ترمذی جلد اول باب ما جاء فی ترکۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۲۱۴ یہاں اس حدیث کے اصل راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں اور ناراضگی مفقود ہے۔

نیز ملاحظہ ہو شمائل ترمذی باب ما جاء فی میراث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۲۹ یہاں بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور ناراضگی کا نام ہی نہیں۔

نیز ملاحظہ ہو صحیح مسلم۔ صاحب کتاب نے حدیث فدک کو تین سندوں سے ذکر کیا ہے:

اول: زہری سے عقیل بن خالد کی روایت ہے اس میں ناراضگی مذکور ہے۔

دوم: ابن شہاب زہری سے معمر بن راشد کی روایت ہے۔ یہاں ناراضگی مذکور ہے۔

سوم: ابن شہاب زہری سے صالح بن ابی الاخضر کی روایت ہے یہاں ناراضگی کا پتا ہی نہیں۔

تاریخ الامم والملوک جلد دوم صفحہ ۴۴۸ پر امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے حدیث فدک کو خوب مفصل لکھا ہے۔ امام ابن جریر طبری کی سند میں بھی زہری سے معمر بن راشد ہی روایت کرتے ہیں اور ناراضگی کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔

ناظرین کرام! حدیث فدک ان کتابوں میں چودہ مقاموں پر مذکور ہے چودہ میں سے صرف چار مقام ایسے ہیں جہاں ناراضگی مذکور ہے۔ باقی دس مقام ناراضگی سے خالی ہیں۔ یہ حدیث اصل میں تین صحابہ سے مروی ہے۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ابو الطفیل رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ ان تینوں میں سے صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ناراضگی وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہما کی روایتیں ناراضگی سے خالی ہیں۔ اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عروہ بن زبیر کے

واسطے سے ابن شہاب زہری روایت کرتے ہیں۔ اور کبھی ناراضگی کا ذکر کرتے ہیں اور کبھی ناراضگی کا نام نہیں لیتے جیسا کہ اوپر کی تفصیل کو غور سے دیکھنے سے واضح ہے۔

اب ہم کو سوچنا چاہیے کہ جن دس مقاموں پر ناراضگی کے ذکر کو ترک کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ تھوڑا سا تامل کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جن صاحبان نے ناراضگی کے فقرے کو ترک کیا ہے انھوں نے عمداً ترک کیا ہے اور اس واسطے ترک کیا ہے کہ اس زیادتی کو قابل قبول نہیں سمجھے۔

کسی روایت میں ثقہ کی زیادت ہمیشہ مقبول نہیں ہوتی۔ بلکہ زیادت ثقہ کے مقبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ صریح عقل کے خلاف نہ ہو۔ ابن شہاب زہری کی ہی زیادت چونکہ صریح عقل اور ظاہر عقل کے خلاف تھی۔ اس لیے اکثر محدثین قبول نہیں کر سکے۔ جیسا کہ اوپر کے نقشہ سے واضح ہے کہ ابوداود اور امام ترمذی اور ابن جریر طبری نے ناراضگی کے فقرے کو ترک کر دیا ہے اور خود بخاری اور مسلم کی بعض سندیں بھی ناراضگی سے خالی ہیں۔ جب ان محدثین کبار نے اس فقرے کو قابل قبول نہ جانا تو ضرور ان کے یہاں رضا مندی ثابت ہو گی کہ ان دونوں چیزوں میں سے ایک کا ہونا بدیہی ہے۔ جب ناراضگی نہیں تو رضامندی لازماً ہو گی۔

میری اس توجیہ سے معلوم ہو گیا کہ جن دس مقاموں میں ناراضگی متروک ہے وہ سب کے سب اشارتاً رضا مندی کے مقام ہیں اور یہ محدثین کرام رضامندی کے قائل تھے۔ اگر رضا مندی کے قائل نہ ہوتے تو ضرور ناراضگی کے فقرے کو تحریر کر جاتے۔ پس جو لوگ کہتے ہیں کہ اہل سنت کی کتابوں میں رضامندی کی روایت کسی طرح سے نہیں پائی جاتی وہ تدبر سے کام نہیں لیتے۔ ان چودہ مقاموں میں چار مواضع ناراضگی کے ہیں تو دس رضامندی کے ہیں۔

بروز حشر شود ہم چو روزِ معلومت
کہ با کہ باختہ عشق در شب دیجور

جواب سوم: شیعہ وسنی علماء متفق ہیں کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے سارے اخراجات

فدک ہی کی آمدنی سے خلیفہ اول پورا کیا کرتے تھے ملاحظہ ہو نہج البلاغۃ کی فارسی شرح از علامہ سید علی نقی فیض الاسلام جلد پنجم صفحہ ۹۶۰

خلاصہ ابوبکر غلہ وسود آں را گرفتہ بقدر کفایت باہل بیت علیہم السلام می داد۔

''خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فدک کی آمدنی میں سے حضرت علی اور فاطمہ رضی اللہ عنہما کو ان کی ضرورت کے مطابق سال بھر کا خرچ دے دیا کرتے تھے۔''

ظاہر ہے کہ اگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ناراض تھیں تو ان کی ان خدمات کو ہرگز قبول نہ فرماتیں۔ آدمی جس سے ناراض ہو اس کے ہاتھ سے تو پانی کے گھونٹ کا بھی روادار نہیں ہوتا۔ چہ جائیکہ گھر کے سارے اخراجات وصول کرے۔

تعجب ہے کہ شیعہ علماء روزمرہ کے واقعات کو کس طرح نظر انداز کر جاتے ہیں؟ گویا انھوں نے اپنی ساری زندگی میں کسی کو کسی سے ناراض ہوتے دیکھا ہی نہیں۔ ناراضگی کے لوازمات کی ذرہ بھر خبر نہیں رکھتے۔ ایسے معصوم ہیں کہ ساری زندگی میں کبھی کسی سے کشیدہ خاطر ہونے کی نوبت ہی نہیں آئی۔

معلوم ہوا کہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آپ ہرگز ناراض نہ تھیں۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت میں ظن راوی ہے۔ دیکھو فتاویٰ امدادیہ مطبوعہ مجتبائی دہلی صفحہ ۱۳۲ جلد چہارم۔

شیعہ علمائے کرام کی خدمت میں گزارش

حضور نبی کریم ﷺ کے یار غار صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر ارض فدک کی وجہ سے جو الزام عائد کیا گیا۔ ہم نے بفضلہٖ تعالیٰ جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیا ہے۔ اب ہم کتب معتبرہ شیعہ سے مختلف واقعات نقل کرتے ہیں جن سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی ناراضگی ثابت ہو گی۔ اور دیکھیں کہ شیعہ علمائے کرام اور امامیہ مجتہدان عظام کے دربار گوہر بار سے کیا جواب برآمد ہوتا ہے۔

پہلا واقعہ

ملاحظہ ہو ناسخ التواریخ جلد چہارم از کتاب دوم صفحہ ۶۷، صفحہ ۶۸، صفحہ ۶۹ پر مرزا محمد تقی لسان الملک تحریر کرتے ہیں:

در کتاب علل الشرائع سند بابو ہریرہ منتہی می شود می گوید۔ نماز بامداد را با رسول خدا گشتیم۔ آں گاہ پیغمبر برخاست۔ درداں شدہ وسخت اندوہناک بود مانیز از قفائے او روانہ شدیم چوں بباب سرائے فاطمہ رسیدیم رسول خدا علی را نگریست کہ درپیش روئے باب برخاک خفتہ است۔ پیغمبر در کنار او بنشست وگرداز جامہ او بسترد و یقول قم فداک ابی وامی۔ یا اباتراب فرمود پدر و مادرم فدائے تو بادائے ابوتراب برخیز ودست علی رابگرفت و داخل سرائے شد زمانے دیر برنگزشت کہ بانگ خندۂ ایشاں را اصغا نمودیم و رسول خدا بیروں شد۔ بوجہ مشرق عرض کردیم یا رسول اللہ بدرون سرائے شدی با قلب پژمان وبیروں آمدی باروئے شادمان فقال کیف لا افرح وقد اصلحت بین اثنین ھما احب اھل الارض الی اھل السماء فرمود چگونہ شاد خاطر نباشم وحال آنکہ اصلاح نمودم میان دوکس را کہ محبوب ترین مردم زمین اند درنزد اہل آسمان۔

"کتاب علل الشرائع میں سند ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تک پہنچائی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے نماز صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کی۔ نماز کے بعد خدا کے پیغمبر اٹھے اور روانہ ہوئے۔ درآں حالے کہ سخت غمناک تھے۔ ہم بھی آپ کے پیچھے روانہ ہوئے جس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان کے دروازے پر پہنچتے ہیں تو خدا کے رسول نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دروازے کے پاس مٹی پر سوئے ہوئے پایا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم علی رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھ گئے اور علی رضی اللہ عنہ کے کپڑوں سے غبار صاف کیا اور فرمایا اٹھ کھڑا ہوا اے ابوالتراب میرے ماں باپ تجھ پر فدا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور حضرت

فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہو گئے۔ زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا کہ گھر والوں کے ہنسنے کی آواز ہمیں سنائی دی۔ اس کے بعد خدا کے رسول گھر سے باہر تشریف لے آئے۔ درآنحالے کہ آپ کا چہرہ مقدس خوشی سے چمک رہا تھا۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اس گھر میں داخل ہوئے تو آپ کا دل غمناک تھا اور باہر تشریف لے آئے تو آپ کا چہرہ ہشاش بشاش تھا وجہ کیا ہے؟ فرمایا کیوں خوشی نہ کروں۔ اس حال میں کہ میں نے صلح کرا دی ہے۔ ان دو ہستیوں میں جو آسمان والوں کو سارے زمین کے باشندوں سے زیادہ محبوب ہیں۔"

دوسرا واقعہ

درعلل الشرائع قطان باسناد خویش می گوید درمیان علیؓ و فاطمہؓ زلال صفا را کدورتے پدید آمد۔ پس رسول خدا بر ایشاں درآمد از برائے پیغمبر فراشے بگستراند۔ آنحضرت بخفت وعلیؓ را در جانب راست و فاطمہؓ را در جانب چپ جائے داد۔ پس دست علیؓ را بگرفت و برفراز سرہ خویش بنہاد دوست فاطمہ رانیز ماخوذ داشت و برفراز سرہ خویش گزاشت و بداشت تا آں کدورت را مرتفع ساخت۔ عرض کردند یا رسول اللہ داخل شدی محزون و برآمدی مسرور

قال ما یمغنی وقد اصلحت بین اثنین هما احب من علی وجه الارض الی۔

"علل الشرائع میں ہے قطان اپنی سند کے ساتھ کہتا ہے کہ علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما میں کچھ رنجش پیدا ہو گئی۔ پھر خدا کے رسول ان کے یہاں تشریف لے آئے۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بستر بچھایا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر لیٹ گئے علی رضی اللہ عنہ کو دائیں اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بائیں جانب بٹھایا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو پکڑ کر اپنی ناف پر رکھا۔ اسی طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ کو پکڑ کر اپنی ناف پر رکھا۔ دونوں کے ہاتھ ناف پر رکھے رہے۔ یہاں

تک کہ وہ رنجش دور ہوگئی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اس گھر میں داخل ہوئے تو غمناک تھے۔ اور باہر تشریف لے آئے تو خوشی سے لبریز۔ فرمایا مجھے خوش ہونے سے کیا چیز مانع ہے۔ اس حال میں کہ میں نے صلح کرا دی ہے ان دو ہستیوں میں جو زمین کے سارے باشندوں کی نسبت مجھے زیادہ محبوب ہیں۔"

تیسرا واقعہ

در کتاب علل الشرائع سند بابی ذر غفاری پیوستہ می شود۔ می فرماید من و جعفر بن ابی طالب گاہے کہ بجانب حبشہ ہجرت نمودیم۔ کنیز کے خدمت جعفر را ہدیہ کردند کہ چہار ہزار بہا داشت گاہے کہ باز مدینہ شدیم آں کنیزک را جعفر حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہدیہ فرستاد واو ملازمت منزل فاطمہؓ را داشت یک روز فاطمہ در آمد و سر امیر المومنین علیہ السلام را در کنار آں کنیزک دید۔ عرض کرد یا ابا الحسن با او طریق مضاجعت سپردی۔ فرمود لا واللہ چناں نیست کہ تو می اندیشی۔ عرض کرد رخصت فرمائی تا بمنزل پدر خواہم رفت امیر المومنین اجازت فرمود۔ پس جامہ بپوشید و برقع افگند و آہنگ خدمت پیغمبر فرمود ایں وقت جبرئیل فرود آمد فقال یا محمد ان اللہ یقرئك السلام ویقول لك ان ھذہ فاطمہ قد اقبلت تشکو علیا فلا تقبل منھا فی علی شیئا۔

گفت اے محمد خداوند تو را سلام می رساند و می فرماید۔ اینک فاطمہ در می رسد واز علی شکایت می کند شکایت او را در حق علی مپذیرہم۔ دریں وقت فاطمہ در آمد۔ فقال لھا رسول اللہ جئت تشکین علیا قالت ای ورب الکعبۃ فقال لھا ارجعی الیہ فقولی لہ رغم انفی لرضاک۔ رسول خدا فرمود اے فاطمہ آمدی تا از علی آغاز شکایت کنی؟ عرض کرد آرے قسم بخدائے کعبہ فرمود باز شو پس علی را بگو من زحمت خود را بر رضائے تو اختیار کردم پس فاطمہ مراجعت نمود وسہ کرت

گفت۔ یا ابی الحسن رغم انفی لرضاک۔ ایں وقت علی علیہ السلام روی بافاطمہ آورد
فقال لها شكوتني الى خليلي وحبيبي رسول الله و اسوءتاه
من رسول الله اشهد الله يا فاطمة ان الجارية حرة لوجه
الله وان اربعمائة درهم التي۔
فضلت من عطائے صدقہ علیٰ فقراء اہل المدینہ فرمود اے فاطمہ شکایت
مرا بنزد دوست من و حبیب من رسول خدا بروی چہ بسیار گوارا است برمن
گرانی خاطر رسول خدا۔ گواہ گرفتم خدائے را کہ ایں جاریہ در راہِ خدا آزاد
است۔ و چہار صد درہم کہ از عطائے من بجائے ماندہ است خاص مساکین
مدینہ نمودم ایں بگفت و جامہ در پوشید و آہنگ خدمت رسول خدا فرمود، ایں
وقت جبرئیل فرود آمد۔ فقال يا محمد ان الله يقرئك السلام
ويقول لك قل لعلى قدك اعطيتك الجنه بعتقك الجارية
في رضاء فاطمة والنار باربعمائة درهم التي تصدقت بها
فادخل الجنة من شئت برحمتي واخرج من النار من شئت
بعفوى فعندها قال على انا قسيم الله بين الجنة والنار۔
جبرئیل عرض کرد اے محمد خدا تو را سلام می رساند و می فرماید۔ علیؓ را بگو کہ من
بہشت و دوزخ را با تو عطا کردم در ازائے آزادی جاریہ برضائے فاطمہ و
چہارم صد درہم کہ صدقہ کردی۔ پس ہر کہ را می خواہی بہ نیروئے رحمت من
داخل بہشت می کن و ہر کہ رامی خواہی بقوت عفو من از دوزخ نجات میدہ۔
''کتاب علل الشرائع میں سند حضرت ابوذر غفاری تک پہنچائی ہے حضرت
ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جب ہجرت
کر کے حبشہ گئے تو حبشہ کے بادشاہ نے ایک باندی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی
خدمت میں بطور ہدیہ پیش کی۔ جس کی قیمت چار ہزار درہم تھی۔ جب ہم
واپس مدینہ آئے تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے وہ باندی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بطور

ہدیہ دے دی اور آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کے لیے مقرر کر دی۔ ایک دن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر تشریف لاتی ہیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سر مبارک اس باندی کی گود میں ہے۔ عرض کیا اے ابوالحسن! کیا آپ نے اس باندی سے ہم بستری کی ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم وہ بات نہیں ہے جو آپ کے خیال شریف میں ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا مجھے اجازت ہو کہ میں اپنے باپ کے گھر چلی جاؤں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی۔ پس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کپڑے پہن لیے اور اپنے اوپر برقع ڈال لیا، اور پیغمبر کی خدمت میں جانے کا ارادہ کر لیا۔ اسی وقت جبرئیل اترے اور کہا اے محمد اللہ تعالیٰ آپ کو سلام پہنچاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ دیکھو! ابھی فاطمہ آ رہی ہے اور علی کی شکایت کرے گی۔ علی کے بارے میں اس کی کوئی شکایت قبول نہ کرنا۔ اسی وقت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی آ پہنچیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فاطمہ تو علی کی شکایت کے لیے آئی ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ ہاں! رب کعبہ کی قسم پس آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واپس علی کے پاس چلی جا اور علی سے کہہ دے کہ میں اپنی تکلیف تیری رضامندی کے لیے قبول کرتی ہوں۔ مراد یہ کہ تیری رضامندی کو اپنی تکلیف پر ترجیح دیتی ہوں۔ پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا واپس تشریف لے گئیں اور جا کر تین دفعہ کہا اے ابوالحسن میں اپنی تکلیف پر آپ کی رضا کو ترجیح دیتی ہوں۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف منہ کر کے فرمایا تو نے میری شکایت میرے دوست میرے پیارے اور خدا کے رسول کے سامنے جا کر کی ہے۔ میرے لیے بہت بری بات ہے کہ خدا کے رسول مجھ سے ناراض ہو جائیں۔ میں خدا کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ باندی خدا کی رضا کے لیے آزاد ہے اور وہ چار سو درہم جو میری تنخواہ سے بچا ہوا ہے مساکین مدینہ کے لیے وقف ہے اتنا کہا اور اپنے خاص کپڑے پہن

کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ اسی وقت جبرئیل تشریف لے آئے اور کہا اے محمد! اللہ تعالیٰ سلام پہنچاتا ہے اور فرماتا ہے کہ علی سے کہہ دو میں نے تجھے جنت اس لیے دے دی ہے کہ تو نے فاطمہ کی رضامندی کے لیے باندی کو آزاد کیا ہے اور میں نے تجھے دوزخ اس لیے دے دی ہے کہ تو نے چار سو درہم خدا کی راہ میں صدقہ کیا ہے پس تو جسے چاہے اسے بہشت میں داخل کر دے میری رحمت سے اور تو جسے چاہے دوزخ سے بچا لے میرے عفو کے زور سے۔ پس اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں خدا کی طرف سے دوزخ و جنت تقسیم کرنے والا ہوں۔''

ناظرین کرام! اگر آپ ان تینوں روایات کو جلاء العیون طبع تہران جدید صفحہ ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷ فارسی میں دیکھنا چاہیں تو جلاء العیون قدیم صفحہ ۶۵، ۶۶ پر توجہ فرمائیں۔

چوتھا واقعہ

ملاحظہ ہو جلاء العیون فارسی صفحہ ۷۶، ۷۷ پر ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

ابن بابویہ بسند معتبر روایت کردہ است کہ شخصے از حضرت صادق علیہ السلام پرسید کہ آیا آتش از پئے جنازہ می تواں بردو مجمر وقندیل وامثال آں با جنازہ می تواں برد۔ پس رنگ مبارک حضرت متغیر شد، فرمود کہ یکے از اشقیا نزد حضرت فاطمہ زہرا آمد و گفت علی ابن ابی طالب دختر ابوجہل را خواستگاری نمود۔ حضرت فاطمہ آں ملعون را سوگند داد۔ آں ملعون سہ مرتبہ سوگند یاد کرد کہ آنچہ می گویم حق است حضرت فاطمہ بسیار متغیر شد۔ زیرا کہ در جبلت زناں غیرتے حق تعالیٰ قرار دادہ۔ چنانچہ برمرداں جہاد واجب گردانیدہ واز برائے زنیکہ باوجود غیرت صبر کند ثوابے مقرر فرمودہ مثل ثواب کسے کہ مرابطہ کند در سرحد مسلماناں از برائے خدا پس غم فاطمہ شدید شد و در تفکر ماند تا شب شد۔ چوں شب در آمد حضرت امام حسن را بر دوش راست و جناب امام حسین را بر دوش چپ گرفت۔ و دست ام کلثوم را بدست راست خود گرفتہ بہ حجرۂ پدر رفت۔ چوں حضرت امیر بحجرہ در آمد

حضرت فاطمہ را آنجاندید۔ غم آنحضرت شدید شد و بسیار عظیم نمود بر او و سبب آں حالت را ندانست شرم کرد کہ آنحضرت را از خانۂ پدر خود طلب نماید، پس بیروں آمد بسوئے مسجد و نماز کرد و بسیار پس بعضے از ریگ مسجد را جمع کرد و بر آں تکیہ فرمود چوں حضرت رسالت حزن فاطمہ را مشاہدہ نمود۔ غسل کرد و جامہ پوشیدہ بمسجد در آمد و پیوستہ در مسجد نماز می کرد و مشغول رکوع و سجود بود۔ ہر دو رکعت نماز را کہ ادا می کرد از حق تعالیٰ سوال می نمود کہ حزن فاطمہ را زائل گرداند۔ زیرا کہ وقتے کہ از خانہ بیروں آمد۔ فاطمہ را دید کہ از پہلو بہ پہلو می گردید و نالہ ہائے بلندی کرد۔ چوں حضرت دید کہ او را خواب نمی برد و قرار نمی گیرد، فرمود کہ برخیز اے دختر گرامی چوں برخاست حضرت رسول امام حسن را برداشت و حضرت فاطمہ جناب امام حسین را برداشت و دست ام کلثوم را گرفت و از خانہ بسوئے مسجد آمدند تا آنکہ نزدیک حضرت امیر المومنین رسیدند و او را خواب بود پس حضرت رسول پائے خود بر پائے حضرت امیر المومنین گذاشت و فشردو فرمود کہ برخیز اے ابوتراب بسا ساکنے را از جا پدر آوردۂ بردو ابوبکر و عمر و طلحہ را بطلب حضرت امیر رفت و ابوبکرؓ و عمر را از خانہ بیروں آورد۔ چوں نزد حضرت حاضر گردیدند۔ حضرت رسول فرمود کہ یا علی مگر نمیدانی کہ فاطمہ پارۂ از تن من است و من از اویم۔ پس ہر کہ او را آزاد کند مرا آزاد کردہ است و ہر کہ او را آزاد کند بعد از وفات من چناں است کہ او را آزاد کردہ است او را درحیات من ...... و ہر کہ او را آزاد کند در حیات من چناں است کہ او را آزاد کردہ باشد بعد از مرگ من۔ حضرت امیر عرض کرد بلے چنیں امت یا رسول اللہ۔ حضرت رسول فرمود پس ترا چہ باعث شد کہ چنیں کارے کردی۔ حضرت امیر المومنین فرمود بخدائیکہ ترا براستی بخلق فرستادہ است سوگند یاد می کنم کہ ہیچ یک از آنہا کہ بفاطمہ رسیدہ است واقع نیست، و بخاطر من خطور نکردہ است۔ حضرت رسول فرمود کہ تو راست گفتی و او نیز راست گفت۔ پس حضرت فاطمہ

شاد شد و تبسم کرد تا آنکہ دندان مبارکش ظاہر گردید۔

"ابن بابویہ نے معتبر سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ جنازہ کے ساتھ آگ لے جانا درست ہے یا نہیں؟ پس حضرت امام علیہ السلام کا رنگ مبارک تبدیل ہو گیا۔ مراد یہ ہے کہ ناراض ہو گئے اور فرمایا کہ ایک بدبخت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور کہا علی بن ابی طالب ابوجہل کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے اور منگنی کر لی ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس ملعون سے قسم طلب کی۔ اس ملعون نے تین مرتبہ قسم کھائی کہ میں جو کچھ کہتا ہوں سچ ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سخت غمناک ہو گئیں اور غیرت کی وجہ سے آپ کا دل زخمی ہو گیا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی فطرت میں غیرت رکھ دی ہے۔ جیسا کہ مردوں پر جہاد واجب کر دیا ہے اور جو عورت غیرت کے موقع پر صبر کر جائے اس کے لیے ثواب مقرر کیا ہے۔ جتنا کہ اس غازی کو ملتا ہے جو مسلمانوں کی سرحد کی حفاظت میں خدا کی رضامندی کے لیے بیٹھا ہوا ہے۔ پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا غم بہت زیادہ ہو گیا اور آپ سارا دن فکر میں رہیں۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے امام حسن رضی اللہ عنہ کو دائیں بازو پر اور امام حسین رضی اللہ عنہ کو بائیں بازو پر اٹھا لیا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے ہاتھ کو اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیا اور اپنے باپ کے گھر چلی گئیں۔ جس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے گھر تشریف لے آئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو گھر میں نہ دیکھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بہت غمناک ہوئے اور اس حادثے کا سبب معلوم نہ ہو سکا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کے باپ کے گھر سے لانے میں شرم دامن گیر ہوئی۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں چلے گئے اور بہت نمازیں پڑھیں۔ پھر مسجد کی ریت جمع کر کے سرھانہ بنایا اور لیٹ گئے۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے غم کا مشاہدہ کیا تو غسل کیا اور نئے کپڑے پہن کر مسجد میں تشریف لے گئے اور بہت نمازیں پڑھیں اور رکوع اور

سجدہ میں مشغول رہے۔ ہر دوگانے کے بعد خدا تعالیٰ سے سوال کرتے تھے کہ فاطمہ کے غم کو زائل کرے۔ یہ اس لیے کہ جس وقت حضور نبی کریم ﷺ اپنے گھر سے باہر تشریف لائے تھے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سخت بے چین دیکھا تھا۔ بے چینی کے سبب سے کروٹیں بدلتی تھیں اور لمبی لمبی آہیں بھرتی تھیں۔ جب حضرت نبی کریم ﷺ نے دیکھا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نیند نہیں آتی اور سخت بے آرامی ہے تو فرمایا اے میری پیاری بیٹی! اٹھ کھڑی ہو۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اٹھ کھڑی ہوئیں۔ پس حضرت رسول ﷺ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کو اٹھالیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو اٹھالیا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا ہاتھ پکڑ لیا اور گھر سے نکل کر مسجد میں تشریف لے آئے یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے۔ درآں حالے کہ آپ نیند میں تھے۔ پس حضرت رسول کریم ﷺ نے اپنے پاؤں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر رکھ کر دبایا اور فرمایا کہ اٹھ اے ابو تراب! بہت سے گھروں میں بسنے والوں کو تو نے خانہ بدر کیا ہے جا اور ابوبکر، عمر اور طلحہ رضی اللہ عنہم کو بلا کے لے آ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو ان کے گھروں سے بلا کے لے آئے۔ جب دونوں نبی کریم ﷺ کے یہاں حاضر ہو گئے تو آنحضور ﷺ نے فرمایا اے علی! کیا تو نہیں جانتا کہ فاطمہ میرے بدن کا ایک ٹکڑا ہے اور میں اس سے محبت رکھتا ہوں۔ پس جو شخص فاطمہ کو دکھ دیتا ہے وہ مجھے دکھ دیتا ہے اور جو شخص فاطمہ کو میری وفات کے بعد دکھ دے گا وہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے میری زندگی میں فاطمہ کو دکھ دیا ہے۔ اور جو شخص میری زندگی میں فاطمہ کو دکھ دیتا ہے وہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے میرے مرنے کے بعد دکھ دیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ واقعی اسی طرح ہے یا رسول اللہ! پس حضور ﷺ نے فرمایا کہ تیرے لیے کیا چیز اس کارروائی کا باعث ہوئی؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا مجھے قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو ساری مخلوقات کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ جو کچھ فاطمہ کو پہنچا ہے ان

باتوں میں سے کوئی بات بھی واقع میں نہیں ہوئی۔ اور میرے دل میں اس چیز کا خیال بھی نہیں آیا۔ حضرت رسول ﷺ نے فرمایا کہ اے علی تو نے سچ کہا اور فاطمہ نے بھی سچ کہا ہے۔ پس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا خوش ہو گئیں اور تبسم فرمایا یہاں تک کہ دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔"

پانچواں واقعہ

ملاحظہ ہو احتجاج علامہ طبرسی مطبوعہ نجف اشرف صفحہ ۶۵، ۶۶، قدیم صفحہ ۱۴۵، طبع جدید، نیز ملاحظہ ہو ناسخ التواریخ جلد چہارم از کتاب دوم صفحہ ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱۔

ارض فدک واپس دلوانے میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی امداد نہ کی اور گھر میں بیٹھے رہے تو آپ نے فرمایا:

((یاابن ابی طالب اشتملت شملة الجنین وقعدت حجرة الظنین))

اے پسر ابو طالب خویشتن بشملہ در پیچیدی مانند جنین در رحم دردی از خلق نہفتی چوں مردم متہم۔

"حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اے ابو طالب کے بیٹے چادروں کے اندر چھپ گئے ہو جیسا کہ رحم کے اندر بچہ چھپا ہوا ہوتا ہے۔ اور لوگوں سے چھپ کر بیٹھ گئے جیسا کہ تہمت والے لوگ آدمیوں سے پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔"

ناظرین کرام! یہ الفاظ سخت ناراضگی کی خبر دیتے ہیں۔ اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

((نهنهینی عند وجدك یا ابنة الصفوة وبقیة النبوة))

"اے برگزیدہ مخلوقات کی بیٹی اور نبوت کی یادگار! مجھ سے ناراضگی نہ فرمائیے۔"

ناظرین کرام! یہ پانچ روایات ہیں۔ ان میں کچھ ایسی باتیں ہیں جو ادب اور تہذیب کے سخت خلاف ہیں۔ اور کچھ خبریں ایسی ہیں جو شایان شان اہل بیت کرام علیہم السلام

نہیں ہیں۔ پس ان کی وجہ سے اگر کوئی شخص کبیدہ خاطر ہونے لگے تو اس کی سرزنش اور ملامت کے قابل شیعہ مصنّفین ہوں گے۔ جنھوں نے اپنی کتابوں میں ائمہ کرام کے نام سے یہ روایت لکھی ہے۔ راقم الحروف کو ملامت سے معاف رکھیں کیونکہ راقم الحروف کا اگر کوئی گناہ ہے تو صرف یہ ہے کہ ان روایات کو کتب شیعہ سے نقل کر دیا ہے

ایں گناہ است کہ در شہر شما

تعجب ہے کہ شیعہ علماء صحیح بخاری کی ناراضگی والی روایت کو تو ہر وقت بیان کرتے رہتے ہیں۔ گویا ان کی خلقت سے مقصود ہی یہی ہے۔ حالانکہ اس روایت کے بعض طرق میں ناراضگی کا ذکر تک نہیں۔ اور ان پانچ روایات کا نام بھی نہیں لیتے حالانکہ ان روایات میں ناراضگی کے الفاظ کتب شیعہ میں متفق علیہ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ علماء روایات خمسہ مذکورہ کے بیان کرنے میں اپنی موت جانتے ہیں صاحب فلک نجات روایات خمسہ مذکورہ میں سے چار روایات کو تو پی گئے ہیں اور ڈکار بھی نہیں لیا۔ ہاں بے شک ان پانچ میں سے ایک روایت کے جواب کی طرف توجہ فرمائی ہے۔ مراد میری ابو جہل کے خطبے کی روایت سے ہے۔ ملاحظہ ہو فلک نجات طبع اول جلد اول صفحہ ۳۹۹

قول مؤلف

میں کہتا ہوں کہ یہ اہل سنت کے مذہب کے اعتبار سے لکھا گیا ہے لیکن امامیہ کے نزدیک یہ منگنی بالکل ثابت ہی نہیں۔ بلکہ منافقین نے جناب زہرا رضی اللہ عنہا کے پاس بغرض ایذا رسانی یہ غلط خبر اڑا دی تھی جس سے یہ قصہ جاری ہوا۔ جب بی بی صاحبہ کو معلوم ہوا کہ یہ خبر جھوٹی ہے تو وہ غصہ جو شنید پر ان کو پیدا ہوا تھا فرو ہو گیا بلکہ زائل ہو گیا۔

ناظرین کرام! فلک نجات کی عبارت ختم ہو گئی ہے۔ اب راقم الحروف شیعہ علماء کی خدمت میں گزارش کرتا ہے کہ بھلے مانسو! خبر سچی ہو یا جھوٹی اس سے تو بحث ہی نہیں تھی۔ اگر علمائے اہل سنت کی جانب سے دختر ابو جہل کی منگنی کے وقوع کا سوال ہوتا تو واقعی یہ جواب صحیح ہوتا کہ منگنی کی خبر موضوع ہے کسی منافق نے اپنے جی سے تیار کی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی خواستگاری نہیں ہوئی تھی لیکن جبکہ منگنی بحث کا موضوع

ہی نہیں اور یہ بات خوب ظاہر ہے تو صاحب فلک نجات کا یہ جواب حقیقت میں جواب سے گریز ہے اور عاجزی کی ایک کھلی ہوئی دلیل ہے سوال تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ناراض ہونے کا تھا۔ کوئی سچی بات سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو جائیں تو بھی ناراضگی ہوگی اور اگر کوئی جھوٹی بات سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئیں تو بھی ناراضگی ہوگی۔ اس کو رضامندی تو نہیں کہا جاتا۔ اب واضح ہو گیا کہ صاحب فلک نجات نے ناراضگی کی پانچ روایات میں سے ایک روایت کا جواب بھی نہیں دیا۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو صاحب فلک نجات نے اس جواب میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علم ما کان وعلم ما یکون کی نفی کر دی ہے۔ شرح اس کی یہ ہے کہ آپ جھوٹی خبر سن کر اس واسطے ناراض ہو گئیں کہ آپ کو اس خبر کے جھوٹا ہونے کا علم نہ ہوا۔

ظاہر ہے کہ اگر آپ کو علم ہوتا کہ یہ خبر جھوٹی ہے تو سننے سے پہلے ہی راوی کو خاموش ہو جانے کا حکم صادر ہوتا۔ اور اس قدر غمناک ہونے اور پریشان ہونے کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ دیکھو جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بتلا دیا کہ ابوجہل کی لڑکی سے نکاح کرنے کا مجھے خیال بھی نہیں پیدا ہوا۔ تو آپ فوراً راضی ہو گئیں نتیجہ یہ نکلا کہ صاحب فلک نجات نے جھوٹی خبر سے ناراضگی تسلیم کر کے آپ کے علم کلی سے انکار کر دیا ہے اور جو شیعہ مصنّفین اپنی کتابوں میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علم ما کان وعلم ما یکون پر مستقل باب باندھتے ہیں۔ اور احادیث ائمہ کرام سے آپ کے علم کلی کو ثابت کرتے ہیں۔ صاحب فلک نجات نے سب کا قلع قمع کر دیا۔ پس صاحب فلک نجات کا یہ جواب حقیقت میں اصول مذہب شیعہ کو برباد کرتا ہے ملاحظہ ہو:

ناسخ التواریخ جلد چہارم از کتاب دوم صفحہ ۲۲۲ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے:

((فوضعتنی وانا من ذالك النور اعلم ما كان وما يكون وما لم يكن يا ابا الحسن))

سیدہ نسائے عالم فرماتی ہیں پس میری والدہ نے مجھے جنا اور میں اسی نور سے

ہوں۔ مراد بہشتی میووں کا نور ہے اور جانتی ہوں میں سب باتیں جو ہو چکی ہیں اور جو ہونے والی ہیں اے ابوالحسن۔"

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علم کلی کا منکر شیعہ میں کوئی نہیں ہوا۔ تعجب آتا ہے کہ ارباب فلک نجات نے ایسی کارروائی کیسے کر ڈالی جو اس قسم کے انکار کو مستلزم ہے۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

ناظرین کرام! صاحب فلک نجات نے اچھا کیا جو باقی چار روایات کے جواب کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ اگر باقی روایات کے جواب بھی تحریر کرتے تو ان جوابوں کا وہی حشر ہوتا جو روایات مذکورہ کے جواب کا حشر ہوا۔

بچھو سے کسی نے پوچھا تھا کہ جناب جاڑے میں کیوں تشریف نہیں لے آتے۔ تو بچھو نے جواب دیا کہ گرمیوں میں میری خوب عزت ہوتی ہے تاکہ سردیوں میں بھی باہر نہ نکلا کروں۔

بہر حال زمانہ حال کے شیعہ علمائے کرام کا فرض ہے کہ روایات خمسہ مذکورہ کے جوابات کی طرف توجہ مبذول کریں۔ علمائے اہل سنت کی جانب سے علمائے شیعہ کے ذمے یہ قرضہ ہے جو واجب الادا ہے۔ اگر اپنے وجود میں ان روایات کے جوابات کی طاقت نہیں رکھتے تو صحیح بخاری کی روایت کا تذکرہ چھوڑ دیں۔ کیونکہ جس وقت بھی بخاری کی اس روایت کا ذکر چھیڑا جائے گا۔ لامحالہ کتب شیعہ کی ان پانچ روایات کو آپ کے سامنے رکھا جائے گا۔ اور چونکہ جواب کی طاقت نہیں ہوگی ضرور شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔

مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں

باب سوم

ہبہ فدک کے بیان میں

میراث انبیاء کے مسئلہ میں جب شیعہ عاجز آ گئے تو ہبہ فدک کی حدیث گھڑی اب ہم ہبہ فدک کی اس حدیث کو یہاں درج کرتے ہیں اور پھر اس حدیث کے حسن و قبح پر اور صحت و عدم صحت پر تبصرہ کرتے ہیں۔

ملاحظہ ہو اصول کافی مطبوعہ تہران باب الفیٔ والانفال صفحہ ۱۵۰ طبع قدیم، وطبع رابع تہران جدید صفحہ ۶۴۱ مع ترجمہ فارسی (قاسم شاہ)

((قال ان الله تبارك و تعالى لما فتح فدك وما والاها لم يوجف عليه بخيل ولا ركاب فانزل الله على نبيه وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ فلم يدر رسول الله ﷺ من هم فراجع في ذلك جبرئيل وراجع جبرئيل ربه فاوحى الله اليه ان ادفع فدك الى فاطمة فدعاها رسول الله ﷺ فقال لها ان الله امرني ان ادفع اليك فدك فقالت قد قبلت يا رسول الله من الله ومنك))

"حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ نے جب اپنے نبی کے لیے فدک فتح کر دیا اور فدک کے آس پاس کو بھی فتح کر دیا۔ درآں حالے کہ آپ نے اس پر گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن میں اتارا ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ پس آنحضور ﷺ نہ سمجھے کہ ذاالقربی سے مراد کون ہیں؟ پھر آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا اور

جبریل علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے دریافت کیا۔ پس خدا تعالیٰ نے حکم بھیجا کہ اے نبی فدک فاطمہ کو دے دو۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ فدک تجھے دے دوں پس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے قبول کر لیا آپ کی طرف سے اور پروردگار کی طرف سے۔''

ناظرین کرام! ہبہ فدک کی اس روایت کے موضوع اور باطل ہونے پر راقم الحروف کو سات دلائل دستیاب ہوئے ہیں۔ ان دلائل کو جواب کے نام سے ذکر کرتا ہوں، سنیے:

پہلا جواب: آیت مذکورۃ الصدر ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ سورہ بنی اسرائیل کی آیت ہے اور سورۂ بنی اسرائیل باتفاق شیعہ وسنی مفسرین مکی ہے۔ یعنی ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اور اس بات پر بھی تمام علماء کا اتفاق ہے کہ ہجرت فدک کے بعد ساتویں سال آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں آیا تو اب یہ کہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے اپنے نبی پر فدک فتح کیا تو ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ نازل ہوئی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے فدک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں آ چکا تھا۔ حالانکہ واقع میں ایسا نہیں ہوا۔ پس واضح ہو گیا کہ شان نزول کی یہ روایت موضوع ہے۔ من گھڑت ہے۔ یار لوگوں نے گھڑ کر حضرت امام موسیٰ کاظم رحمہ اللہ کے ذمہ لگا دی ہے۔

اگر کوئی شیعہ کہہ دے کہ سورت بنی اسرائیل اگرچہ مکی ہے مگر اس کے اندر یہ آیت خاص طور پر مدنی ہے تو ہم اس کی خدمت میں حضرت امام محمد باقر رحمہ اللہ کی ایک حدیث پیش کر دیں گے۔ جس سے واضح ہو گا کہ خاص یہ آیت ہجرت سے پہلے مکہ شریف میں نازل ہوئی تھی۔

ملاحظہ اصول کافی مطبوعہ تہران کتاب الکفر والایمان صفحہ ۱۶۰ طبع قدیم، طبع رابع جدید مع فارسی ترجمہ جلد ۳ صفحہ ۵۲ (قاسم شاہ) حضرت امام محمد باقر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ان اللہ عزوجل انزل علیہ فی سورۃ بنی اسرائیل بمکۃ وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ الی قولہ تعالیٰ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا))

''خداوند تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ پر مکہ شریف کے اندر سورہ بنی اسرائیل میں وَ قَضٰی رَبُّكَ سے لے کر خَبِيْرًا بَصِيْرًا تک نازل فرمایا۔''

حضرت امام محمد باقر رحمہ اللہ کی اس حدیث کے آخر میں ہے:

((فلما اذن اللہ لمحمد فی الخروج من مکۃ الی المدینۃ بنی الاسلام علی خمس الخ))

''پھر جب اللہ تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کو مکہ شریف سے نکل کر مدینہ جانے کا حکم دیا تو اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی۔''

ناظرین کرام! حضرت امام محمد باقر رحمہ اللہ کی اس حدیث نے فیصلہ کر دیا کہ خاص آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ ہجرت سے پہلے مکہ شریف میں نازل ہوئی تھی اب اگر ہم ہبہ فدک کی حدیث کے موضوع ہونے پر اور کوئی دلیل پیش نہ کریں تو بجا ہے۔ کیونکہ یہ دلیل نہایت مضبوط ہو چکی ہے اور حضرت امام محمد باقر رحمہ اللہ کی اس حدیث نے اس احتمال کی جڑ کاٹ دی جس کی بنا پر اس استدلال کو شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے لیکن عوام کے فائدے کے لیے اس شان نزول کے من گھڑت ہونے پر باقی دلائل بھی پیش کرتے ہیں۔ (الکریم اذا وعد وفی)

دوسرا جواب: دعویٰ میراث دعویٰ ہبہ کی نفی کرتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ میراث موت کو چاہتا ہے اور ہبہ حیات کو چاہتا ہے۔ مطالبہ فدک اگر ہوا ہے تو ضروری ہے کہ میراث کی بنا پر ہو یا ہبہ کی بنا پر ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اس مطالبے کی بنیاد میراث اور ہبہ دونوں پر رکھی جا سکے۔ کیونکہ اس میں اجتماع نقیضین صریح طور پر پایا جاتا ہے۔ شیعہ علماء اگر ان دونوں لفظوں کے معانی کو سوچتے تو ایک ہی دعویٰ میں دونوں لفظوں کو ہرگز جمع نہ فرماتے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اگر مطالبہ فدک میراث پر مبنی ہے تو ہبہ کی روایت موضوع اور من

گھڑت ہے۔ اگر یہی مطالبہ ہبہ پر مبنی ہے تو قصہ میراث باطل ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ کی کارروائی نہایت اچھی ہے کہ مطالبہ کی بنیاد میراث کو تسلیم کیا ہے اور ہبہ کی روایت کو اپنی کتاب میں کہیں بھی جگہ نہیں دی۔ وہ خوب جانتے تھے کہ مطالبے کو میراث پر استوار کیا جائے تو پھر ہبہ کا نام لینا بھی صحیح نہیں ہے۔ ہمارے شیعہ علماء ہیں کہ اپنی کتابوں میں دونوں چیزوں کو ذکر کر جاتے ہیں۔ یہ انھی کا دل گردہ ہے کہ اجتماع نقیضین جیسی چیز کو برداشت کر لیتے ہیں۔ یہاں سے شیعہ علماء کی خوش فہمی خوب واضح ہوتی ہے۔

فدا ہوں میں تری کس کس ادا پر
ادائیں لاکھ اور بے چارہ دل ایک

تیسرا جواب: شیعہ کے ہاں مسلّم ہے کہ ائمہ کرام پر کوئی چیز مخفی نہیں رہتی وہ سب کچھ جانتے ہیں۔ ملاحظہ ہو اصول کافی مطبوعہ تہران کتاب الحجۃ صفحہ ۶۲ قدیم، طبع جدید مع ترجمہ فارسی طبع رابع جلد ۲ صفحہ ۱۰ (تہران)

((باب ان الائمة يعلمون علم ما كان وما يكون وانه لا يخفى عليهم شيء صلوات الله عليهم))

"اس باب میں ثابت کیا گیا ہے کہ امام گزرے ہوئے واقعات اور آیندہ ہونے والے واقعات جانتے ہیں، اور کوئی چیز ان سے مخفی نہیں ہے۔ ان پر خدا کی رحمتیں نازل ہوں۔"

صاحب اصول کافی نے اس باب میں چھ حدیثیں ائمہ کرام سے نقل کی ہیں جن سے ثابت کیا ہے کہ امام سب کچھ جانتا ہے اور ظاہر ہے کہ حضور ﷺ جس طرح نبی ہیں اسی طرح امام بھی ہیں۔ پس شیعہ لوگ جو عقیدہ علم ائمہ کرام کے حق میں رکھتے ہیں ضروری ہے کہ وہی عقیدہ آنحضور ﷺ کے بارے میں بھی رکھتے ہوں۔ پس آنحضور ﷺ کے لیے ہر چیز کا علم ثابت ہو گیا۔ اب ہم شیعہ علمائے کرام کی خدمت میں گزارش کرتے ہیں کہ جب آنحضور ﷺ سب کچھ جانتے تھے اور کوئی چیز آپ سے مخفی نہ تھی تو

ذا القربیٰ کے مصداق میں اور اس کے مفہوم و مراد میں کس طرح خفا باقی رہ سکتا تھا اور آپ کے علم کلی سے یہ چیز کس طرح باہر رہ سکتی تھی۔ پس شیعہ کا یہ مسلّم عقیدہ ہبہ فدک کی روایت کو موضوع قرار دیتا ہے۔ کیونکہ یہ روایت علم کلی کے عقیدہ کے سخت مخالف ہے

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

چوتھا جواب: آیت مذکورہ ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ میں اس حدیث کے اعتبار سے ذا القربیٰ سے مراد صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں اور حَقَّهٗ سے مراد خاص موضع فدک ہے۔ اور چونکہ عطف کے ذریعہ سے ذا القربیٰ کے ساتھ مسکین اور ابن سبیل کو بھی اللہ تبارک و تعالیٰ نے شامل کیا ہے۔ اس واسطے ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ﴾ کا ترجمہ یوں ہوتا ہے ''اور اے نبی فاطمہ اور مسکین اور مسافر کو فدک دے دے۔'' معلوم ہو گیا کہ اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا جائے تو بھی فدک میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تنہا نہیں ہیں۔ بلکہ آپ کے ساتھ مسکین اور مسافر بھی فدک میں شریک ہیں۔ اور چونکہ مسکین ایک کلی ہے جس کے افراد کا کوئی شمار نہیں اسی طرح مسافر ایک کلی ہے جس کے افراد غیر متناہی اور غیر متعین ہیں۔ اس لیے فدک کی تقسیم رقبہ کے اعتبار سے ناممکن ہے ہاں پیداوار کے اعتبار سے اس کی تقسیم ہو سکتی ہے کہ اس کی پیداوار سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اخراجات مہیا کیے جائیں۔ نیز اس کی آمدنی سے مسکینوں اور مسافروں کی خدمت کی جائے۔ وقف سے مراد بھی یہی ہوتی ہے کہ رقبہ تقسیم نہ کیا جائے۔ اس صورت میں پھر پھرا کر بات وہی بن گئی جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمائی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کا خرچ فدک کی آمدنی میں سے ادا کیا جائے گا۔ خود ارض فدک کو تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ دوسرے باب میں حوالہ جات سے اس مسئلے کو مزین کیا گیا ہے خداوند تبارک و تعالیٰ چھبیسویں پارے میں فرماتے ہیں:

﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ﴾

''یعنی جس چیز سے آدم کے بیٹے تجھے نفرت تھی وہی سامنے آ گئی مراد موت۔

ہے۔"

اسی طرح یہاں فدک کے وقف ہونے سے شیعہ کو نفرت تھی وہی سامنے آ گئی اور ہبہ فدک کی روایت نے اس کا وقف ہونا ثابت کر دیا۔ اب ہم شیعہ علمائے کرام کی خدمت میں گزارش کرتے ہیں کہ ہبہ فدک کی حدیث صحیح ہے یا موضوع ہے؟ اگر کہیں کہ صحیح ہے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تائید ہوتی ہے اگر ارشاد فرمائیں کہ موضوع ہے من گھڑت ہے تو پھر بھی اہل سنت کا مقصود ثابت ہو جاتا ہے۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

پانچواں جواب: اگر ہبہ فدک کی حدیث مذکورہ کو صحیح تسلیم کیا جائے تو لازم آتا ہے کہ ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ میں خطاب خاص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو۔ حالانکہ اس آیت میں خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ شرح اس معما کی یہ ہے کہ اس آیت میں دوسرا جملہ یہ ہے: ﴿وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا﴾ یعنی فضول خرچی نہ کر۔ اس جملہ میں تو ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب نہیں ہیں کیونکہ آپ سے تو فضول خرچی ممکن ہی نہیں۔ نہیں کا مدار امکان فعل ہوا کرتا ہے کیا کوئی عقل کا پورا ﴿وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَ سَآءَ سَبِيْلًا﴾ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب تصور کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں کیونکہ زنا تو آپ سے ممکن ہی نہیں۔ اسی طرح ہم یہاں کہتے ہیں کہ چونکہ فضول خرچی کا کام آپ سے ممکن ہی نہیں۔ اس لیے اس نہی کے آپ مخاطب ہی نہیں۔ پس حدیث ہبہ فدک کو اگر صحیح تسلیم کیا جائے تو لازم آتا ہے کہ اس آیت میں آپ کو خطاب ہو اور آپ کو اس آیت میں خطاب ہو نہیں سکتا نتیجہ نکلا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے بلکہ موضوع ہے۔

مجھے رشک آئے ہے اس رند مے آشام پر ساقی
نہ جو دع ما کدر جانے نہ جو خذ ما صفا سمجھے

چھٹا جواب: آیت مذکورہ ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ کے ماقبل میں بھی واحد مذکر

مخاطب ہی کے صیغے ہیں جیسے:

﴿إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾

یہاں آنحضرت ﷺ ہرگز مخاطب نہیں بن سکتے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کے والدین شریفین تو نزول قرآن سے پہلے فوت ہو چکے تھے تو لا محالہ یہاں امتی لوگ مخاطب ہوں گے۔

اسی طرح آیت مذکورہ ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ میں امتی لوگ مخاطب ہیں۔ آنحضرت ﷺ مخاطب نہیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ کا ماقبل یہی چاہتا ہے کہ خطاب امت کے لوگوں کو ہو۔ حدیث ہبہ فدک چاہتی ہے کہ خطاب خاص آنحضرت ﷺ کو ہو پس ضرور یہی کہنا پڑے گا کہ قرآن کی شہادت صحیح ہے اور حدیث ہبہ فدک خود باطل ہے موضوع ہے۔

بر افگن پردہ تا معلوم گردد

کہ یاراں دیگرے را می پرستند

ساتواں جواب: حدیث ہبہ فدک جو حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے روایت کی گئی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں:

((لما انزل الله وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ قال رسول الله ﷺ يا جبرئيل قد عرفت المسكين من ذوى القربى قال هم اقاربك فدعا حسنا وحسينا وفاطمة صلوات الله عليهم فقال ان ربى امرنى ان اعطيكم مما افاء الله قال اعطيكم فدك))

"رسول اللہ نے فرمایا اے جبریل! مسکین تو میں نے پہچان لیے بتائیے ذاالقربی کون ہیں۔ جبریل نے جواب میں عرض کیا وہ آپ کے رشتہ دار ہیں

جو زیادہ قریب ہیں۔ پس آنحضور ﷺ نے حسن و حسین اور فاطمہ رضی اللہ عنہم کو بلایا اور کہا کہ میرے پروردگار نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں مال فے میں سے تم کو عطا کر دوں اور فدک تم کو دے دو۔''

حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی یہ حدیث قرآن حکیم کی تفسیر صافی میں آیت مذکورہ کی تفسیر میں درج ہے۔ چونکہ اس تفسیر کے صفحات کے نمبر لگے ہوئے نہیں ہیں۔ اس لیے میں بھی صفحہ نمبر لکھنے سے معذور ہوں۔ کسی حافظ قرآن سے دریافت کر لیں۔ وہ آیت ﴿وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ﴾ اس تفسیر میں سے نکال کر دکھلا دے گا۔ بس وہاں ہی حضرت امام جعفر علیہ السلام کی یہ حدیث آپ کی نظر سے گزرے گی۔

ناظرین کرام! جب آیت ﴿وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ﴾ نازل ہوئی حسنین شریفین رضی اللہ عنہما اس وقت پیدا نہیں ہوئے تھے۔ پہلے جواب کے ضمن میں ہم لکھ آئے ہیں کہ یہ آیت مکہ شریف میں ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔ اور اس پر امام پنجم حضرت امام محمد باقر رحمہ اللہ کی شہادت ثبت کر آئے ہیں۔ اب دیکھنا یہ چاہیے کہ حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کی ولادت کب ہوئی تو اصول کافی مطبوعہ تہران صفحہ ۱۲۳ پر حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی ولادت ۲ھ میں ہوئی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت ۳ھ میں لکھی ہے۔ آیت کا نزول ہجرت سے پہلے اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی ولادت ہجرت کے بعد ہے۔

شیعہ علمائے کرام ہی بتلائیں کہ اس آیت کے نازل ہونے پر حسنین رضی اللہ عنہما کو حضور ﷺ نے کہاں سے بلا کر فدک عطا کیا؟ آپ ابھی تک دنیا میں تشریف لائے نہیں۔ اور ہبہ فدک پہلے ہو رہا ہے۔ اس بات کو حل کرنا شیعہ علماء کا ہی کام ہے اور حق بھی انھی کا ہے کیونکہ انھی کے مصنّفین نے اس حدیث کو لکھنے کا شرف حاصل کیا ہے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی یہ کارروائی ہے۔ حاشا و کلا آپ ایسی خلاف واقع باتیں ہرگز نہیں ارشاد فرما سکتے یہ تو شیعہ مصنّفین نے اپنے جی سے بنا کر آپ کے نام نامی کے ساتھ وابستہ کر دی ہیں کہ اس طرح قبول ہو جائیں گی۔ اور ہبہ فدک کی یہ روایت گھڑنے والے کچھ ایسے محقق تھے کہ حسنین شریفین رضی اللہ عنہما دنیا

میں تشریف لائے نہیں اور انھوں نے ہبہ کرا کر قبضہ بھی دلوا دیا۔ اس کے بعد چونکہ بزرگان دین اہل بیت علیہم السلام کا نام نامی بیچ میں آ گیا۔ اس لیے سوچنا حرام ہو گیا۔ اب کوئی صاحب سوچنے کی تکلیف برداشت نہیں کرتے اور کہے جاتے ہیں کہ ہبہ مع القبض ہو چکا ہے۔ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ جب حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما پیدا نہیں ہوئے تھے تو انھوں نے قبضہ کیسے کر لیا؟ دراصل کسی چیز کے حسن و قبح کی تمیز آدمی جب کر سکتا ہے کہ تعصب اور ضد سے بچا ہوا ہو! تعصب کی وجہ سے شیعہ علمائے کرام صحیح وسقیم کے امتیاز سے قاصر ہیں۔

مجھے رشک آئے ہے اس رند مے آشام پر ساقی
نہ جو دع ما کدر جانے نہ جو خذ ما صفا سمجھے

سوال: اہل سنت کی بعض کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہبہ فدک کی حدیث کو صحیح تسلیم کر کے ایک وثیقہ لکھ دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ وثیقہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے لے کر پھاڑ ڈالا تھا۔

جواب: یہ روایت بھی شیعہ کی گھڑی ہوئی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن ابی الحدید شیعی نے اپنی کتاب حدیدی شرح نہج البلاغۃ جلد دوم صفحہ ۲۹۹ پر اس روایت کے موضوع شیعہ ہونے کا اقرار کیا ہے اور شیعہ علماء اگلے زمانوں میں لباس تقیہ میں ملبوس ہوتے تھے۔ اس لیے سنی علماء کو کیا خبر ہو سکتی تھی کہ یہ صاحب حقیقت میں شیعہ ہیں۔ پس سنی علماء نے شیعہ علماء سے یہ روایت نقل کر لی اور رفتہ رفتہ کتابوں میں لکھی گئی۔ علامہ ابن ابی الحدید نے اس روایت کے مرویات خاص شیعہ میں سے ہونے کو اپنی کتاب میں ظاہر کیا ہے اور حقیقت کے چہرے سے پردہ اٹھایا ہے۔ اگر فاضل ابن ابی الحدید یہ کام نہ کرتے تو ہم کو کیا خبر تھی کہ اصل بات کیا ہے اور اس روایت کے اصل راوی کون صاحب ہیں؟ فاضل ابن ابی الحدید کے اقرار سے تو اس کے راوی شیعہ ہیں اگر اس کے راوی شیعہ نہیں ہیں تو کوئی صاحب تکلیف کر کے اس روایت کے راویوں کے اسمائے گرامی سے پردہ اٹھا کر عند اللہ ماجور ہوں اور عند الناس مشکور ہوں۔ کسی روایت کے کتب اہل سنت میں درج

ہونے سے لازم نہیں آتا کہ یہ روایت حقیقت میں اہل سنت کی روایت ہے اس لیے کہ شیعہ کے ہاں تقیہ اصول دین میں سے ہے۔ اور بڑی بھاری عبادت ہے۔ اور کارِ ثواب ہے تو شیعہ علماء سنی بن کر سنیوں سے ملے ہیں اور سنیوں نے ان سے روایتیں لے لی ہیں۔ بخلاف اس کے کسی روایت کا کتب شیعہ میں درج ہونا اس کے حقیقت میں شیعہ روایت ہونے کی پختہ دلیل ہے۔ کیونکہ کسی سنی عالم نے اپنے آپ کو نہیں چھپایا۔ اور علمائے اہل سنت میں سے کوئی شخص ایسا نہیں گزرا جس نے ساری زندگی تشیع کے لباس میں گزاری ہو اور حقیقت میں سنی ہو۔ پس اہل سنت کا شیعہ علماء کو دھوکا دینا ممکن نہیں ہے اور شیعہ علماء کا اہل سنت علماء کو دھوکا دینا واقعات میں سے ہے۔ پس جو روایت کتب شیعہ میں موجود ہوگی۔ وہ خاص شیعہ کی روایت ہوگی اور جو روایت کتب اہل سنت میں پائی جائے گی وہ قابل تحقیق ہوگی اگر اس کے راوی شیعہ ہیں تو شیعہ کی روایت تصور کی جائے گی۔ اہل سنت پر حجت نہیں ہوگی اور اگر اس کے سب راوی سنی ہیں تو ضرور اہل سنت کی روایت ہوگی اور اہل سنت پر حجت کا کام دے گی۔

سوال: ہبہ فدک کی روایت اہل سنت کی کتابوں میں مذکور ہے ملاحظہ ہو تفسیر درمنثور جلد چہارم صفحہ ۱۷۷ وغیرہا

جواب اوّل: ہبہ فدک کی یہ روایت بھی سابقہ روایت کی طرح ہے جس میں سند لکھ دینے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چاک کر ڈالنے کا ذکر ہے۔ جس طرح سابقہ روایت کے راوی شیعہ حضرات ہیں۔ اسی طرح اس روایت کے اصل راوی بھی شیعہ حضرات ہیں۔ میری جستجو کے مطابق اس روایت کے راوی یہ بزرگ ہیں۔ ابو یحییٰ تمیمی جس کا نام اسماعیل بن ابراہیم احول ہے۔ تہذیب التہذیب جلد اوّل صفحہ ۲۸۱ پر لکھا ہے۔ قال ابو داود شیعی یعنی ابوداود نے اس کے بارے میں شیعہ ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔

عباد بن یعقوب: اس کے بارے میں میزان الاعتدال جلد دوم صفحہ ۱۶ پر لکھا ہے کہ غالی شیعہ تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت برا جانتا تھا۔ نیز تہذیب التہذیب جلد پنجم صفحہ ۱۱۰ پر لکھا ہے:

((قال ابن حبان كان رافضيا داعية))

"ابن حبان نے کہا ہے کہ عباد بن یعقوب رافضی تھا اور لوگوں کو رفض کی طرف دعوت دیتا تھا۔"

میزان الاعتدال طبع جدید جلد ۲ صفحہ ۱۸۰،۱۷۹ پر عباد بن یعقوب کے شیعہ غالی ہونے کی تفصیلاً بحث موجود ہے۔

فضیل بن مرزوق: میزان الاعتدال جلد دوم صفحہ ۳۳۵ (قدیم) میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۳۶۲ طبع جدید (قاسم) پر ان کا شیعہ ہونا ظاہر کیا ہے اور یہ کہ موضوعات کی روایت کا عادی تھا۔

عطیہ عوفی کوفی: میزان الاعتدال مطبوعہ مصر جلد دوم صفحہ ۲۰۱ (قدیم) نیز کتاب میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۷۹ (طبع جدید) پر لکھا ہے سالم مرادی کہتا ہے کہ عطیہ اپنے آپ کو شیعہ میں سے ظاہر کرتا تھا۔ اور امام احمد فرماتے ہیں کہ عطیہ کی حدیث ضعیف ہوتی ہے۔ نیز تہذیب التہذیب جلد ہفتم صفحہ ۲۲۶ پر لکھا ہے کہ عطیہ کلبی کا خاص شاگرد ہے۔ اس نے کلبی کی کنیت ابوسعید بنا رکھی تھی۔ حدیث بیان کرتا تو لوگ پوچھتے کہ یہ حدیث تجھ کو کس نے بتائی وہ فوراً کہہ دیتا کہ مجھ کو ابوسعید نے بتائی پس لوگوں کے خیال میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ آ جاتے کیونکہ ابوسعید کی کنیت سے وہ مشہور تھے۔ حالانکہ عطیہ کی مراد کلبی سے ہوتی۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ عطیہ کی حدیث کو نقل کرنا حلال نہیں ہے مگر تعجب کے طریق پر۔

ناظرین کرام! ہبہ فدک کی حدیث کے راویوں کا نہایت مختصر حال لکھا ہے تاکہ رسالہ ہذا کا مطالعہ کرنے والے گھبرا نہ جائیں۔ اگر تفصیل سے ان کے حالات لکھے جائیں تو ایک علیحدہ رسالہ بن جائے۔ بہرحال فدک کی حدیث کے راوی چونکہ شیعہ حضرات ہیں۔ اس لیے علمائے اہل سنت اس کے تسلیم کرنے سے قاصر ہیں اور کتب اہل سنت میں درج ہونا راویوں کے سنی ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ جیسا کہ پہلے سوال کے جواب میں ہم نے لکھا ہے کہ تقیہ ان کے یہاں اصول دین میں سے ہے اور

عظیم الشان عبادت ہے۔ اس واسطے ان کے باطن کا پتا لگانا کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ یہ بزرگ تقیہ کے لباس میں ملبوس سنی بن کر جب سنی علماء سے ملے تو جو کچھ انھوں نے بیان کیا اہل سنت کے علماء میں سے جو بھولے بھالے تھے انھوں نے قبول کر لیا اور اپنی کاپیوں میں لکھ لیا۔ پس رفتہ رفتہ کتابوں میں درج ہو گیا۔ محققین علم رجال پر خدا تعالیٰ رحمت نازل کرے کہ انھوں نے رجال کے خاص احوال کی تفتیش کی اور حقیقت کے چہرے سے پردہ اٹھا دیا۔ اگر علمائے رجال اس بھاری کام اور نہایت ضروری کام کو سرانجام نہ دیتے تو ہم کون تھے کہ روایات کے ذخائر میں سے صحیح وسقیم کی تمیز کرتے۔ قاضی نور اللہ شوستری نے اپنی کتاب مجالس المومنین کے دیباچہ میں اقرار کیا ہے کہ سلاطین صفویہ سے پہلے ہمارے علماء حنفی اور شافعی بنے رہے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ شیعہ کے اصول تقیہ نے تاریخ اور حدیث کے صاف چشمے کو میلا کر دیا ہے۔ واقعی شیعہ کا یہ اصول اسلام کے لیے بلائے عظیم تھی۔ قاضی نور اللہ شوستری اپنی کتاب میں جابجا تقیہ کے لیے لفظ بلیہ لکھتا ہے۔ اگرچہ قاضی صاحب شیعہ ہیں مگر ان کا یہ فتویٰ سولہ آنے صحیح ہے۔ کوئی شبہ نہیں ہے کہ تقیہ ایک بلیہ ہے یعنی مصیبت ہے۔ قاضی صاحب کی مراد تو یہ ہے کہ شیعہ علماء تقیہ کی مصیبت میں گرفتار رہے مگر حقیقت یہ ہے کہ شیعہ علماء نے تقیہ کر کے تمام اہل سنت کو مصیبت میں ڈال دیا۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

جواب دوم: محققین اہل سنت نے کتب حدیث کے چار طبقے مقرر کیے ہیں۔ دیکھو حجۃ اللہ البالغہ اور عجالہ نافعہ اور مقدمہ تحفۃ الاحوذی اور مقدمہ فتح الملہم۔ جو حدیث پہلے طبقے اور دوسرے طبقے کی کتاب میں پائی جائے وہ قابل حجت ہے اور جو حدیث تیسرے اور چوتھے طبقے کی کتاب میں موجود ہو وہ لائق حجت نہیں ہے نہ اصول میں نہ فروع میں اور ہبہ فدک کی حدیث اور وثیقہ فدک کے پھاڑنے کی روایت پہلے دوسرے طبقہ کی کتابوں میں نہیں ہے۔ بلکہ تیسرے چوتھے طبقے کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ اس لیے قابل

احتجاج نہیں ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی خاص روایات تیسرے چوتھے طبقہ کی کتابوں سے نقل کی گئی ہیں۔ اس لیے قابل سند نہیں ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ پہلے دونوں طبقے کے مصنفین کا مقصود صحیح وسقیم میں تمیز تھی۔ جو حدیث انھوں نے اپنی کتاب میں درج کی صحیح جان کر درج کی۔ جس حدیث میں ضعف معلوم کیا اس کو اپنی کتاب میں درج نہیں کیا اور آخری دونوں طبقوں کے مصنفین کا مقصود احادیث کو جمع کر دینا تھا خواہ صحیح ہوں، خواہ ضعیف، چاہے مرفوع ہوں چاہے موضوع۔ پس شیعہ علماء جو حدیث پہلے طبقہ یا دوسرے طبقہ کی کتاب سے نکال کر ہمارے سامنے پیش کریں گے ہم جواب کے ذمہ دار ہیں۔ اور جو حدیث تیسرے یا چوتھے طبقہ کی کتاب سے نکال کر ہمارے سامنے رکھیں گے ہم اس کے جواب کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

مجھے رشک آئے ہے اس رند مے آشام پر ساقی
نہ جو دع ما کدر جانے نہ جو خذ ما صفا سمجھے

سوال: غزوۂ بدر کے قیدیوں میں سے حضرت ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ بھی قید ہو کر آئے تھے زینب رضی اللہ عنہا دختر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نکاح میں تھیں حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ابوالعاص کو چھڑانے کے لیے مکہ شریف سے ایک ہار بھیجا۔ یہ وہی ہار تھا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بیٹی کو جہیز میں دیا تھا۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ہار دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا کہ کیا ہی اچھا ہو اگر تم زینب کے قیدی کو رہا کر دو اور اس کے ہار کو بھی واپس کر دو۔ سارے صحابہ نے اس بات کو دل و جان سے قبول کیا۔ اور عرض کیا کہ ہم تو آپ کی ذات پاک پر جان و مال قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ ایک قیدی کو آزاد کر دینا اور اس کا فدیہ واپس کر دینا کیا مشکل ہے۔ اس میں ہم کو کوئی تکلیف ہی نہیں ہے۔ کیا اس وقت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود نہ تھے۔ اسی طرح جب فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فدک کا مطالبہ کیا تھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے مناسب یوں تھا کہ سارے صحابہ سے سفارش کرتے اور

کہتے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹی کی طرف سے مطالبہ ہے تم سب لوگ راضی ہو جاؤ اور اپنے حقوق سے دستبردار ہو جاؤ تا کہ ہم فدک آپ کے حوالے کر دیں۔ احسان شناسی کا تقاضا اسی طرح ہے۔ تو سب لوگ راضی ہو جاتے کس کو انکار کی مجال تھی؟ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر بھی کسی قسم کا محل اعتراض نہ رہتا کیونکہ اس میں سب کی رائے شامل ہو جاتی۔

جواب: ہار میں اور زمین فدک میں بڑا بھاری فرق ہے۔ زمین فدک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عقیدے میں وقف ہے ملاحظہ ہو وہ حدیث جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس مطالبہ کے جواب میں پیش کی ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

((ما ترکناہ فھو صدقۃ))

''یعنی جو کچھ ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ وقف ہو جاتا ہے۔''

اور ہار جو ہے تو وہ مال غنیمت میں ہے اس کے حقدار معلوم ومعین ہیں۔ اس لیے یہاں تو سفارش ہو سکتی ہے وقف جو ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ کی ملک میں چلا جاتا ہے۔ آدمیوں کی ملک اٹھ جاتی ہے۔ آدمی صرف پیداوار سے نفع اٹھا سکتے ہیں۔ وقف کا رقبہ انتقال ملک کے قابل ہی نہیں رہتا۔ اب بتایئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سفارت کرتے تو کس کے آگے اور دستبردار ہونے کو کہتے تو کس کو کہتے۔ خدا تعالیٰ کے بغیر تو کوئی شخص زمین فدک کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اعتقاد میں مالک ہی نہ تھا۔ وقف کو مال غنیمت پر قیاس کرنا بھی علمائے شیعہ ہی کے شایان شان ہے۔ اہل سنت تو اس قیاس کی تاب نہیں رکھتے۔ باقی رہا پیداوار کا قصہ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فدک کی آمدنی میں سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سارے اخراجات ادا کرتے رہے اگر میری بات قابل تسلیم نہ ہو تو دیکھو شرح نہج البلاغۃ از علامہ ابن میثم بحرانی مطبوعہ تہران صفحہ ۵۴۳

((وکان یاخذ غلتھا فیدفع الیھم منھا ما یکفیھم))

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ زمین فدک کی آمدنی میں سے اہل بیت علیہم السلام کو اس قدر دیتے تھے کہ سال بھر کے اخراجات کے لیے کافی ہوتا تھا۔''

ناظرین کرام! فدک کی آمدنی میں سب سے پہلے جن کی خدمت کی جاتی تھی وہ حضرات اہل بیت علیہم السلام ہوتے تھے۔ اب شیعہ علماء سے کوئی پوچھے کہ تمھاری اصطلاح میں یہ محرومی ہے؟ کیا کوئی شخص اس صورت میں محرومی کا تصور بھی کر سکتا ہے؟ چونکہ اس صورت میں کسی قسم کی محرومی نہ تھی۔ اسی واسطے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رضامندی کا اعلان کیا۔ جیسا کہ ہم دوسرے باب میں مفصل ذکر کر آئے ہیں۔

اطلاع عام

یہ اعتراض بھی ابن ابی الحدید کے استاذ ابوجعفر یحییٰ بن ابی زید بصری علوی کے افادات میں سے ہے۔ اور خود ابن ابی الحدید نے آخر میں تسلیم کیا ہے کہ یہ اعتراض مضبوط ہے اور اس اعتراض کی مضبوطی پر ایک عالم کو گواہ گزارا ہے۔ کیا اب بھی ابن ابی الحدید اور اس کے استاذ ابوجعفر نقیب بصرہ کے تشیع میں کچھ شبہ باقی ہے؟ میرے پاس ابن ابی الحدید کے شیعہ ہونے کے دلائل موجود ہیں من جملہ ان کے اس اعتراض کے جواب میں کوشش نہ کرنا ایک دلیل ہے اگر کوشش کرتے تو یہ اعتراض کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتا تھا۔ جیسا کہ راقم الحروف نے ابھی جواب میں تحریر کیا ہے۔

میرے پاس حدیدی شرح نہج البلاغۃ کا جو نسخہ ہے وہ مطبوعہ تہران ہے۔ اس کے پہلے ورق پر شارح ابن ابی الحدید کا شیعہ ہونا واضح طور پر لکھا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایران کے علمائے شیعہ ابن ابی الحدید کو شیعہ جانتے ہیں۔ سوال مذکورہ حدیدی شرح نہج البلاغۃ جلد دوم جز چہاردہم صفحہ ۱۸۵ پر مذکور ہے جو چاہے دیکھ لے۔

معیشت

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک وہ حصہ ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گزرا۔ دوسرا وہ حصہ ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے گزرا۔ پہلے حصے کا نام نبوی دور اور دوسرے حصے کا نام صدیقی دور ہونا چاہیے۔ اب ہمیں دیکھنا چاہیے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی نبوی دور میں کیسی گزری اور پھر صدیقی دور میں

آپ کی زندگی کس طریق پر گزری اس موازنے سے ناظرین کرام کو غصب فدک کی حقیقت ہاتھ آ جائے گی سنیے ملا باقر مجلسی اپنی کتاب جلاء العیون فارسی کے صفحہ ۵۴ (قدیم) نیز جلاء العیون اردو جلد اصفحہ ۱۶۳ طبع لاہور (جدید) پر تحریر کرتے ہیں یہ روایت جلاء العیون فارسی صفحہ ۱۶۱، ۱۶۲ طبع جدید تہران پر ہے۔

ابن بابویہ بسند معتبر از حضرت امیر المومنین علیہ السلام روایت کردہ است کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمود کہ فاطمہ زہرا علیہا السلام محبوب ترین مردم بود نزد حضرت رسالت و آں قدر آب از مشک آورد کہ در سینہ او اثر کرد و انقدر آسیا گردانید کہ دست ہائش آبلہ کرد و آں قدر خانہ را جاروب کرد کہ جامہائش سیاہ شد بسبب ایں خدمت ہا بآنحضرت مضرت شدید می رسید۔ پس من روزے باو گفتم برو و از پدر خویش سوال کن کہ برائے تو کنیزے بخرد کہ بعضے از خدمت ہائے تو را متحمل گردد چوں بخدمت حضرت رسولؐ رفت نزد آنحضرت جماعتے را دید کہ سخن می گفتند حیا مانع شد او را کہ بآنجناب سخن گوید بخانہ برگشت پس حضرت رسول دانست کہ او را برائے کارے رفتہ پس روز دیگر بامداد بنزد ما آمد و ماہر در زیر یک لحاف بودیم و جامہ نداشتیم کہ بپوشیم و از زیر لحاف بیروں آئم۔ پس حضرت رسول فرمود السلام علیکم ما شرم کردیم کہ جواب بگوئیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را بسبب حالتے کہ داشتیم پس بار دیگر آنجناب سلام کرد جواب نگفتیم چوں در مرتبہ سوم سلام کرد ترسیدیم اگر جواب نگوئم برگردد و عادت آنحضرت چنیں بود کہ سہ مرتبہ سلام می کرد اگر جواب نمے شنید برمیگشت پس من گفتم وعلیک السلام یا رسول اللہ داخل شو پس او داخل شد و بر بالین ما نشست و فرمود اے فاطمہ چہ حاجت داشتی دیروز نزد من۔ فاطمہ در جواب گفتن شرم کرد من ترسیدم اگر جواب می نگویم حضرت برخیزد من سر خود را بیروں آوردم و حالت او را عرض کردم فرمود آیا می خواہید کہ خبر دہم شمارا بیک چیزے کہ بہتر است از برائے شما از کنیز چوں برخت خواب میر دید سی و سہ مرتبہ

سبحان اللہ، وسی وسہ مرتبہ الحمد للہ، وسی و چہار مرتبہ اللہ اکبر بگوئید، پس فاطمہ سر خودرا بیروں آورد وسہ مرتبہ گفت راضی شدم از خدا و رسول ﷺ۔

''ابن بابویہ شیخ صدوق نے معتبر سند کے ذریعہ سے حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کو سب لوگوں سے زیادہ محبوب تھیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سینے میں نشان پڑ گئے پانی کی مشکیں بھر کر لانے کی وجہ سے اور چکی پیسنے کی وجہ سے ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے اور گھر میں جھاڑو دینے کی وجہ سے کپڑے سیاہ ہو گئے۔ اپنے گھر کے ان کاموں کی وجہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سخت تکالیف میں تھیں۔ پس میں نے ایک دن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا جاؤ اور اپنے والد شریف سے عرض کرو کہ ایک باندی خرید کر تم کو دے دیں جو گھر کے کام کاج میں تمھارا ہاتھ بٹائے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب اپنے والد شریف کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو اس وقت آنحضرت ﷺ کے یہاں کچھ لوگ باتیں کر رہے تھے۔ حیا کی وجہ سے واپس اپنے گھر تشریف لے آئیں۔ پھر حضرت رسول کریم ﷺ سمجھ گئے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کسی کام کے لیے آئی تھیں۔ پس دوسرے دن صبح سویرے آنحضور ﷺ ہمارے ہاں تشریف لے آئے در آنحالیکہ ہم دونوں ایک ہی لحاف میں پڑے ہوئے تھے اور لحاف کے علاوہ کوئی کپڑا ہمارے پاس نہ تھا۔ جو پہن کر ہم لحاف سے باہر نکل آتے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا السلام علیکم۔ ہم نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس حالت کی وجہ سے جس حالت میں ہم دونوں تھے۔ پس دوسری دفعہ آپ نے سلام دیا اور ہم نے کوئی جواب نہ دیا۔ جب تیسری مرتبہ آپ نے سلام کہا تو ہم ڈر گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو ہمارے جواب نہ دینے کی وجہ سے آپ واپس چلے جائیں اس لیے کہ آپ کی عادت یہی تھی تین مرتبہ سلام کرتے۔ اگر جواب نہ ملتا تو واپس چلے جاتے تھے۔ پس میں نے عرض کیا وعلیک السلام یا

رسول اللہ! تشریف لائیے۔ پس آپ گھر میں تشریف لے آئے اور ہمارے سرھانے بیٹھ گئے اور فرمایا اے فاطمہ کل میرے پاس کس کام کے لیے آئی تھی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے شرم کی وجہ سے کچھ جواب نہ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے خوف ہوا کہ اگر ہم جواب نہ دیں گے تو آپ اٹھ کر چلے جائیں گے۔ میں نے لحاف سے سر نکالا اور فاطمہ کی وہ حالت بیان کی جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کیا چاہتے ہو کہ میں تمھیں ایک ایسی چیز بتلا دوں جو تمھارے لیے باندی سے بدرجہا بہتر ہو۔ جب سونے لگو تو ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ اور ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ پس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سر لحاف سے باہر نکالا اور تین مرتبہ کہا خدا اور رسول سے میں راضی ہوں۔"

ناظرین کرام! اس روایت سے ظاہر ہے کہ نبوی دور میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی نہایت تنگی میں بسر ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ ضروری پوشاک بھی دستیاب نہیں ہوتی تھی آدمی خالی پیٹ گزارا کر لیتا ہے مگر بغیر ضروری لباس کے کوئی آدمی گزارا نہیں کر سکتا خوراک کا مسئلہ اس قدر تکلیف دہ نہیں ہے جس قدر پوشاک کا مسئلہ تکلیف دہ ہے۔ معلوم ہوا کہ نبوی دور میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی نہایت تنگی میں گزرتی تھی۔

ایک اور روایت ملاحظہ ہو ناسخ التواریخ جلد چہارم از کتاب دوم صفحہ ۳۴۱

یعنی علی علیہ السلام شکایت کرد کہ چنداں حمل مشک نمودہ ام کہ بدن مرا بیازردو پوست مرا پیراہ گندہ است و فاطمہ نیز شکایت فرمود کہ دستہائے من از زحمت گردانیدن آسیا از کار شدہ است، چوں دریں وقت در حضرت رسول خدائے گروہی از اسیراں حاضر بودند۔ امیر المومنین علیہ السلام فاطمہ را فرمودہ بنزدیک پدر شود خدمت گارے طلب کن لا جرم فاطمہ علیہا السلام بحضرت رسول آمد و سلام داد و جواب بستد و بے آنکہ اظہار حاجت کند مراجعت فرمود۔ امیر المومنین علیہ السلام

گفت۔ بگوتا چہ داری۔ عرض کرد سوگند با خدا از ہیبت رسول خدا نیروی سخن کردن نیافتم این وقت علی علیہ السلام فاطمہ را برداشت و بحضرت رسول آمد۔ پیغمبر فرمود ہمانا حاجتے شمارا بدیں جانب جنبش داد امیر المومنین علیہ السلام صورت حال را بشرح داد پیغمبر فرمود از جماعت اسیراں فاطمہ را خدمتگارے نمیدہم وایشاں رامے فروشم و بہائے ایشاں را باصحاب صفہ بذل می فرمائم دور ازائے آں فاطمہ رضی اللہ عنہا را تسبیح زہرا بیاموخت۔

''باہمی گفتگو کے درمیان حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ... پانی کی مشکیں بھر کر لانے سے میرا بدن دکھیا ہو گیا ہے۔ اور چمڑا بدن کا اڑ گیا ہے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ چکی پیستے پیستے میرے ہاتھ بیکار ہو گئے ہیں۔ چونکہ اس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیدیوں کی ایک جماعت موجود تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اپنے والد شریف کے پاس جاؤ اور ایک خدمتگار طلب کرو۔ اسی وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور سلام عرض کیا اور جواب حاصل کیا۔ اور اپنی حاجت ظاہر کیے بغیر واپس چلی آئیں۔

حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ماجرا تو کہو کیا بات ہوئی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ خدا کی قسم آنحضرت کی دہشت سے میرے وجود میں گفتگو کی طاقت نہیں رہی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہمراہ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے پیغمبر نے فرمایا ضرور کوئی حاجت ہے جو تم دونوں کو اس طرف لے آئی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حالات کو کھول کر بیان کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیدیوں کی جماعت میں سے کوئی خدمتگار فاطمہ کو نہیں دوں گا۔ ان کو تو میں فروخت کروں گا اور ان کی قیمت صفہ کے رہنے والوں پر خرچ کروں گا اور خدمتگار کی جگہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تسبیح زہرا کی تعلیم دے دی۔''

ناظرین کرام! یہ روایت بھی نبوی دور کی صورت حال کو خوب واضح کرتی ہے پہلی روایت میں تو باندی خرید کرنے کی درخواست تھی جو نامنظور ہوئی تھی اور اس روایت میں خدمتگار موجود ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے خادم دینے سے انکار کر دیا۔ اور خادم کی جگہ پر تسبیحات کی تعلیم کر دی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی اولاد کے حق میں دنیوی آسودگی پسند نہیں کرتے تھے بلکہ چاہتے تھے کہ میری اولاد کے پاس دین ہی دین ہو۔ دنیا کا نام ونشان بھی نہ ہو۔

ناظرین کرام! ذرا انصاف کرنا وہ ہستی جسے لخت جگر رسول ہونے کا عظیم الشان شرف حاصل ہے۔ تمام بہشتی عورتوں کی سردار آپ ہیں تو تمام بہشتی مردوں کے سردار آپ کے فرزند ہیں۔ اس طرح سے بہشت کی سرداری علی الاطلاق آپ ہی کی ہے۔ آپ وہ ہستی ہیں جس کے دکھ سے خاتم النبیین کو دکھ ہوتا ہے۔ اور آپ وہ مقرب الٰہی ہیں کہ آپ کی ناراضگی میں خدا کی ناراضگی ہے۔ اور آپ کی رضامندی میں خدا کی رضامندی ہے۔ ایسی بزرگ ہستی نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتی ہے درآں حالے کہ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں آبلے ابھر آئے ہیں اور درخواست صرف ایک خادم کی ہے۔ اور درخواست بھی اس ہستی کی خدمت میں ہے جو مہربانی اور شفقت میں بے نظیر واقع ہوئے ہیں۔ دعا مانگیں تو اللہ تعالیٰ احد پہاڑ کو سونا بنا دیں۔ اور اس حالت میں خدام کی ایک جماعت آپ کے پاس موجود ہے۔ بایں ہمہ جواب ملتا ہے تو یہ کہ سوتے وقت ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ اور ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ یہ وظیفہ تمھیں خدام کی بہ نسبت زیادہ مفید ہوگا۔ معلوم ہوا کہ دنیوی آسودگی تو آپ کے گوشہ خیال میں بھی نہ آ سکتی تھی۔ آپ کے نزدیک نفع نام ہی آخرت کی آسودگی کا تھا۔ دنیوی آسانی کو تو آپ نفع کے نام سے تعبیر کرتے بھی کتراتے ہیں۔ جبھی تو خادم کے مقابلے میں تسبیحات کو رکھ دیا۔ ان واقعات سے تمام دنیا پر واضح ہو گیا کہ نبوت کا دعویٰ دنیوی فوائد کے لیے نہیں تھا بلکہ مقصود محض دین ہی دین تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی نبوت کو بے شمار معجزات سے مستحکم کیا۔ من جملہ ان معجزات

کے یہ ترک دنیا بھی ہے۔ ایسی ترک دنیا کہ نہ اپنے لیے نہ اولاد کے لیے دنیوی آسودگی چاہی۔ شیعہ صاحبان کے لیے ان واقعات میں سبق موجود ہے کہ جب آنحضور ﷺ ایسی حالت دیکھ کر خادم کی جگہ تسبیحات کی تعلیم دیتے ہیں تو پھر فدک کس طرح ان کے حوالے کر دیتے جو ہزاروں درہم کی جائداد ہے۔

کارِ پاکاں را قیاس خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

ناظرین کرام! یاد رہے کہ یہ روایات کتب شیعہ سے نقل کی ہیں۔ اگر ان میں خلاف تہذیب جملے واقع ہوئے ہیں تو ان سے اہل سنت پر ناراض ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ علمائے اہل سنت نے اپنی کتابوں میں فقر و فاقہ تو بیان کیا ہے مگر اس طرح پر بے لباس ہونا بیان نہیں کیا ہے۔

صدیقی دور

نبوی دور میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کا نمونہ ان دو روایات میں بیان ہوا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات شیعہ اور سنی کتابوں میں موجود ہیں۔ مگر اس رسالہ کو طول دینا مناسب نہیں ہے۔ اس لیے صرف ان دو روایات پر گزارا کیا ہے۔
اب ہم صدیقی دور میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کی شرح کرتے ہیں:

سنیے! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اہل بیت علیہم السلام کو معیشت کی تنگی ہرگز نصیب نہیں ہوئی جو دور نبوی میں حاصل ہوئی تھی۔ ملاحظہ ہو شرح نہج البلاغہ از علامہ ابن میثم بحرانی صفحہ ۵۴۳

((وکان یاخذ غلتها فیدفع الیهم منها ما یکفیهم))

"حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فدک کی آمدنی میں سے اہل بیت علیہم السلام کو دیتے تھے جو کافی ہو جاتا تھا۔"

مراد یہ ہے کہ جس قدر اخراجات ضروریہ ہیں وہ سب کے سب پورے کر دیے

جاتے تھے۔ اور بعینہ یہی الفاظ درہ نجفیہ صفحہ ۳۳۲ پر موجود ہیں۔ علامہ ابن ابی الحدید اپنی کتاب شرح نہج البلاغۃ جلد دوم صفحہ ۲۹۶ پر تحریر فرماتے ہیں:

((وکان ابوبکر یاخذ غلتها فیدفع الیهم منها ما یکفیهم))

''اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فدک کی آمدنی سے لے کر اہل بیت علیہم السلام کو دے دیتے تھے جو انھیں کافی ہو جاتی تھی۔''

زمانہ حال کے مشہور و معروف شیعی مصنف سید علی نقی فیض الاسلام نہج البلاغۃ کی فارسی شرح جلد پنجم صفحہ ۹۶۰ پر رقمطراز ہیں:

خلاصہ ابوبکر غلہ وسود آنرا گرفتہ بقدر کفایت باہل بیت علیہم السلام میداد

''خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فدک کی آمدنی اور منافع میں سے گزران کے مطابق اہل بیت علیہم السلام کو دے دیتے تھے۔''

ناظرین کرام! علمائے شیعہ میں سے چار علماء کی شہادت حاضر خدمت ہے یہ چاروں عالم گواہی دیتے ہیں کہ حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فدک کی آمدنی میں سے کافی خرچ دیا کرتے تھے معلوم ہوا کہ وہ معیشت کی تنگی پھر لوٹ کر نہیں آئی جو نبوی دور میں حاصل تھی۔

علمائے شیعہ کے بیانات میں لفظ یکفیهم قابل غور ہے یہ وہی لفظ ہے جو مولوی کلینی کی کتاب کے بارے میں حضرت امام مہدی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے هذا کاف لشیعتنا کتاب اصول کافی جلد ا صفحہ ۱۵ طبع تہران۔ یعنی یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے میرا مطلب اس سے یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اہل بیت علیہم السلام کو فدک کی آمدنی میں سے جو کچھ دیا کرتے تھے وہ ان کے لیے کافی ہوتا تھا۔ گزران میں کوئی تنگی واقع نہیں ہوتی تھی۔

صاحب فلک نجات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فدک سے محرومی اہل بیت کے ذمہ لگائی ہے۔ دیکھو فلک نجات کا حاشیہ صفحہ ۳۸۷ مگر افسوس کہ مندرجہ بالا شہادات علمائے شیعہ کو نظر انداز کر دیا ہے یا مطالعہ کی کمی ہے اور ضد کی فروانی ہے۔ کیا محرومی اسی

کو کہتے ہیں کہ سارے اخراجات فدک سے پورے کیے جائیں۔ کسی قسم کی تنگی معیشت میں راہ نہ پائے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

نبی کریم ﷺ کے بعد اہل بیت علیہم السلام کے گزارے میں تنگی کی کوئی روایت میری نظر سے نہیں گزری۔ کتب شیعہ میں تلاش کیا ہے تو یہاں بھی کوئی ایسی روایت نہیں ملی جس سے ثابت ہو کہ صدیقی دور میں یا فاروقی دور میں اہل بیت علیہم السلام کو معیشت کی تنگی تھی۔ صدیقی اور فاروقی دور میں فدک کی آمدنی بہت بڑھ چکی تھی۔ اور اس سے اہل بیت کو خرچ بھی کافی ملتا تھا۔ اسی واسطے اموال غنیمت میں سے اہل بیت نے خمس لینا بند کر دیا تھا۔ ملاحظہ ابوداود شریف جلد دوم باب فی بیان مواضع قسم الخمس وسہم ذوی القربی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((فدعانی فقال خذه فقلت لا اریده فقال خذه فانتم احق به قلت قد استغنینا عنه فجعله فی بیت المال))

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا اور کہا کہ خمس کا حصہ لے لو۔ میں نے کہا میں خواہش نہیں رکھتا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا لے لو۔ اس لیے کہ تم زیادہ حقدار ہو میں نے کہا ہم لوگ مستغنی ہو گئے ہیں اس خمس سے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال میں داخل کر دیا۔“

ناظرین کرام! اس روایت سے معلوم ہوا کہ فدک کی آمدنی نے اہل بیت علیہم السلام کو غنی کر دیا تھا اور وہ خوشی سے مال غنیمت کے خمس کے تارک ہو گئے تھے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صدیقی دور میں اہل بیت علیہم السلام کو کسی قسم کی تنگی پیش نہیں آئی۔ اور نبوی دور میں جو فقر و فاقہ پیش آیا وہ جلاء العیون اور ناسخ التواریخ کی روایات سے ظاہر ہے جیسا کہ گزر چکا۔

اعتراض از صاحب فلک نجات

ملاحظہ ہو فلک نجات طبع اول جلد اول صفحہ ۳۹۷ اور جو بعض روایات اہل سنت والجماعت میں آیا ہے کہ ابوبکر صاحب نے جناب فاطمہ سے کہا میں فدک وغیرہ اموال میں مثل رسول اللہ ﷺ کے عمل کروں گا۔ تو یہ اس کے اپنے عمل سے مردود ہے۔ چنانچہ سنن ابی داود میں جبیر بن مطعم سے مروی ہے کہ ابوبکر صاحب خمس کو مثل رسول اللہ ﷺ کے تقسیم کرتے تھے۔ سوائے اس کے کہ اقارب رسول اللہ ﷺ جو آنحضرت ﷺ سے ملتا تھا وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نہیں دیتے تھے۔

جواب اوّل: سید علی نقی فیض الاسلام اور ابن میثم بحرانی اور صاحب درّہ نجفیہ اور علامہ ابن ابی الحدید ان چاروں مجتہدین شیعہ کی شہادت سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے جو وعدہ کیا تھا وہ وفا کیا۔ اراضی فدک کی پیداوار میں سے اہل بیت علیہم السلام کے اخراجات ادا کرتے رہے جیسا کہ گزر چکا۔ پس صاحب فلک نجات کا اعتراض ان چار بزرگان شیعہ کی شہادت سے مردود ٹھہرا۔

جواب دوم: صاحب نجات کے مدعا اور دلیل میں کچھ مطابقت نہیں ہے۔ مناظرین کی اصطلاح میں تقریب تام نہیں ہوئی۔ شرح اس کی یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا۔

((كان رسول الله ياخذ من فدك قوتكم ويقسم الباقى))

"یعنی آنحضرت ﷺ فدک کی آمدنی میں سے آپ لوگوں کا خرچ الگ کر لیا کرتے تھے اور باقی ماندہ تقسیم کر دیا کرتے تھے۔"

ملاحظہ ہو شرح نہج البلاغہ از علامہ ابن میثم بحرانی صفحہ ۵۴۳

اسی چیز پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رضامندی ظاہر فرمائی اور اسی کو پورا کرنے کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عہد لیا۔ اب صاحب فلک نجات اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو وعدہ شکن اور بے وفا ثابت کرنا چاہتے ہیں تو فدک کی آمدنی میں سے اہل بیت کی محرومی ثابت کریں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کو ان کے عمل سے باطل کرنے

کی صورت یہ ہے کہ حضرات اہل بیت علیہم السلام کے اخراجات ادا کرنے میں خلیفہ اول کوتاہی کریں۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اہل بیت علیہم السلام کے خرچ کو مقدم رکھیں اور جب تک اس گھر کے اخراجات کا بندوبست نہ کر لیں چین سے نہ بیٹھیں تو وعدہ شکنی کیسی اور عمل سے قول کی تکذیب کے کیا معنی؟

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

صاحب فلک نجات کا دعویٰ تو یہ تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آمدنی میں سے اہل بیت کو کچھ نہ دیتے تھے اور اس دعویٰ کی دلیل پیش کرتے وقت اموال غنیمت کے اخماس کا قصہ چھیڑ دیا کہ ابوبکر صاحب اقارب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خمس نہیں دیا کرتے تھے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا تھا۔ میرے خیال میں سوال گندم جواب چینا کی کہاوت اسی قسم کے مواضع کے لیے ہے۔

جواب سوم: واقعات یہ ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اموال غنیمت میں سے جو خمس الگ کرتے تھے۔ پھر باقی لوگوں پر تقسیم کرتے تھے (ملاحظہ ہو سنن ابوداود جلد ۲ کتاب الفئی والامارۃ صفحہ ۴۱)

((عن عبدالرحمن بن ابی لیلی قال سمعت علیا یقول ولانی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم خمس الخمس فوضعته مواضعه حیاۃ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وحیاۃ ابی بکر وحیاۃ عمر فاتی بمال فدعانی فقال خذه فقلت لا اریده فقال خذه فانتم احق به قلت قد استغنینا عنه فجعله فی بیت المال.....))

''عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا فرماتے تھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیسویں حصے کی تقسیم کا مال غنیمت میں سے مجھے متولی بنایا۔ پس میں تقسیم کرتا رہا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی زندگی میں پھر ایک دفعہ مال غنیمت آیا تو

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے تقسیم کے لیے بلایا اور کہا کہ لے لو۔ پس میں نے کہا کہ میں اس مال کی خواہش نہیں رکھتا ہوں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا لے لو۔ کیونکہ تم اس مال کے حقدار ہو۔ میں نے کہا کہ ہم اس مال سے مستغنی ہو گئے ہیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال میں داخل کرا دیا۔" ترجمہ ختم

ناظرین کرام! اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال غنیمت کے خمس الخمس یعنی پچیسویں حصے کی تقسیم خود علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ذمہ تھی۔ ہاشمیوں اور مطلبیوں میں قاسم خمس آپ ہی کی ذات والا صفات تھی۔ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب غنی ہو گئے ہیں تو خمس الخمس لینے سے انکار کر دیا۔

ابوداود شریف کے صفحہ ۱۴۷ پر ایک اور حدیث ملاحظہ ہو:

((عن عبدالرحمن بن ابی لیلی قال سمعت علیا یقول اجتمعت انا والعباس وفاطمة وزید بن حارثه عند النبی ﷺ فقلت یا رسول الله ان رأیت ان تولینی حقنا من هذا الخمس فی کتاب الله عزوجل فاقسمه فی حیاتك کیلا ینازعنی احد بعدك فافعل قال ففعل ذلك قال فقسمته حیاة رسول الله ﷺ ثم ولانیه ابوبکر حتی اذا کانت اخر سنة من سنی عمر فانه اتاه مال کثیر فعزل حقنا ثم ارسل الی فقلت بنا العام عنه غنی و بالمسلمین الیه حاجة فردو علیهم فرده علیهم))

"عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا آپ فرماتے تھے میں اور عباس اور فاطمہ اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم چاروں نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کتاب اللہ میں جو ہمارا حق خمس مذکور ہے اس کی تقسیم کا آپ مجھے متولی بنا دینا مناسب سمجھتے ہیں تو بنا دیں۔ پس تقسیم کروں گا میں آپ کی زندگی میں تاکہ کوئی شخص آپ

... بعد مجھ سے نہ جھگڑے۔ یعنی ہاشمیوں اور مطلبیوں میں سے کوئی شخص قاسم خمس بننے کی خواہش نہ کرے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو قبول فرمالیا۔ پس میں نے خمس کو تقسیم کیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی مجھے ہی خمس کی تقسیم کا متولی بنایا اور عمر رضی اللہ عنہ نے بھی۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عمر کا آخری سال آ گیا۔ اور عمر رضی اللہ عنہ کے یہاں بہت سا مال آیا۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمارا حق علیحدہ کر دیا۔ اور میرے پاس ایک قاصد بھیجا تاکہ میں اس خمس کی تقسیم کر دوں۔ پس میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم کو اس سال اس مال کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ اور باقی مسلمانوں میں محتاجی ہے۔ اس لیے ان کو دے دو۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ مال دوسرے مسلمانوں کو دے دیا۔''

ناظرین کرام! اس حدیث سے دو مسئلے ظاہر ہو رہے ہیں ایک تو یہ کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں کی خلافت میں ہاشمیوں اور مطلبیوں کو خمس الخمس ملتا رہا اور دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے یہاں قرابت داران رسول کو بعد رسول کے جو کچھ خمس میں ملتا تھا، وہ احتیاج کی وجہ سے ملتا تھا محض قرابت کی وجہ سے نہیں ملتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ہم میں کوئی بھی محتاج نہیں ہے اس لیے حصہ خمس وصول کرنا بند کر دیا۔ اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے یہاں مدار خمس قرابت محضہ پر ہوتی تو آپ کو خمس وصول کرنے سے انکار کی شرعاً کوئی گنجائش نہ تھی۔ ہر صاحب اپنے حق سے تو دستبردار ہو سکتا ہے۔ دوسروں کے حقوق سے دستبردار ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

جواب چہارم: ابوداود شریف کی جس روایت سے صاحب فلک نجات نے استدلال کیا ہے اس کے مفہوم کی تعیین میں آپ سے غلطی ہوگئی ہے............ ابوداود شریف جلد دوم کتاب الخراج والفئی والامارہ صفحہ ۴۱۶............ حدیث مذکورہ دو سندوں سے ذکر کی گئی ہے۔ ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں:

((وکان ابوبکر یقسم الخمس نحو قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

غیر انه لم یکن یعطی قربی رسول الله ﷺ ما کان النبی ﷺ یعطیهم))

ترجمہ ''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خمس کی تقسیم اسی طرح کرتے تھے جس طرح آنحضرت ﷺ کرتے تھے۔ لیکن آنحضور ﷺ کے رشتہ داروں کو وہ مقدار نہیں دیتے تھے جو مقدار آنحضرت ﷺ دیا کرتے تھے۔'' ترجمہ ختم

پس دینے یا نہ دینے میں تفاوت نہیں ہے۔ بلکہ تفاوت مقدار میں ہے چونکہ آنحضور ﷺ کے زمانے میں آپ کے رشتہ دار زیادہ حاجت مند تھے۔ اس لیے زیادہ مقدار دی گئی ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں احتیاج گھٹ گئی تھی۔ اس لیے قرابت دارانِ رسول کو حسب احتیاج خمس میں سے دیا گیا اور واقعہ یہ ہے کہ قرابت داران رسول حاجت سے زیادہ لینے کے خواہشمند بھی نہیں ہوتے تھے۔

روح المعانی پارہ دہم صفحہ ۳ پر حضرت زید شہید ابن زین العابدین رحمہ اللہ کا مقولہ درج ہے فرمایا:

((لیس لنا ان نبنی منه القصور ولا ان نرکب منه البراذین))

''ہم قرابت داران رسول کے لیے جائز نہیں کہ خمس میں سے عالی شان محل تعمیر کریں اور مکلّف گھوڑوں کی سواری کریں۔''

ناظرین کرام! جو فقرہ ابوداود شریف کی روایت مذکورہ میں ہے بعینہٖ ایسا ہی فقرہ مسلم شریف جلد اول صفحہ ۴۶۱ پر لکھا ہوا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((ما رأیت رسول الله ﷺ اولم علی مرأة ما اولم علی زینب رضی اللہ عنہا))

''میں نے نہیں دیکھا کہ آپ نے کسی بیوی کے نکاح پر اس مقدار میں ولیمہ کیا ہو جس مقدار میں زینب کے نکاح کے موقع پر ولیمہ کیا تھا۔''

راقم الحروف نے جو ترجمہ خمس کی روایت میں لکھا ہے اگرچہ وہ عربی زبان کے قاعدوں کی رو سے بالکل صحیح تھا۔ مگر مزید توضیح کے لیے اور مزید اطمینان کے سامان کے

لیے مسلم شریف کی حدیث پیش کر دی ہے۔

گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر
میں نے تو درگزر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

اب دوسری سند کی روایت کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ وہی ابوداود صفحہ ۴۱۶ جلد دوم کتاب الفئی

((وکان ابوبکر یقسم الخمس نحو قسم رسول اللہ ﷺ غیر انہ لم یکن یعطی قربی رسول اللہ ﷺ کما کان یعطیھم رسول اللہ ﷺ))

"یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ قرابت داران رسول کو اس طریق پر نہیں دیتے تھے جس طریق پر آنحضور ﷺ دیتے تھے۔"

ان الفاظ میں کاف تشبیہ موجود ہے۔ چونکہ یہی قید زائد ہے۔ اس لیے حرف نفی کی ساری توجہ ادھر ہی ہو گی۔ پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خمس دینے میں کلام نہیں ہے۔ بلکہ کلام صرف تشبیہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کا اپنے اقربا کو خمس دینے کا طریقہ اور تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا طریقہ اور تھا۔ مقصود یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے قرابت داروں کو اپنی خاص نصرت کی وجہ سے خمس دیتے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ضرورت فقر کی وجہ سے خمس دیتے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مذہب بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جس سال حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خمس لینے سے انکار کیا ہے۔ انکار کی وجہ یہی بیان فرمائی ہے کہ اس سال ہم کو کوئی حاجت نہیں ہے جیسا کہ گزر چکا۔ دوبارہ حدیث کے الفاظ دیکھ لو۔ تیسرے جواب کے ضمن میں وہ حدیث موجود ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں قرابت داران رسول کو خمس میں سے دو وجہ سے حصہ ملا کرتا تھا۔ ایک نصرت خاصہ دوسرے احتیاج اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں صرف احتیاج اور ضرورت پر خمس کا دارومدار تھا۔ کیونکہ جب پیغمبر

خدا اس جہان سے روانہ ہو گئے تو آپ کی نصرت کا سوال ہی باقی نہ رہا۔

پس جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرابت داران رسول کو سرے سے خمس دینا بند کر دیا تھا۔ اور بالکل کچھ بھی ان کو نہیں دیتا تھا وہ حدیث کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھنے کی سعی نہیں کرتے۔

وکم من عائب قولا صحیحا
و اٰفته من الفهم السقیم

جواب پنجم: اگر حضرت علی اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہما کی حدیثوں میں تعارض فرض کر لیا جائے کہ ایک سے خمس کا دینا اور دوسری سے نہ دینا ثابت ہوتا ہے تو ہم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ مثبت ہے اور حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کی روایت نافی ہے اور مثبت کو نافی پر ترجیح ہے۔

جواب ششم: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں خمس الخمس کا قرابت داران رسول کو دینا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وصول کرنا مذکور ہوا ہے ایسی حدیث ہے کہ اس کی تائید کتب شیعہ سے دستیاب ہوئی ہے۔ دیکھو حدیدی شرح نہج البلاغہ جلد دوم صفحہ ۲۹۸ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ قول موجود ہے۔

((بل انفق علیکم منه و اصرف الباقی فی مصالح المسلمین))

"بلکہ اس خمس میں سے تم لوگوں پر خرچ کروں گا۔ اور تمھارے خرچ سے جو بچ جائے گا وہ عامۃ المسلمین کے بہتری کے کاموں میں خرچ کروں گا۔"

ناظرین کرام! ابن ابی الحدید نے اس موقع پر اپنی خاص سند سے جو روایات نقل کی ہیں وہ سراسر شیعہ کی روایات ہیں اور ان میں جس قدر مواد موجود ہے سارے کا سارا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے خلاف ہے۔ صرف یہ فقرہ صحیح ہے اور چونکہ شیعہ راویوں کی زبانی مروی ہے۔ اس لیے ہم اس فقرے کو ابوداود شریف کی علوی حدیث کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ اب روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ابن شہاب زہری کی حدیث کا وہ

مفہوم نہیں ہے جو صاحب فلک نجات نے لیا ہے اور اگر وہی مفہوم تسلیم کر لیا جائے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ترجیح ہے کیونکہ کتب شیعہ سے اس کی تصدیق ہو چکی ہے۔

صاحب فلک نجات پر مجھے رہ رہ کے تعجب آتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مقابلے میں ابن شہاب زہری کی حدیث کو کیسے ترجیح دی ہے جو شخص محبّ علی شیعہ علی مرید علی ہونے کا دعویٰ کرے اور پھر ان کی حدیث کے مقابلے میں ابن شہاب کو ترجیح دے تو وہ اس دعویٰ میں سچا نہیں ہے۔ ع

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

اراضی فدک کے بارے میں

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طریقے کا بیان

الحمد للہ تعالیٰ کہ میراث انبیاء علیہم السلام اور رضا مندی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تشریح سے ہم فارغ ہو چکے۔ نیز ہبہ فدک کی روایات کے موضوع ہونے پر تفصیلی گفتگو ہو چکی۔ اب وقت آ گیا ہے کہ اراضی فدک کے بارے میں خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے طرز حکومت کو واضح کیا جائے تاکہ آپ کے عقیدت مندوں کے لیے کسی قسم کے شبہ کی گنجائش باقی نہ رہنے پائے اور گلے پھاڑ پھاڑ کر الحق مع علی کا نعرہ لگانے والوں کا امتحان ہو جائے گا۔ نیز محبان علی اور مبغضان علی الگ الگ صفوں میں کھڑے نظر آئیں

بر افگن پردہ تا معلوم گردد

کہ یاران دیگرے را می پرستند

ناظرین کرام! حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی حکومت کے زمانے میں اراضی فدک میں وہی دستور جاری رکھا جو حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں چلتا رہا۔ اس دستور میں ذرہ بھر تغیر وتبدل نہ فرمایا۔ ملاحظہ ہو فروع کافی جلد سوم کتاب روضہ صفحہ ۲۹ (قدیم) کتاب ہذا طبع جدید تہران صفحہ ۸۶ پر یہی روایت موجود ہے۔ [1]

((لو رددت فدك الى ورثة فاطمة علیہا السلام لتفرقوا عني))

''اگر میں فاطمہ کے وارثوں پر فدک لوٹا دیتا تو لوگ مجھ سے الگ ہو جاتے۔''

---

[1] یہی روایت مولوی اسماعیل صاحب شیعہ نے اپنی کتاب جواب الاستفسارات جلد ا صفحہ ۳ تا ۵ مطبوعہ فیصل آباد پر مع ترجمہ درج کی ہے گو اصل عربی متن میں واضح طور پر تحریف کی گئی ہے تاہم ترجمہ سے ہمارا مدعا ثابت ہوتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وارثوں کو نہیں دیا۔ درآنحالیکہ فدک آپ کی حکومت کے دائرے کے اندر تھا۔ اور آپ دے سکتے تھے۔ بلکہ آپ نے فدک کو اسی طریق پر رہنے دیا جس طریق پر خلفائے ثلاثہ کی حکومت کے زمانے میں تھا۔ اب اگر شیعہ مزعومات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ خلیفہ اول اور خلیفہ چہارم دونوں بزرگ ایک ہی کشتی کے سوار ہوں۔ اس واسطے کہ دونوں بزرگوں کے طرز حکومت میں فدک کے بارے میں کچھ تفاوت نہیں ہے۔

شیعہ عقائد میں فدک خاص حق فاطمہ تھا۔ جو آپ سے غصب کر لیا گیا۔ جب خلافت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی تو آپ نے اس کو بحال رکھ کر اس کی تصدیق فرما دی۔ درآں حالے کہ آپ تغیر وتبدل پر خوب قادر تھے اب شیعہ علمائے کرام ہی بتلائیں کہ غصب کرنے والا زیادہ مجرم ہے یا کہ اس غصب کو برقرار رکھنے والا۔ شیعہ تخیلات کو دیکھا جائے تو خلیفہ اول ایک معصوم کو محروم کرتے ہیں اور خلیفہ چہارم دو معصوموں کو فدک سے محروم کرتے ہیں۔ نیز اگر حسب زعم شیعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فدک مغصوب ہو کر نااہل ہاتھوں میں چلا گیا تھا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا امام اور بادشاہ ہونے کی وجہ سے پہلا فرض یہ تھا کہ فدک کو صحیح طریقوں پر استعمال فرماتے کیونکہ خلیفہ برحق کا اور کام ہی کیا ہے؟ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کارروائی زمین فدک کے بارے میں غلط اور ناجائز تھی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا منصبی فرض یہ تھا کہ اس غلطی کو درست فرما دیتے۔ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فدک پر قبضہ کر کے ظلم کیا تھا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا فریضہ یہ تھا کہ اس ظلم کو رفع کر دیتی۔ اگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کسی حقدار کو اس کے حق سے محروم کیا تھا تو حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عدالت کا تقاضا یہی تھا کہ اس حقدار کو اس کا حق پہنچا کر ہی دم لیتے۔

ملاحظہ فرمایئے! نہج البلاغہ مصری جلد اول صفحہ ۲۰۲ پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اپنا

ارشاد:

((انه لیس علی الامام الا ما حمل من امر ربه الا البلاغ فی الموعظة والاجتهاد فی النصیحة والاحیاء للسنة واقامة الحدود علی مستحقیها وامدار السهمان علی اهلها))

"نہیں ہے امام کے ذمے مگر وہی پروردگار کا حکم جس کو امام نے خود برداشت کیا ہے اور وہ پانچ امر ہیں پہلا لوگوں کو خوب وعظ کہنا۔ دوسرا لوگوں کی خیر خواہی میں خوب قوت صرف کرنا۔ تیسرا نبی کریم ﷺ کی سنت کو زندہ کرنا۔ چوتھا سزاؤں کے حقداروں پر سزائیں قائم کرنا۔ پانچواں حق داروں کو ان کے حقوق واپس لوٹا دینا۔"

ناظرین کرام! حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں امام کے پانچ فرائض گنوائے ہیں۔ جن میں تیسرے نمبر پر ہے پیغمبر کی سنت کو زندہ کرنا۔ پس اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فدک کے بارے میں آنحضور ﷺ کی سنت کو موقوف کر دیا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرض تھا کہ اس سنت کو زندہ کر دیتے۔ اس طرح پر کہ فدک حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کے حوالے کر دیتے کیونکہ یہی دو بزرگ اس وقت موجود تھے جو آپ کے وارث تھے۔ میں نے غلط کہا بلکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بنات مکرمات بھی اس وقت زندہ تھیں۔

پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فریضہ یہ تھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کو بلا کر فدک بطور وراثت ان کے حوالے کرتے۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی روح شریف کی رضامندی کی خوشخبری حاصل کرتے۔ اور اس ارشاد مرتضوی میں پانچویں نمبر پر ہے حق داروں کو ان کے حقوق پہنچا دینا۔ شیعہ عقائد کو دیکھا جائے تو حضرات اولاد فاطمہ ارض فدک کے صحیح حقدار تھے۔ پس حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب امام ہوئے اور بادشاہ ہوئے تو آپ مندرجہ بالا فریضے کے اعتبار سے فدک ان کے حوالے کر دینے کے ذمہ دار ٹھہرے اور مسلّم ہے کہ آپ نے فدک حسنین شریفین اور بنات مکرمات حضرت فاطمہ

رضی اللہ عنہا کے حوالے نہیں کیا تو آپ نے امامت کے پانچ فرائض میں سے تیسرا اور پانچواں فرض ادا نہیں کیا۔ اور صاف تصریح ہے کہ یہ پانچوں فرائض من جانب اللہ ہیں اور یہ کہ امام نے ان پانچ فرائض کو اپنے کندھے پر اٹھایا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شیعہ کے عقائد کے لحاظ سے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے خداوندی فرائض کو ادا نہ کر کے حق امامت ادا نہیں کیا۔

نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

حقیقت یہ ہے کہ شیعہ حضرات نے صدیقی خلافت میں غصب فدک کا قول کر کے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی امامت پر خطرناک حملہ کیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو غاصب فدک تسلیم کر لیا جائے تو حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا فرائض امامت سے عہدہ برآ ہونا ممکن ہی نہیں۔ پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اعتراض حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی امامت پر اعتراض کے مترادف ہے۔ اور اگر اہل سنت کے عقائد کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے طرز حکومت کو صحیح مانا جائے تو حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی خلافت اور امامت پر کسی قسم کا اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ پس یہی کہا جائے گا کہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے صدیقی طریق حکومت کو اختیار کر کے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ کیوں نہ ہو وہ بھی صدیق یہ بھی صدیق اور صدیق صدیقوں کی تصدیق ہی کیا کرتے ہیں۔

ناظرین کرام کی ضیافت طبع کے لیے ہم ایک اور حدیث مرتضوی پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو نہج البلاغۃ مطبوعہ تہران جلد ۲ صفحہ ۳۹۸

((ولا المعطل للسنة فيهلك الامة))

"اور امام ایسا نہیں ہونا چاہیے جو پیغمبر کے طریقے کو چھوڑ دے۔ پس امت کو ہلاک کر دے گا۔"

مقصود یہ ہے کہ جس امام نے سنت پیغمبر کو چھوڑ دیا۔ اس نے خود امت کو تباہ کر دیا۔ اس تباہی کا ذمہ دار خود امام ہوتا ہے۔

ناظرین کرام! اب دیکھنا چاہیے کہ فدک کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا طریقہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقے کے موافق تھا یا مخالف، اگر نبوی طریق اور صدیقی طریق باہمی موافقت تامہ رکھتے تھے تو شیعہ کا شور وغل باطل ہے اور اگر صدیقی طریق سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے خلاف تھا۔ تو امام برحق کا کام سنت نبوت کو معطل کرنا ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔ بلکہ امام برحق تو مخالف سنت کو موت کے گھاٹ اتار کے ہی دم لیتا ہے......

ملاحظہ ہو رجال کشی مطبوعہ ممبئی صفحہ ۱۹۹ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک شعر ہے

انی اذا بصرت شیئا منکرا

اوقدت نارا و دعوت قنبرا

"یعنی میں جب کوئی کام خلاف شریعت دیکھوں تو آگ جلاتا ہوں اور اپنے غلام قنبر کو بلاتا ہوں۔"

مراد یہ ہے کہ میں خلاف شریعت کام کرنے والوں کو آگ میں جلا دیتا ہوں۔ اس شعر کا شان ورود مولوی کشی نے یوں بیان کیا ہے کہ دس آدمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے پوچھا تم کیا کہتے ہو۔ انھوں نے عرض کیا کہ ہم کہتے ہیں کہ تو ہی ہمارا رب ہے اور تو ہی ہمارا خالق ہے اور تو ہی ہمارا رازق ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایسا مت کہو۔ میں مخلوق ہوں جیسا کہ تم مخلوق ہو۔ انھوں نے اس بات کا انکار کر دیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرا اور تمھارا رب اللہ ہے توبہ کرو۔ اور اس قول سے رجوع کرو۔ پھر بھی انھوں نے کہا ہم اپنی بات سے رجوع نہ کریں گے۔ تو ہمارا رب ہے اور تو نے ہم کو پیدا کیا ہے۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام قنبر کو حکم دیا کہ چند کسان بلا کے لے آ۔ پھر قنبر دس کسانوں کو لے آیا۔ زمین کھودنے کے آلات ان کے ساتھ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ زمین میں گڑھا کھودو۔ جب گڑھا کھودا گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اس گڑھے کو سوکھی لکڑیوں سے پُر کر

دو اور آگ لگا دو۔ جب آگ خوب بھڑکنے لگی تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان عاشقوں سے کہا کہ اب توبہ کرو۔ انھوں نے کہا ہم اپنی بات سے رجوع نہیں کریں گے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یکے بعد دیگرے سب کو آگ میں ڈال دیا اور یہ شعر پڑھا

انی اذا ابصرت شیئا منکرا

اوقدت نارا و دعوت قنبرا

ترجمہ پہلی دفعہ لکھا جا چکا ہے دوبارہ ملاحظہ فرمالیں صرف ایک ورق الٹنا پڑے گا۔

ناظرین کرام! جو بزرگ ہستی اپنے عاشقوں کو شریعت خداوندی کی خاطر آگ میں جلا سکتی ہے وہ فدک کے بارے میں خلاف شریعت کو کس طرح برقرار رکھ سکتی ہے؟ نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فدک میں صدیقی دستور کو اسی لیے برقرار رکھا تھا کہ وہ نبوی دستور کے عین مطابق تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی دو حدیثیں ہم نے ذکر کی ہیں۔ جن میں آپ نے امام کی شان بیان فرمائی ہے اب ہم تو اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ شان امام بیان کرتے وقت تو یوں ارشاد ہو اور جب حکومت اور خلافت کی نوبت آئے تو اپنا عمل اس کے خلاف ہو۔ خداوندی ارشاد ہے:

﴿كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ﴾

پس حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان اقدس سے دور ہے۔ بہت دور ہے کہ اپنی زبان مبارک سے فرمائیں کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے فدک کے معاملہ میں ظلم کیا ہے۔ اور اپنی حکومت کے زمانے میں کر کے دکھائیں وہی کچھ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ اس موقع پر شیعہ علماء کو سخت تکلیف کا سامنا ہوا ہے۔ کیونکہ جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقوال حجت ہیں۔ ٹھیک اسی طرح آپ کے افعال و عمال بھی شرعی حجت ہیں۔ اراضی فدک کو اسی دستور پر رکھنا جس دستور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رکھ گئے تھے۔ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کو نظر انداز کر دیا جائے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی محبت کا اور تشیع کا دعویٰ کرنے والے سوچیں اور سارے جہان کی کتابیں اٹھا کر دیکھیں کہ کسی

ایک اہل علم اور صاحب قلم نے لکھا ہے کہ فدک کے بارے میں حضرت علی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کی کارروائی میں کچھ فرق تھا؟ ہرگز نہیں۔ پس حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی یہ کارروائی تمام شیعہ دنیا پر ایک بھاری حجت ہے۔ اگر ذرہ بھر انصاف آپ کے پاس ہے تو قضیہ فدک کا یہاں آ کر فیصلہ ہو گیا ہے۔

مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں

شیعہ علماء نے یہاں بھی حسب معمول اپنے خود ساختہ اصول تقیہ کی آڑ لی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم تقیہ کی ماہیت اور اس کے شرائط ناظرین کرام کے سامنے رکھ دیں۔ تاکہ واضح ہو جائے کہ یہ بیمار اس علاج سے ہرگز شفایاب نہیں ہو سکتا۔

تقیہ کے شرائط

تقیہ عربی لفظ ہے جو معنی میں بچاؤ کے استعمال ہوتا ہے۔ شیعی علماء کی اصطلاح میں اپنی جان بچانے کے لیے اپنے دین کو چھپا لینا تقیہ ہے۔ شیعہ علماء نے تقیہ کو دین اسلام کے اصولوں میں سے ایک عظیم الشان اصول قرار دیا ہے۔ اور اس کے فضائل بے شمار بیان کیے ہیں

ملاحظہ ہو من لا یحضرہ الفقیہ جلد ۲ صفحہ ۴۴

حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کا ارشاد ہے:

((تارك التقية كتارك الصلوٰة))

"جس قدر گنہگار وہ آدمی ہے جو نماز نہیں پڑھتا اسی قدر گنہگار وہ آدمی ہے جو تقیہ نہیں کرتا۔"

مدت ہائے دراز سے شیعہ علماء کا یہ شیوہ ہے کہ اہل سنت کے اعتراضات سے جب عاجز ہو جاتے ہیں تو تقیہ کی تلاوت شروع کر دیتے ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی پاک زندگی کو تمام تر تقیہ میں داخل کر دیتے ہیں۔ باقی ائمہ کرام کی پاک زندگی ان کے سامنے بطور حجت پیش کی جائے تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ آپ نے تقیہ کیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ علمائے اہل سنت کے سارے اعتراضات کا واحد جواب تقیہ ہے

کیا جو جھوٹ کا شکوہ تو یہ جواب ملا
تقیہ ہم نے کیا تھا ہمیں ثواب ملا

اب ہم کتب معتبرہ شیعہ سے تقیہ کے شرائط نقل کرتے ہیں۔ تاکہ ناظرین بالانصاف پر واضح ہو جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی حکومت کے زمانے میں ازروئے شرع شریف فدک کے معاملے میں تقیہ کر سکتے ہیں یا نہ؟ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اس کارروائی کو تقیہ کے ماتحت داخل کیا جا سکتا ہے یا نہ؟ پس ملاحظہ ہو صافی شرح اصول کافی کتاب الایمان والکفر جز چہارم صفحہ ۳۹۴ باب نمبر ۳۷ پر تقیہ کے جائز ہونے کے لیے چار شرطیں ذکر کی ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ بھاری ضرر کو دفع کرنے کے لیے ہے منافع حاصل کرنے کے لیے تقیہ نہیں ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ تقیہ کی وجہ سے کسی کا قتل ہونا لازم نہ آئے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عادل بادشاہ موجود نہ ہو۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ تقیہ کسی جماعت کی گمراہی کا باعث نہ بن جائے۔

ناظرین کرام! صافی کی فارسی عبارت کا ترجمہ حاضر خدمت ہے۔ اصل عبارت طوالت کے خوف سے نقل نہیں کی۔ اب ان شرطوں پر غور کرو اور پھر خود ہی بتاؤ کہ یہاں تقیہ کی شرطیں پائی جاتی ہیں۔

پہلی شرط ہے نہ دفع ضرر نہ جلب نفع۔ پس اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی فدک کے معاملے میں کارروائی کو تقیہ کے اصول کے ماتحت فرض کیا جائے تو صورت اس کی یہی ہوگی کہ آپ نے صدیقی طریقے کو لوگوں کے خوف کی وجہ سے فدک میں جاری رکھا۔ کیونکہ اگر آپ صدیقی طریقے کو ترک کرتے ہیں تو رعایا بیعت توڑ دیتی ہے اور کسی دوسرے شخص کو اپنا بادشاہ حاکم بنا لیتی ہے۔ اپنی حکومت اور بادشاہت کو محفوظ رکھنے کے لیے آپ نے تقیہ کیا تو یہ تقیہ جلب منافع کے لیے ہوا۔ دفع ضرر کے لیے تو جب

ہوتا کہ آپ کو موت کا خطرہ ہوتا کہ اگر صدیقی طریقے کو بدل دیتا ہوں تو لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔ یہاں موت کا خطرہ تو سرے سے نہیں تھا۔ اگر خطرہ ہوسکتا ہے تو صرف حکومت کے چلے جانے کا اور ظاہر ہے کہ حکومت کوئی مقاصد میں سے نہیں ہے حکومت نہ ہو جب بھی آدمی زندگی گزار سکتا ہے۔

اب ملاحظہ ہو تیسری شرط جس میں عادل بادشاہ کا موجود نہ ہونا تقیہ کو جائز کرتا ہے۔ سو خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ عادل بادشاہ موجود ہیں پھر تقیہ کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔ سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ جب کسی ملک میں عادل بادشاہ کا پایا جانا تقیہ کو منع کر دیتا ہے تو خود عادل بادشاہ کے لیے تقیہ کس طرح درست ہوسکتا ہے۔

اب ملاحظہ ہو چوتھی شرط کہ تقیہ باعث گمراہی نہ بن جائے سو فدک کے معاملہ میں اگر تقیہ فرض کیا جائے تو یہ ایک جہان کی گمراہی کا باعث ہوسکتا ہے کیونکہ فدک میں تقیہ کی کارروائی سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تصدیق گناہ عظیم ہے۔ اگر شیعہ کے یہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تصدیق گناہ نہیں ہے تو آج کل کے شیعہ یہ تصدیق کرکے دیکھ لیں جب آج کل کے شیعہ ازراہِ تقیہ بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تصدیق نہیں کر سکتے۔ حالانکہ ان کے یہاں نہ وہ بدنی طاقتیں ہیں، جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس تھیں اور نہ ان کے یہاں وہ اسم اعظم ہے جو آپ کے پاس تھا۔ اور نہ ان کے پاس حکومت ہے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس تھی تو حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا اسد اللہ الغالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس معاملے میں تقیہ کیوں جائز رکھتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

لقمان حکیم کے نصائح میں ہے آنچہ برخود مپسندی بر دیگراں مپسند معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آج کل کے شیعہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے آپ سے کمزور خیال کرتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ لوگ باوجود ہزار کمزوری کے تقیہ نہیں کرتے اور آپ کو تقیہ باز تصور کرتے ہیں۔ بھائی تقیہ تو کمزوروں ہی کا حصہ ہے۔ طاقتور زور آور کا ہے کو تقیہ کرے گا؟

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

خلاصۃ المرام آنکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت اور حکومت کے زمانہ میں فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وارثوں پر نہیں لوٹایا اور اس طریقے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ فدک پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ اب واضح ہوگیا کہ فتوائے صدیق متعلق اراضی فدک سولہ آنے صحیح تھا۔ اگر اس میں کچھ نقص ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی ہرگز تصدیق نہ فرماتے اور اہل سلام کے اندر کسی فتوے کے صحیح ہونے کے معنی یہی ہیں کہ قرآن حکیم اور سنت رسول کریم کے پورا پورا مطابق ہے۔ پس جو شخص فتاوائے صدیق رضی اللہ عنہ کو برا جانتا ہے تو وہ صرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مخالف نہیں ہے بلکہ وہ تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہستیوں کا مخالف ہے۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

شیعیان علی

سنتے ہیں کہ زمانہ حال میں شیعہ لوگ اپنے آپ کو شیعیان علی کہلاتے ہیں پس جب کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے صدیقی فتوے کی تصدیق فرما دی ہے۔ تو انھیں بھی ضروری ہے کہ صدیقی فتاویٰ متعلقہ فدک کی تصدیق کر دیں ورنہ دعویٰ محبت اور تشیع میں جھوٹے ثابت ہوں گے۔ اور پھر شیعہ علی کہلانے کا انھیں کوئی حق نہ رہے گا۔ سبحان اللہ! علمائے اہل سنت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت اور تشیع کا دعویٰ زیب دیتا ہے جنھوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سارے فتوے دل و جان سے قبول کیے ہیں۔

صاحب فلک النجات کے جوابات

پہلا جواب: ملاحظہ ہو فلک نجات جلد اول طبع اول صفحہ ۴۰۴ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ جنگ و جدال کا زمانہ تھا۔ جمل اور صفین اور نہروان کی لڑائیوں میں آپ

ایسے مصروف رہے کہ آپ کو احکام شرعیہ نافذ کرنے کی فرصت ہی نہیں ملی۔ اس لیے آپ نے فدک حق داروں کو نہ دیا۔

جواب الجواب یہ عذر بیکار ہے۔ اس لیے کہ جنگ و جدال آئینی اصلاحات کو نہیں روک سکتا جیسا کہ خود حضور نبی کریم ﷺ کے پاک زمانہ میں جنگ و جدال بھی پیش آتے رہے اور احکام شرعیہ بھی نافذ ہوتے رہے۔ اور اسی طرح صدیقی دور میں جنگ و جدال بھی پیش آتے رہے اور قوانین شریعت بھی جاری ہوتے رہے۔ مانعین زکوۃ کی جماعت کس قدر طاقتور تھی۔ مگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی طاقت اور تنظیم کی ذرہ بھر پروانہ کی۔ اور اعلان کیا کہ جب تک ابوبکر کے جسم میں جان ہے احکام شریعت میں تغیر و تبدل ناممکن ہے۔ ابوبکر کے بدن کی بوٹی بوٹی ہو جائے گی، مگر دین رسول تبدیل نہ کیا جائے گا۔ بالآخر زکوۃ روکنے والے تباہ ہو گئے یا تائب ہو گئے، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فتح مندی عطا فرمائی۔ سچ ہے من کان للہ کان اللہ له یعنی جو اللہ کا ہو جائے اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔ پس اسی طرح حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا فرض تھا کہ فدک اس کے حقداروں کو دے دیتے۔ اور اگر اس پر جنگ و جدال چھڑ جاتا تو اس کی پروا نہ کرتے۔ کیونکہ ضرور اللہ تبارک و تعالیٰ فتح مندی آپ کو عطا فرماتے۔ وعدہ خداوندی قرآن میں موجود ہے۔

﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾

”یعنی ہم پر لازم ہے کہ ہم ایمانداروں کی امداد کریں۔“

سچ تو یہ ہے کہ اراضی فدک کی اصلاح شرعی کی وجہ سے اگر جنگ چھڑ بھی جاتی تو وہ جنگ صفین اور جمل کی جنگوں کی نسبت زیادہ دافع شبہات اور قاطع توہمات ثابت ہوتی۔ شیعہ نظریات کے اعتبار سے کہنا پڑتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ احکام شرعیہ کے جاری کرنے میں بہ نسبت حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے زیادہ قوی اور مضبوط ارادے کے مالک تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قانون زکوۃ میں تغیر و تبدل گوارہ نہ کیا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی حکومت کے زمانے میں اراضی فدک کو صحیح لائنوں پر نہ چلایا۔

لیکن اگر اہل سنت کے نظریات کو دیکھا جائے تو کسی بزرگ کو کمزور کہنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ چونکہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فدک کے بارے میں صحیح قوانین شرعیہ کو استعمال کیا تھا۔ اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تغیر و تبدل کی ضرورت ہی لاحق نہ ہوئی۔

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

صاحب فلک نجات کا دوسرا جواب

ملاحظہ ہو فلک نجات جلد اول طبع اول صفحہ ۴۰۴...... اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حکومت کے زمانے میں اراضی فدک پر مالکانہ قبضہ کر لیتے تو لوگ طمع نفسانی اور لالچ دنیوی کا الزام لگا دیتے۔ اس الزام سے بچنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باوجود قدرت کے اراضی فدک پر قبضہ نہیں کیا اور اسی حالت پر رہنے دیا جس پر خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں تھا۔

جواب الجواب: قرآن حکیم میں ہے:

﴿لَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ﴾

"یعنی خدا کے پیارے لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو خاطر میں نہیں لاتے۔"

شیعہ مفسرین سورۂ مائدہ کی آیت مذکورہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں بیان کرتے ہیں اور سنی مفسرین اس آیت کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں بیان کرتے ہیں۔ اب اگر حسب تفسیر شیعہ اس آیت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں تسلیم کر لیا جائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خاص صفت ہوگی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خاص امتیازی نشان ہوگا کہ احکام شریعت میں کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہ کریں۔ اور ادھر شیعہ علماء کا جواب مذکور بتلاتا ہے کہ لوگوں کے الزام سے ڈر کر فدک میں اصلاح شرعی جاری نہ کی۔ پس جواب مذکور قرآنی آیت کے خلاف ہے۔ اس لیے یہ جواب قابل قبول نہ ہوگا۔ اور اگر شیعہ علماء قرآن کی اس آیت سے پہلو تہی کریں اور ارشاد فرمائیں کہ یہ آیت حضرت علی

رضی اللہ عنہ کے حق میں نہیں ہے تو لا محالہ اہل سنت کی تفسیر کے مطابق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حق میں ہوگی۔ اور اس صورت میں یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل کی حقانیت پر ایک برہان قاطع ہوگی۔ جیسا کہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اور نہایت العقول میں مفصل بیان کیا ہے۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

صاحب فلک نجات کا تیسرا جواب

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ سارے مسلمان میری خلافت پر متفق ہو جائیں۔ اور یہ اتفاق جبھی ہو سکتا تھا کہ آنجناب حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی مخالفت نہ کرتے۔ کیونکہ ان دونوں کی مخالفت میں اختلاف زیادہ ہو جانے کا خطرہ تھا۔ اور جب سارے مسلمان آپ کی خلافت پر متفق ہو جاتے تو آپ فوراً احکام شرعیہ جاری فرما دیتے۔ مگر افسوس کہ آپ ایسے اتفاق کا نظارہ کرنے سے پہلے ہی شہید کر دیے گئے۔

جواب الجواب: آپ کی خلافت سے پہلے تنخواہوں کا جو دستور چلا آتا تھا وہ آپ کے نزدیک غلط تھا۔ اس لیے آپ نے نبوی دستور کو جاری کر دیا اور لوگوں کی مخالفت کی پروا نہ کی۔ دیکھو نہج البلاغہ مصری جلد دوم صفحہ ۱۰ اور شرح نہج البلاغہ از علامہ سید علی نقی فیض الاسلام صفحہ ۳۵۰۔

((ومن كلام له عليه لما عوتب على التسوية اتامرونى ان اطلب النصر بالجور فيمن وليت عليه؟ والله ما اطور به ما سهر سهير وما ام نجم فى السماء نجما لو كان المال لى لسويت بينهم فكيف وانما المال مال الله الا وان اعطاء المال فى غير حقه تبذيرا واسرافا وهو يرفع صاحبه فى الدنيا ويضعه فى الاخرة ويكرمه فى الناس ويهينه عند

اللہ))

"جب حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام نے تنخواہوں میں برابری کا قانون جاری کیا تو لوگوں نے آپ سے سخت گفتگو کی اور آپ پر اعتراضات کیے۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کیا تم مجھ پر امر کرتے ہو کہ رعایا میں ظلم کر کے اپنی حکومت کو مضبوط کروں خدا کی قسم! میں یہ طریقہ ہرگز نہ اختیار کروں گا جب تک کہ رات دن آتے جاتے رہیں گے اور ستارے آسمان پر ایک دوسرے کے پیچھے چلتے رہیں گے۔ اگر یہ مال میرے ملک میں ہوتا تو بھی میں اس کی تقسیم کے اندر برابری کو مدنظر رکھتا۔ پھر میں کیوں نہ برابر تقسیم کروں در آں حالے کہ یہ مال سارے کا سارا خدا تعالیٰ کا ملک ہے۔ گوش ہوش سے سنو! غیر حقدار کو مال دینا فضول خرچی ہے اور بے جا اڑا دینا ہے۔ اور بے جا اڑا دینا آدمی کو دنیا میں بلند کرتا ہے اور آخرت میں گرا دیتا ہے۔ اور یہ فضول خرچی کا کام لوگوں میں آدمی کو باعزت بناتا ہے اور خدا تعالیٰ کے یہاں ذلیل کرتا ہے۔"

سبحان اللہ! حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ نے مولوی امیر الدین صاحب کے اس جواب کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ دیکھو آپ خدا کی قسم کھا کر فرما رہے ہیں کہ ہم کو ایسی حکومت کی کوئی ضرورت نہیں ہے جس میں کسی ایک فرد پر بھی ظلم روا رکھا جائے۔ پس خلفائے ثلاثہ کے ظلم کو آپ کس طرح برقرار رکھ سکتے ہیں اور اگر آپ سارے مسلمانوں کا اتفاق دیکھنا چاہتے تھے تو آپ نے وظائف کے دستور میں کیوں تغیر وتبدل کیا۔ کیا شہر علم کے دروازے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم نہ تھا کہ تنخواہوں میں تغیر وتبدل کرنے سے اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ ضرور آپ خوب جانتے تھے کہ دستور وظائف میں تبدیلی کرنے سے اختلاف ہوگا لیکن آپ چاہتے تھے کہ احکام شرعیہ جاری ہوں۔ اتفاق ہو یا اختلاف کیونکہ اصلی مقصود اور نصب العین آپ کا اور آپ کی خلافت کا سنت نبی کو زندہ کرنا تھا، پس ٹھیک اسی طرح اگر فدک کے بارے میں خلفائے

ثلاثہ کا دستور غلط ہوتا۔ تو آپ ہرگز اتفاق یا اختلاف کی پروا نہ کرتے اور اس کو تبدیل کر کے ہی دم لیتے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

صاحب فلک نجات کا چوتھا جواب

فلک نجات جلد اول طبع اول صفحہ ۴۰۴

فدک امیر عثمان کے عہد سے مروان کے قبضہ میں آ چکا تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو چارج خلافت نہیں ملا تھا۔ جس سبب سے وہ اس پر تصرف نہ فرما سکے۔

جواب الجواب: فلک نجات کے مصنف مولوی امیر الدین صاحب نے اس جواب میں دو باتیں ذکر کی ہیں۔ خدا کی قدرت کہ دونوں باتیں واقعات کے خلاف ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ حکومت میں فدک مروان کے قبضہ میں آ چکا تھا۔ یہ بات غلط ہے اس لیے کہ فدک مروان کے قبضہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں نہیں آیا تھا۔ بلکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ حکومت میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے فوت ہو جانے کے بعد ایک تہائی فدک پر مروان کو قبضہ مل گیا تھا۔ میں اس بات پر گواہی کے لیے سید علی نقی فیض الاسلام کو پیش کرتا ہوں وہ اپنی کتاب شرح نہج البلاغۃ فارسی جلد پنجم صفحہ ۹۶۰ پر تحریر کرتے ہیں:

خلاصہ ابوبکر غلہ وسود آں را گرفتہ بقدر کفایت باہل بیت علیہم السلام می داد وخلفا بعد از او ہم برآں اسلوب رفتار نمودند تا زماں معاویہ کہ ثلث آں را بعد از امام حسن علیہ السلام بمروان داد۔

''فدک کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ (حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) فدک کی آمدنی میں سے اہل بیت علیہم السلام کی ضرورت کے مطابق دیا کرتے تھے اور دوسرے خلیفوں یعنی عمر بن خطاب اور عثمان بن عفان اور علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہم) کی بھی رفتار اسی طریق پر رہی یہاں تک کہ امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی حکومت کا زمانہ آ

گیا۔ تو اس نے حضرت امام حسن علیہ السلام کے فوت ہو جانے کے بعد ایک تہائی فدک میں سے مروان کو دے دی۔"

ناظرین کرام! سید علی نقی مدظلہ کی اس تقریر کو خوب غور سے پڑھو۔ نہایت صفائی سے فرمایا ہے کہ مروان کو ثلث فدک پر جو قبضہ ہوا تھا وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ حکومت میں ہوا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں نہیں ہوا تھا۔ اور اس گواہی میں سید علی نقی صاحب تنہا نہیں ہیں بلکہ ان کے ساتھ شیعہ علمائے مجتہدین میں سے تین بزرگ اور بھی ہیں۔ دیکھو درۂ نجفیہ صفحہ ۳۳۲ اور شرح نہج البلاغہ ابن میثم بحرانی صفحہ ۵۴۳ اور علامہ ابن ابی الحدید اپنی کتاب حدیدی شرح نہج البلاغۃ جلد دوم جز شانزدہم صفحہ ۲۹۶ پر لکھتے ہیں:

((وكان ابوبكر ياخذ غلتها فيدفع اليهم منها ما يكفيهم ويقسم الباقي وكان عمر كذلك ثم كان عثمان كذلك ثم كان علي كذلك فلما ولي الامر معاويه بن ابی سفیان اقطع مروان بن الحكم ثلثها واقطع عمرو بن عثمان ثلثها واقطع يزيد بن معاوية ثلثها وذلك بعد موت الحسن بن علی علیہ السلام فلم يزالوا يتداولونها حتى خلصت كلها لمروان بن الحكم ايام خلافته))

"اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) فدک کی آمدنی لے کر اہل بیت علیہم السلام کو حسب ضرورت دے دیتے تھے۔ اور بچا ہوا تقسیم کر دیتے تھے۔ اور عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) بھی اسی طرح کرتے تھے۔ پھر عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) بھی اسی طرح کرتے تھے۔ پھر علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) بھی اسی طرح کرتے تھے۔ پھر جب حکومت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے قبضہ میں آ گئی تو مروان بن حکم نے ایک تہائی فدک اپنے نام مخصوص کر لیا، اور عثمان (رضی اللہ عنہ) کے بیٹے عمرو نے بھی ایک تہائی فدک اپنے نام مخصوص کر لیا، اور یزید بن معاویہ نے بھی ایک تہائی اپنے نام

خاص کر لیا، اور یہ حصے بجز حضرت امام حسن علیہ السلام کی موت کے بعد کیے گئے۔ پھر دست بدست منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ سارے کا سارا فدک مروان کے قبضے میں آ گیا اس کی اپنی حکومت کے زمانہ میں۔"

ناظرین کرام! ابن ابی الحدید کی اس مفصل روایت نے جو واقعات کے مطابق ہے۔ ایک مجمل روایت کو کھول دیا ہے جو مشکوٰۃ شریف، باب الفئی صفحہ ۳۵۶ پر موجود ہے۔

((عن المغيرة قال ان عمر بن عبدالعزيز جمع بني مروان حين استخلف فقال ان رسول الله ﷺ كان له فدك فكان ينفق منها ويعود منها على صغير بني هاشم ويزوج منها ايهم وان فاطمة سالته ان يجعلها لها فابى فكانت كذلك في حيوة رسول الله ﷺ حتى مضى لسبيله فلما ان ولى ابوبكر عمل فيها بما عمل رسول الله ﷺ في حيوته حتى مضى لسبيله فلما ان ولى عمر بن الخطاب عمل فيها بما عملا حتى مضى لسبيله ثم اقطعها مروان ثم صارت لعمر بن عبدالعزيز فرأيت امرا منعه رسول الله ﷺ فاطمة رضي الله عنها ليس لي بحق واني اشهدكم اني رددتها على ما كانت يعني على عهد رسول الله ﷺ وابي بكر و عمر رضي الله عنهما......))

"حضرت مغیرہ سے روایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جب خلیفہ بنائے گئے تو مروان کی اولاد کو جمع کیا اور کہا کہ خدا کے رسول ﷺ کے قبضے میں فدک تھا۔ پس آپ اس کو اپنے گھر والوں پر خرچ کرتے تھے۔ اور بنو ہاشم کے یتیم لڑکوں اور لڑکیوں پر بھی اسی فدک سے خرچ کرتے تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آنحضور ﷺ سے سوال کیا۔ کہ فدک میرے نام کر دیں تو آنحضور ﷺ نے انکار فرمایا۔ پھر آنحضور ﷺ کی زندگی میں اسے طرح پر

رہا۔ تا آنکہ آنحضور ﷺ اس جہان فانی سے روانہ ہو گئے۔ پھر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو والی بنایا گیا تو انھوں نے اس میں وہی طریقہ اختیار کیا جو خدا کے رسول نے اختیار کیا تھا۔ یہاں تک کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اس جہان فانی سے روانہ ہو گئے۔ پھر جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ والی بنائے گئے تو انھوں نے بھی فدک میں وہی طریقہ اختیار کیا جو آپ سے پہلے حضور نبی کریم ﷺ نے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس جہان سے روانہ ہو گئے۔ پھر ایک مدت کے بعد مروان بن حکم نے اپنے نام خاص کر لیا پھر عمر بن عبدالعزیز (رحمہ اللہ) کے قبضے میں آیا۔ پس میں یوں سمجھا ہوں کہ جو چیز خدا کے رسول نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نہیں دی۔ وہ میرا خاص حق کس طرح بن سکتی ہے اور میں تم سب کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے فدک کو اس طریقے پر لوٹا دیا ہے جس طریقے پر اگلے زمانے میں تھا۔ راوی کہتا ہے کہ مراد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی اگلے زمانے سے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ ہے اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا زمانہ ہے۔‘‘

ناظرین کرام! اس روایت میں ایک فقرہ ہے ثم اقطعها مروان جس کا ترجمہ تو صرف اسی قدر ہے کہ پھر ایک مدت کے بعد مروان نے خاص اپنے نام کر لیا فدک کو۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مروان کی یہ کارروائی اپنی حکومت کے زمانے میں واقع ہوئی ہے یا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حکومت کے زمانے میں واقع ہوئی ہے۔ اس جگہ پر ایک حاشیہ ہے جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ حکومت کی تعیین کی ہے۔ مگر یہ حاشیہ خلاف تحقیق ہے اور واقعات نفس الامریہ کے مخالف ہے۔ چنانچہ ہم اوپر علامہ ابن ابی الحدید کی روایت پیش کر چکے ہیں۔ جس میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ فدک کے حصے بخرے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد کیے گئے ہیں اور فدک سارے کا سارا مروان کی اپنی حکومت کے زمانے میں

اس کے قبضے میں آیا ہے۔ پس مغیرہ کی روایت مجمل ہے۔ اور ابن ابی الحدید کی روایت مفصل ہے۔ اس لیے مجمل کو مفصل کی امداد سے حل کرنا چاہیے۔

اب ہم اشعۃ اللمعات، جلد سوم صفحہ ۴۲۰ کی ایک عبارت ہدیہ ناظرین کرتے ہیں جو ہمارے دعویٰ کی تصدیق کرتی ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق فرماتے ہیں:

وظاہر آں ست کہ ایں در زمان سلطنت مروان باشد۔

یعنی عبارت سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ کارروائی مروان نے اپنی حکومت کے زمانہ میں کی ہے۔

پس جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فدک مروان کے قبضہ میں آ گیا تھا۔ وہ تحقیق سے کام نہیں لیتے اور ممکن ہے کہ صاحب فلک نجات نے مشکوۃ شریف کے اسی حاشیہ کو پڑھ کر پلے باندھ لیا ہو اور تحقیق معانی کی فرصت نصیب نہ ہوئی ہو۔

و کم من عائب قولا صحیحا

و افتہ من الفہم السقیم

اب ہم دوسری بات کی طرف توجہ کرتے ہیں کہ فدک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چارج خلافت میں نہیں ملا تھا۔ جس سبب سے وہ اس پر تصرف نہ فرما سکے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اراضی فدک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکومت میں نہ تھی۔ سو یہ بات بھی غلط ہے۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ فدک مدینہ شریف کے نزدیک ہے۔ صرف دو منزل کے فاصلے پر ہے۔ حجاز مقدس کے اندر ہے۔ اور سارے حجاز پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حکومت تھی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں صرف شام کے علاقے میں تھی۔ حجاز مقدس کے علاقہ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت نہ تھی۔

علامہ ابن ابی الحدید شیعی معتزلی اپنی کتاب حدیدی شرح نہج البلاغہ جلد دوم جز شانزدہم صفحہ ۲۸۳ پر لکھتے ہیں:

((وملك الاسلام كله كان بيد علی الا الشام))

”اور اسلامی حکومت کے سارے علاقے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قبضے میں تھے۔
مگر ایک شام کا علاقہ کہ وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں تھا۔“

ناظرین کرام! صاحب فلک نجات سے کوئی پوچھے کہ فدک اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حکومت میں نہ تھا تو لامحالہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت میں ہوگا۔ اور چونکہ ان کی حکومت شام کے اندر تھی۔ اس لیے فدک بھی شام کے اندر ہوگا۔
إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّآ إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

صاحب فلک نجات کی ایک غلطی

بخاری شریف کی ایک حدیث اپنی کتاب فلک نجات میں کئی جگہ نقل کی ہے اور اس کے ترجمہ اور مفہوم کو غلط طور پر سمجھنے کی وجہ سے نتیجہ غلط نکالا ہے ہم چاہتے ہیں کہ اس حدیث کے الفاظ یہاں لکھ دیں اور ساتھ ہی ترجمہ اور تشریح لکھ دیں تاکہ فلک نجات کو دیکھنے والے اس مغالطہ میں نہ آ جائیں۔

ملاحظہ ہو، بخاری شریف، جلد اول، صفحہ ۵۲۶، مناقب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں ہے:

((عن عبيدة عن علي قال اقضوا كما كنتم تقضوا فاني اكره الاختلاف حتى يكون الناس جماعة او اموت كما مات اصحابي))

”عبیدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے قاضیوں کو حکم دیا کہ فیصلہ اسی طرح کرو جس طرح آج سے پہلے کیا کرتے تھے۔ اس لیے کہ میں اختلاف کو برا جانتا ہوں تاکہ مسلمان ایک ہی جماعت میں رہیں۔ یہاں تک کہ میری موت آ جائے جیسا کہ میرے دوستوں کی موت آئی تھی۔“

ناظرین کرام! تشریح اس حدیث کی یہ ہے کہ امہات اولاد باندیوں کی بیع میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں اختلاف تھا۔ بعض کہتے تھے کہ ان کی بیع جائز ہے اور

بعض دوسرے کہتے تھے کہ ان کی بیع جائز نہیں ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان امہات اولاد باندیوں کی بیع وشرا ناجائز جانتے تھے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کی بیع و شرا کو جائز جانتے تھے۔ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو قاضیوں نے آپ سے دریافت کیا کہ اس مسئلہ میں اب فیصلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق کیا کریں یا آپ کی رائے کے مطابق کیا کریں؟ تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس مقدمے کا فیصلہ اسی طرح کیا کرو جس طرح آج سے پہلے کیا کرتے تھے۔ مراد یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق فیصلہ کرو۔ اور ساتھ ہی حکمت بیان فرما دی کہ میں مسلمانوں کو ایک ہی جماعت میں دیکھنا چاہتا ہوں اور یہ جبھی ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں میں اختلاف کو روک دیا جائے اور میں آخری دم تک اس چیز پر کاربند رہوں گا۔ تاکہ میری موت اور میرے دوستوں کی موت میں کوئی فرق واقع نہ ہو۔ شرح اس معما کی یہ ہے کہ میرے دوست ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اس جہان سے روانہ ہوئے تھے تو مسلمانوں کو ایک ہی جماعت میں چھوڑ گئے اور میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کو ایک ہی جماعت میں چھوڑ کر جاؤں۔

راقم الحروف احمد شاہ عفا اللہ عنہ عرض کرتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی یہ آرزو پوری کر دی۔ اور جس وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس جہان سے روانہ ہوئے ہیں سارے مسلمان ایک ہی طریقے پر گامزن تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ امہات اولاد باندیوں کی بیع وشرا کا مسئلہ کوئی منصوص مسئلہ نہیں تھا۔ اجتہادی مسئلہ تھا۔ اس لیے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے پر زور نہیں دیا۔ اور متنازعہ فیہ مسئلہ یعنی اراضی فدک کا مسئلہ تو شیعہ کے یہاں منصوصات میں سے ہے۔ اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما شیعہ کے یہاں نصوص قطعیہ کے منکر ہیں۔ پس منصوصات میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مسامحت اور چشم پوشی کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ اور منصوصات کو اجتہادیات پر قیاس کرنا شیعہ علماء ہی کا حصہ ہے۔ شیعہ علماء بھی عجیب ہیں۔ جب ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے خلاف لکھنے بیٹھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ قیاس کرنا شیطانی کام ہے۔ اور مسئلہ فدک میں جب حضرت علی

المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اپنا طرز حکومت پیش کیا جاتا ہے تو منصوص کو غیر منصوص پر قیاس کر ڈالتے ہیں۔ اب ہر خاص و عام پر واضح ہو گیا کہ حدیث علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں جس کے الفاظ اقضوا کما تقضون مذکور ہو چکے ہیں۔ شیعہ نے انصاف سے کام نہیں لیا۔ امہات اولاد کے متعلق آپ کا ارشاد صادر ہوا تھا، جیسا کہ ابھی ذکر ہو چکا اور شیعہ علماء نے خواہ مخواہ مسئلہ فدک میں لا کر جوڑ دیا۔ مسئلہ فدک کہاں اور مسئلہ امہات اولاد کہاں۔

تنبیہ

اس حدیث میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلفائے ثلاثہ کو اپنا دوست فرما رہے ہیں اگر مذاہب میں شیعہ وسنی اختلاف کا تفاوت ہوتا تو دوستی کے کیا معنی؟ معلوم ہوا کہ شیعہ وسنی اختلافات ان بزرگوں میں نہ تھے یا چاروں بزرگ شیعہ ہوئے ہیں اور یا پھر چاروں حضرات اہل سنت کے مقتدا اور پیشوا ہیں۔

بر افگن پردہ تا معلوم گردد
کہ یاراں دیگرے را می پرستند

سوال: عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نہایت عادل بادشاہ تھے۔ انھوں نے فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کو واپس کر دیا۔ پس معلوم ہوا کہ اراضی فدک اوقات عامہ میں سے نہ تھی۔ بلکہ اولاد فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کا مخصوص حق تھا اگر وقف ہوتا تو ایسا عادل بادشاہ اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کس طرح دے سکتا تھا؟

جواب: فدک کے متعلق حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی صحیح کارروائی مشکوٰۃ شریف میں مذکور ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف، باب الفیٔ صفحہ ۹۷ جلد ۲ مطبع مجیدی کانپور

((عن المغيرة قال ان عمر بن عبدالعزيز جمع بني مروان حين استخلف فقال ان رسول الله ﷺ كانت له فدك فكان ينفق منها ويعود منها على صغير بني هاشم ويزوج منها ايمهم وان فاطمة سالته ان يجعلها لها فابى فكانت كذلك في حيوة رسول الله ﷺ حتى مضى لسبيله فلما ان ولي

ابوبکر عمل فیہا بما عمل رسول اللہ ﷺ فی حیوتہ حتی مضیٰ لسبیلہ فلما ان ولی بعمر بن الخطاب عمل فیہا بمثل ما عملا حتی مضیٰ لسبیلہ ثم اقطعہا مروان ثم صارت لعمر بن عبدالعزیز فرأیت امرا منعہ رسول اللہ ﷺ فاطمۃ لیس لی بحق وانی اشھدکم انی رددتہا علی ما کانت یعنی علی عہد رسول اللہ وابی بکر و عمر))

''حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جب خلیفہ بنائے گئے تو آپ نے مروان کی اولاد کو جمع کیا اور فرمایا کہ خدا کے رسول کے قبضہ میں فدک تھا۔ آپ اس میں سے خرچ کیا کرتے تھے اور اس میں سے بنو ہاشم کے یتیم بچوں کی خبرگیری فرماتے تھے۔ اور اسی میں سے بنو ہاشم کے نکاحوں پر خرچ کرتے تھے۔ اور آنحضور ﷺ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ فدک ان کو دے دیں۔ آنحضور ﷺ نے دینے سے انکار فرمایا۔ پھر اسی طریق پر رہا۔ یہاں تک کہ آنحضور ﷺ اس جہان سے تشریف لے گئے۔ پھر جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو فدک میں اسی طرح عمل کیا جس طرح خدا کے رسول ﷺ نے کیا تھا۔ یہاں تک کہ اس جہان سے تشریف لے گئے۔ پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو فدک کے بارے میں وہی دستور اختیار کیا جو ان دونوں بزرگ ہستیوں نے کیا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس جہان فانی سے تشریف لے گئے۔ پھر ایک مدت کے بعد مروان نے اپنے نام مخصوص کر لیا۔ پھر چلتے چلتے عمر بن عبدالعزیز (رحمہ اللہ) کے ملک میں آ گیا۔ اب میری سمجھ میں یوں آیا ہے کہ جو چیز خدا کے رسول نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نہیں دی وہ چیز میرے لیے ملک میں رکھنا جائز نہیں ہو سکتا اور اب میں تم سب کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے فدک کو اسی حالت پر لوٹا دیا ہے جس حالت پر پہلے زمانہ میں تھا۔

راوی کہتا ہے کہ مراد عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کے پاک زمانوں سے ہے۔"

ناظرین کرام! خوب غور سے اس روایت کو دیکھو کیا کسی فقرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کو واپس کر دیا تھا؟ ہرگز نہیں، بلکہ اس روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے نہیں دیا تھا کیونکہ وہ خود کہتے ہیں کہ بنو مروان گواہ ہو جاؤ کہ میں نے فدک کو اس حالت پر لوٹا دیا ہے جس حالت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے پاک زمانوں میں تھا، اور ساتھ ہی واضح طور پر کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فدک کا مطالبہ کیا تھا مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دینے سے انکار کر دیا تھا۔

اب ان دونوں باتوں کو باہم ملانے سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کو ہرگز نہیں دیا تھا۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیتے تو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بھی فدک آپ کی اولاد کو دے سکتے تھے۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیا تو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کیسے دے سکتے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تو بنو مروان پر ایک حجت قائم کر رہے ہیں کہ جو زمین خاص حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جیسی پاکیزہ ہستی اور محبوب ترین پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک میں نہیں آ سکتی وہ مروان اور اس کی اولاد کی ملک میں کس طرح آ سکتی ہے؟ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے تو اس طریق سے فدک کو اوقاف کی پوزیشن میں لوٹا دیا اور خلفائے راشدین کی طرح فدک کی آمدنی میں سے آل فاطمہ پر خرچ کرنا شروع کر دیا۔ اسی طرح امت کے یتیموں اور مسافروں کی خبر گیری فدک کی آمدنی میں سے شروع کر دی۔ نیز جہاد میں حسب ضرورت استعمال شروع کیا۔ الغرض فدک کی آمدنی کو خلفائے راشدین کے دستور پر بانٹنا شروع کر دیا۔ اور شخصی ملکیت جس کی بنیاد عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دادا مروان نے رکھی تھی جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دی۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی
(اقبالؒ)

علمائے شیعہ کو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ کی اس کارروائی سے عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ شیعہ مزعومات کے مطابق عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ نے وہ کام کیا جو حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ سے نہ ہو سکا۔

واہ عدالت ہو تو ایسی ہو، شجاعت ہو تو ایسی ہو

اگر شیعہ تخیلات کو تسلیم کر لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے افضل ہوں۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

اطلاع عام

ثم اقطعھا مروان کا ترجمہ تو صرف اسی قدر ہے کہ ایک مدت کے بعد مروان نے فدک اپنے نام مخصوص کر لیا۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں لیکن بعض شراح حدیث نے اس فقرے کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی حکومت کے زمانے سے متعلق کیا ہے جو سو فیصد غلط ہے۔ اس کے غلط ہونے کی دلیل ہم گزشتہ صفحات میں لکھ آئے ہیں۔ اگر یاد نہ رہی ہو تو صاحب فلک نجات کے چوتھے جواب کے جواب الجواب کا مطالعہ فرمالیں۔ وہاں ہم نے چار کتب شیعہ معتبرہ سے ثابت کیا ہے کہ فدک مروان کے قبضہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نہیں آیا۔ بلکہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد فدک مروان کے قبضہ میں آیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں مروان کو فدک کے ایک تہائی پر قبضہ ملا تھا۔ اور پھر جب مروان کی اپنی حکومت قائم ہو گئی تو اس نے سارا فدک اپنے نام کے ساتھ مخصوص کر لیا۔ اسی واسطے شیخ عبدالحق محدث دہلوی مرحوم

اپنی کتاب اشعۃ اللمعات، جلد سوم، صفحہ ۴۲۰ پر لکھتے ہیں:

وظاہر آں ست کہ ایں در زمان سلطنت مروان باشد

''یعنی حدیث کی ظاہری عبارت سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ کارروائی مروان کی اپنی حکومت میں ہوئی ہے۔''

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فدک کے معاملہ میں دستور خلفاء کو اپنے زمانہ میں برحال رکھنا ان کے دستور کے صحیح ہونے کی ایک واضح دلیل ہے۔ علمائے شیعہ نے اس کے جواب کے لیے بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے ہیں مگر آج تک کامیاب نہیں ہوئے۔

کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ بزم میں
ہو غم ہی جاں گداز تو غم خوار کیا کریں

ہم اس باب کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث پر ختم کرتے ہیں جو نہج البلاغہ جلد سوم صفحہ ۹۹ پر موجود ہے۔ اشتر نخعی کو مصر کا حاکم بنا کر روانہ فرماتے ہیں اور ایک عہد نامہ لکھ کر ساتھ کر دیتے ہیں۔ اس عہد نامہ کو تاریخی دنیا میں بڑی شہرت حاصل ہوئی ہے۔ عہد نامہ کیا ہے سیاست کی ایک جامع کتاب ہے۔ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد موجود ہے:

((و لا تنقض سنة صالحة عمل بها صدور هذه الامة))

''اس اچھے طریقے کو مت توڑو جس پر امت کے پہلے سرداروں نے عمل کیا ہے۔''

ناممکن ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جس نیکی کی تاکید اشتر نخعی کو کرتے ہیں خود اس کے برخلاف کام کریں۔ قول و عمل کی مخالفت پر قرآن حکیم نے غضب خداوندی کی خبر دی ہے فرمایا:

﴿كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾

''خدا تعالیٰ کے ہاں سخت ناراضگی کا موجب ہے کہ زبان سے کہو وہ بات جس پر خود عمل کرنا مقصود نہ ہو۔''

نتیجہ یہ نکلا کہ آنحضرت جو دستور العمل اشترنخعی کو دے رہے ہیں یہ اپنا خاص دستور العمل ہے۔ اور آپ ہمیشہ اس پر عمل کرتے ہیں اور خوب ظاہر ہے کہ خلفائے ثلاثہ کو امت کے، پہلے سردار کے لقب سے یاد فرمایا ہے اور سو فیصد صحیح فرمایا ہے کیونکہ خلفائے ثلاثہ کے علاوہ کون ہے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زبان حقیقت ترجمان سے ایسے عالی شان لقب کے ساتھ ملقب ہو سکے؟ اس ارشاد مرتضوی کی تشریح یہ ہے۔ سنیے! میرے نزدیک لفظ صالحۃ قید اتفاقی ہے احترازی نہیں ہے اور اتفاقی قیود کا ہر زبان میں پایا جانا مسلّم ہے۔ اندریں صورت مطلب یہ ہوگا کہ ہم سے پہلے سرداروں نے جو طریقے جاری کیے ہیں وہ سب کے سب اچھے ہیں۔ ان میں سے کسی طریقہ کو نہ توڑو۔ پس خلفائے ثلاثہ کی مدح عظیم فرمائی ہے...... ع

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے

لیکن شیعہ میں سے اگر کوئی اہل علم یوں کہہ دے کہ بھائی لفظ صالحۃ قید احترازی ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ خلفائے ثلاثہ کے کام اپنی اپنی حکومتوں میں دو قسم کے تھے۔ اچھے اور برے۔ تو ہم جواب میں عرض کریں گے کہ صاحب ٹھیک ہے مان لیا کہ قید احترازی ہے مگر پھر بھی ہمارا ہی مقصود پورا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ احترازی قید بنانے کی صورت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ خلفائے ثلاثہ کے جو دستور اچھے ہیں انھیں مت توڑو۔ اور ان کے جو دستور برے ہیں انھیں توڑ دو۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی حکومت کے زمانہ میں فدک کے متعلق خلفائے ثلاثہ کے دستور کو باقی رکھا ہے توڑا نہیں ہے۔ جس سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ فدک سے متعلق خلفائے ثلاثہ کا دستور شرعاً صحیح تھا۔ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اپنی حکومت کا دور اس فتویٰ پر ایک ایسی زبردست مہر ہے کہ جس کو توڑنا کسی محبّ کا کام نہیں ہے اور نہ کوئی مصنف اس مہر کو توڑ سکتا ہے۔

ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا
صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

باب پنجم

اوقاف اہل بیت علیہم السلام کے بیان میں

حضور نبی کریم ﷺ نے قولاً وفعلاً زبان سے اور عمل سے مسلمانوں کی توجہ زمین اور مکانات وقف کرنے کی طرف پھیری ہے ملاحظہ ہو فروع کافی جلد سوم صفحہ ۳۲

((عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال لیس یتبع الرجل بعد موته من الاجر الا ثلاث خصال صدقة اجراها فی حیاته فهی تجزی بعد موته وسنة هدی سنها فهی یعمل بها بعد موته وولد صالح یدعو له))

”حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا مرنے کے بعد آدمی کو صرف تین چیزوں کا ثواب پہنچتا ہے ایک تو وہ وقف ہے جسے زندگی میں جاری کیا۔ پس یہ جاری رہتا ہے مرنے کے بعد۔ مراد یہ ہے کہ وقف کرنے والے کو مرنے کے بعد ثواب ملتا رہتا ہے۔ دوسری چیز وہ نیک رسم ہے جو آدمی جاری کر جائے۔ اور اس کے مرنے کے بعد بھی اس نیک رسم پر لوگ چلتے رہیں۔ مراد یہ ہے کہ نیک رسم جاری کرنے کی وجہ سے بھی مرنے کے بعد ثواب ملتا رہتا ہے۔ تیسری چیز وہ نیک فرزند ہے جو باپ کے مرنے کے بعد اس کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہتا ہے مراد یہ ہے کہ اس نیک لڑکے کی نیکیوں میں سے باپ کو بھی حصہ ثواب ملتا رہتا ہے۔“

ناظرین کرام! مولوی محمد بن یعقوب کلینی نے اس باب میں چھ حدیثیں ذکر کی ہیں۔ چونکہ سب کا مقصود یہی ہے جو اوپر کی حدیث کا ہے۔ اس واسطے باقی حدیثوں

کے یہاں نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کہتے ہیں مشتے نمونہ از خروارے باشد۔
الغرض کتب شیعہ وسنی وقف کی ترغیب سے لبریز ہیں۔ جس طرح نبی کریم ﷺ نے
غلاموں کے آزاد کر دینے کی ترغیب دلا کر غلاموں کی دستگیری فرمائی اور ان کی زندگی کو
صحیح معنوں میں زندگی بنا دیا ٹھیک اسی طرح آنحضور ﷺ نے وقف کی ترغیب دلا کر
مسکینوں اور یتیموں اور معذوروں کی دست گیری فرمائی۔ آنحضور ﷺ نے اعتاق یعنی
غلام کو آزاد کر دینے کے فضائل بیان فرمائے تو لوگ اس کو ذریعہ دخول جنت یقین
کر کے غلاموں کو آزاد کرنے لگ گئے۔ یہاں تک کہ دولتمند صحابہ اپنے غلاموں کو آزاد
کر کے سارا کام کاج اپنے ہاتھ سے کرنے لگے۔ ٹھیک اسی طرح آنحضور ﷺ نے
وقف کے فضائل بیان فرمائے تو آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اچھی اچھی جائدادیں
وقف کر دیں اور خود مسکینی کی زندگی اختیار کر لی۔ اس طریق سے تنگ دست لوگ سکھی
زندگی گزارنے لگے اور سرمایہ دار لوگ اپنے مقام سے نیچے اتر کر مسکینی کی زندگی پر راضی
ہو گئے اور مساوات کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ صاحب مسدس نے کیا خوب کہا ہے

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

زمانہ حال کے مساوات کے لیڈر اگر اس نعرہ میں مخلص ہیں تو آنحضور ﷺ سے
مساوات کے طریقے سیکھیں۔ غزوۂ خندق کے موقع پر آپ کے ساتھیوں کے پیٹ پر
ایک ایک پتھر بندھا ہوا تھا تو حضور پرنور ﷺ کے شکم مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے
تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ زمانہ حاضر کے مساوات کے علمبردار اس نعرہ میں مخلص نہیں ہیں۔
خود شاہانہ ٹھاٹھ سے زندگی گزارتے ہیں اور لوگوں کو مساوات کا وعظ کہتے ہیں۔

اک چیز جو آئی ہے مرے فہم رسا میں
وہ یہ ہے کہ اخلاص بڑی بات ہے ساقی

ناظرین کرام! یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا جو درمیان میں آ گیا۔ اب ہم اصل مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ترغیب وقف کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے کچھ نہ کچھ زمین وقف کر دی۔

ملاحظہ ہو شرح لمعہ، مطبوعہ تہران، جلد اول صفحہ ۲۲۴ از حاشیہ اش

((قال جابر رضی اللہ عنہ لم یکن احد من الصحابة ذو مقدرة الا وقف))

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں صحابہ میں سے کوئی شخص ایسا نہ تھا جو صاحب مال ہو اور اس نے وقف نہ کیا ہو۔''

مراد یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وقف کیے تھے۔ سر دست ضرورت اہل بیت علیہم السلام کے اوقاف کی ہے۔ اس لیے باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوقاف سے درگزر کرتے ہیں اور اہل بیت نبوت علیہم السلام کے اوقاف کو یہاں درج کرتے ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اوقاف

ملاحظہ ہو، فروع کافی، مطبوعہ لکھنؤ، جلد سوم، صفحہ ۲۸

((بسم الله الرحمن الرحيم۔ هذا ما اوصى به وقضى به في ماله عبدالله علي ابتغاء لوجه الله تعالى ليدخلني به الجنة ويصرفني به عن النار ويصرف النار عني يوم تبيض وجوه وتسود وجوه ان ما كان لي من ينبع من مال يعرف لي فيها وما حولها صدقة))

''یہ وہ چیز ہے جس کا فیصلہ کیا ہے اپنے مال میں خدا کے بندے علی نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے تاکہ اس کام کے سبب سے اللہ تعالیٰ مجھے داخل کرے بہشت میں اور دور رکھے مجھے دوزخ کی آگ سے اور دور

رکھے دوزخ کی آگ کو مجھ سے جس دن کہ بعض لوگوں کے چہرے روشن ہوں گے اور بعض لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ فیصلہ اس بات کا ہے کہ ینبع میں جو میری زمین ہے اور ینبع کے آس پاس جو میری زمین ہے جسے ہر کوئی جانتا ہے وہ سب کی سب وقف ہے۔"

ینبع کی زمین کے بعد آپ نے اور زمینیں شمار کی ہیں اور سب وقف کر کے آخر میں لکھا ہے:

((هذه الصدقة واجبة بتلة حيا او ميتا ينفق فى كل نفقة يبتغى بها وجه الله تعالىٰ فى سبيل الله وجهه وذوى الرحم من بنى هاشم وبنى المطلب والقريب والبعيد فانه يقوم على ذلك الحسن بن على))

"یہ وقف واجب ہو چکا ہے اور میرے ملک سے علیحدہ ہو گیا ہے۔ چاہے میں زندہ رہوں چاہے میں مر جاؤں۔ خرچ کیا جائے گا اس میں سے وہاں جہاں خدا کی رضامندی ہو اور خرچ کیا جائے گا میرے رشتہ داروں میں، بنو ہاشم میں سے اور بنو مطلب میں سے اور خرچ کیا جائے گا قریبی رشتہ دار میں اور دور کے رشتہ دار میں اور اس وقف کا متولی ہو گا حسن بن علی (رضی اللہ عنہما)۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں:

((وانه يشترط على الذى يجعله اليه ان يترك المال على اصوله وينفق ثمره حيث امرته به فى سبيل الله وجهه وذوى الرحم من بنى هاشم وبنى المطلب والقريب والبعيد لا يباع منه شىء ولا يوهب ولا يورث))

"اور علی شرط کرتا ہے اس شخص پر جو اس وقف پر متولی ہو گا کہ اس زمین کو اپنی اصل پر رہنے دے۔ یعنی خدا کی ملک میں رہنے دے اور اس کی پیداوار کو خرچ کرے جہاں خرچ کرنے کا فیصلہ میں نے دیا ہے۔ خدا کے راستے میں

اور اس کی خوشنودی میں اور ہاشمی اور مطلبی رشتہ داروں میں اور قریب میں اور بعید میں۔ اس زمین کا کوئی ٹکڑا بیع نہ کیا جائے گا اور نہ ہبہ کیا جائے گا اور نہ میراث میں دیا جائے گا۔"

ناظرین کرام! راقم الحروف کی غرض یہ ہے کہ یہ حدیث امام موسیٰ کاظم رحمہ اللہ سے مولوی کلینی نے روایت کی ہے اور اس میں دکھایا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی ساری جائداد خدا کی راہ میں وقف کر دی تھی۔ اور اپنی زندگی میں متولی وقف اپنے بڑے بیٹے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو بنا دیا تھا۔ اور ان کی وفات کے بعد متولی وقف حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو نامزد فرمایا۔ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی کوئی جائداد میراث کے لیے نہیں چھوڑی۔ سب کی سب اراضی وقف فرما دی تھیں۔ اس کارروائی سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دماغ میں اپنی اولاد کی دنیوی آسودگی کا خیال نہ تھا اور واقعات بھی یہی ہیں جو شخص خدا کا ہو جاتا ہے خاصانِ بارگاہِ الٰہی میں سے ہو جاتا ہے۔ اس کے توکل کے کیا ٹھکانے ہیں۔ وہ اپنی اولاد کو اس کے خالق پر چھوڑ دیتا ہے۔ اور خود تمام تر محنت قیامت کی سرخروئی کے واسطے کرتا ہے۔ اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد کی دنیوی آسودگی کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی ساری جائیداد خدا کی راہ میں وقف فرما دی۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر یہ رنگ کہاں سے چڑھ گیا۔ سو ہر عاقل وبصیر جانتا ہے کہ یہ رنگ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے چڑھا تھا۔ جو زہد اور توکل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں تھا وہی آپ کے ہم نشینوں میں نظر آتا ہے کسی شاعر نے خوب کہا

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جو کام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے ہوئے دیکھا وہی کر کے دکھا دیا۔ اس قدر عظیم الشان اتباع فرط محبت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ عشق ومحبت

کے طریقوں کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو خود اس راہ سے گزرے ہوئے ہوں۔ بے درد اور بے محبت لوگ ان چیزوں کو سمجھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی ساری جائداد وقف کر کے حدیث نبوی ما ترکناہ صدقۃ کی عملاً تصدیق فرما دی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اوقاف

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے قبضے میں سات باغ تھے۔ ان سب کو خدا کی راہ میں وقف فرما دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو متولی وقف مقرر کر دیا۔

ملاحظہ ہو فروع کافی، مطبوعہ لکھنؤ، جلد سوم صفحہ ۲۷

بسم الله الرحمن الرحيم

((هذا ما اوصت به فاطمة بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اوصت بحوائطها السبعة العفاف والدلال والبرقة والمبيت والحسنى والصافية ومال ام ابراهيم الى على بن ابى طالب فان مضى على فالى الحسن فان مضى فالى الحسين فان مضى الحسين فالى الاكبر من ولدى شهد الله على ذلك والمقداد بن الاسود والزبير بن العوام و كتب على بن ابى طالب))

"شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، یہ چیز وہ ہے جس کی نسبت وصیت کی ہے فاطمہ نے جو بیٹی ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ وصیت کی ہے سات باغوں کی جن کے نام یہ ہیں عفاف، دلال، برقہ، مبیت، حسنی، صافیہ، ام ابراہیم والی زمین۔ متولی بنایا ہے علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کو۔ پھر اگر فوت ہو جائیں علی تو حسن متولی ہوگا۔ پھر اگر حسن فوت ہو جائے تو متولی وقف حسین ہو گا۔ پھر اگر وہ بھی فوت ہو جائے تو میری اولاد میں سے جو بڑا ہو عمر میں وقف کا متولی ہوگا۔ گواہ ہو خدائے تعالیٰ اور مقداد بن اسود اور زبیر بن عوام۔ لکھا ہے اس کو علی بن ابی طالب نے۔"

ناظرین کرام! ان سات باغوں کے وقف کر دینے کی دلیل یہ ہے کہ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی نے اس وصیت نامہ کو اوقاف ائمہ کرام کے باب میں ذکر کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اپنی اراضی کے بارے میں یہ کارروائی نہ تو ہبہ بن سکتی ہے اور نہ میراث کی تشریح قرار پاتی ہے۔ پس لامحالہ وقف ہو گی۔ میرے نزدیک یہ بات واضح ہے۔ اس لیے دلیل کی حاجت نہیں چونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ظاہراً و باطناً آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کافی مشابہت رکھتی تھیں۔ یہاں تک کہ چلنے پھرنے میں، نشست و برخاست میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ آپ تھیں۔ راقم الحروف کے مطالعہ میں نماز تہجد کی کثرت کے سبب سے دو ہستیوں کے قدم شریف متورم ہوئے ہیں۔ ایک حضور پرنور خاتم النبیین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور دوسری حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ذات ستودہ صفات ہے۔ اس لیے ترکہ میں بھی مشابہت کا اثر نمودار ہوا کہ جس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ترکہ وقف کر دیا، اسی طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنا ترکہ وقف کر کے اس دنیائے فانی سے تشریف لے گئیں۔ ہم یوں نہیں کہتے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کو شرعاً والدہ شریفہ کے اموال میراث میں نہیں مل سکتے تھے۔ ازروئے شرع شریف تو کوئی ممانعت نہ تھی، مگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد شریف صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عالی شان عمل کی پیروی کر کے دنیا کے سامنے مشابہت تامہ کا ایک اور نمونہ پیش فرمایا۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو ایک حدیث آپ کے سامنے پیش کی تھی وہ حدیث آپ کو پسند آئی تھی۔ اس حدیث کی روایت پر آپ کو کسی قسم کا شبہ پیش نہیں آیا۔ کمال پسندیدگی یہ ہے کہ خود اس جہان سے روانہ ہوتے وقت اس پر عمل کر کے دکھا دیا۔ میری مراد ما ترکناہ صدقۃ سے ہے۔ یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ وقف ہو جاتا ہے۔

ناظرین کرام! کیا ہے کوئی اس عمل میں غور کرنے والا؟ کیا ہے کوئی سوچنے والا؟ جو تعصب کا غلاف اپنے دل سے الگ کر کے سوچے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اراضی ان کی اولاد میں میراث کے اصول پر کیوں تقسیم نہیں ہوئی؟ آپ نے اپنی اولاد میں بطور

میراث تقسیم سے کیوں پرہیز فرمایا، کیا آپ کے ذہن شریف سے سورۂ نساء کی وہ آیت اتر گئی تھی جس کی ابتدا میں ہے ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ...... الخ﴾ ہرگز ہرگز نہیں۔ کس قدر ظالم ہیں وہ لوگ جوان بزرگ ہستیوں کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب ہمارے مابین میراث کا قانون جاری ہے اور جب ہماری اولاد ہم سے دنیوی میراث پاتی ہے تو پیغمبر ﷺ کی اولاد میراث کیوں نہ پائے گی؟ حقیقت یہ ہے کہ ان بے چاروں کو پیغمبر اور اس کے اقربا کی شان کی معرفت نہیں ہے۔ ان لوگوں کے زہد اور توکل کے تصور سے عاری ہیں۔ یہ لوگ تو بس یہی خیال کرتے ہیں کہ جس طرح ہمارا نصب العین دنیا ہے اور دنیوی منافع ہیں وہ بزرگ بھی اسی طرح کے تھے۔ مگر حاشا وکلا ثم حاشا وکلا کہ وہ بزرگ اس طرح کے ہوں۔

کار پاکاں را قیاس خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی اپنی ساری اراضی وقف کر کے حدیث صدیق کی عملی تصدیق فرما دی۔

حضرت امام موسیٰ کاظم رحمہ اللہ کے اوقاف

ملاحظہ ہو من لا یحضرہ الفقیہ، مطبوعہ قدیم، تہران، جلد ۲ صفحہ ۲۹۳، یہی روایت طبع چہارم جدید جلد ۴، صفحہ ۱۸۴ پر درج ہے۔ (قاسم شاہ)

((بسم الله الرحمن الرحيم۔ هذا ما تصدق به موسىٰ بن جعفر تصدق بارضه فی مكان كذا وكذا كلها وحد الارض كذا وكذا تصدق بها كلها))

''شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ یہ وہ تحریر ہے جس میں موسیٰ بن جعفر کے اوقاف کا ذکر ہے۔ موسیٰ بن جعفر نے وقف کر دی ہے اپنی زمین جو فلاں جگہ پر واقع ہے اور فلاں جگہ پر سب کی سب اور حدود

اربعہ زمین کے فلاں فلاں ہیں وقف کر دی ہے ساری کی ساری۔"

ناظرین کرام! یہ حضرت امام موسیٰ کاظم رحمہ اللہ ہیں جنھوں نے اپنی ساری اراضی وقف کر دی اور متولی وقف صرف دو بیٹوں کو بنایا، ایک حضرت علی رضا رحمہ اللہ ہیں اور دوسرے حضرت ابراہیم ہیں۔

اگر میراث کے اصول کے مطابق حضرت امام علیہ السلام اپنی اراضی تقسیم فرماتے تو آپ کی اولاد کی تعداد مورخین نے سینتیس عدد لکھی ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم رحمہ اللہ نے اپنی اولاد میں اپنی جائداد میراث کے اصول پر کیوں نہیں تقسیم فرمائی۔

اس سوال کا جواب اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم رحمہ اللہ نے اپنے جد بزرگوار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش فرمائی ہے۔ جس طرح انھوں نے اپنی جائدادیں فی سبیل اللہ وقف کر دی تھیں۔ اسی طرح حضرت امام موسیٰ کاظم رحمہ اللہ نے بھی اپنی جائداد وقف کر دی۔

خدا کی راہ میں دینا ہے گھر کا بھر لینا
ادھر دیا کہ ادھر دیا داخل خزانہ ہوا

ایک اور حدیث ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو، فروع کافی، مطبوعہ لکھنؤ جلد سوم، صفحہ ۳۱۔

((عن ایوب بن عطیه قال سمعت ابا عبدالله علیہ السلام یقول قسم نبی الله صلی اللہ علیہ وسلم الفئی فاصاب علی ارضا فاحتر فیها عینا فخرج ما ینبع فی الماء کهیئة عنق البعیر قسماها ینبع فجاء البشیر یبشر فقال علیہ السلام بشر الوارث هی صدقة فی حجیج بیت الله وعابری سبیل الله لا تباع ولا توهب ولا تورث فمن باعها اووهبها فعلیه لعنة الله والملئکة والناس اجمعین لا یقبل الله منه صرفا ولا عدلا))

''ایوب کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیئ کی زمین تقسیم فرمائی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس میں ایک کنواں کھدوایا۔ پس اس میں سے پانی خوب جوش مار کر نکلنے لگا۔ پانی کی رفتار کا نمونہ ایسا تھا جیسا کہ اونٹ کے چلنے کے وقت اونٹ کی گردن کا نمونہ ہوتا ہے۔ آپ نے اس کا نام ینبع رکھا۔ پس خوشخبری دینے والے نے آ کر تکمیل کی خوشخبری دی تو آپ نے فرمایا خوشخبری دے اس شخص کو جس کے یہاں منتقل ہو کر یہ چشمہ جانے والا ہے میں اس کو وقف کرتا ہوں بیت اللہ کی زیارت کرنے والوں پر اور خدا کی راہ میں جنگ کرنے والوں پر نہ بیع کیا جائے گا اور نہ ہبہ کیا جائے گا اور نہ میراث میں کسی کو ملے گا۔ پس جو شخص اسے بیع کرے گا یا اسے ہبہ کرے گا اس پر خدا کی لعنت ہے اور فرشتوں کی لعنت ہے اور سارے آدمیوں کی لعنت ہے۔ خدا تبارک و تعالیٰ اس سے نہ فرضی عبادت قبول کرے گا اور نہ نفلی عبادت قبول فرمائے گا۔''

ناظرین کرام! ائمہ کرام، اہل بیت عظام رحمہم اللہ کی ان احادیث سے بخوبی واضح ہو گیا کہ اہل بیت نبوت کے ہاتھ جو زمین کا ٹکڑا اچھا اور زرخیز آیا ہے اس کو وقف کر کے ہی دم لیا ہے۔ رشتہ داروں کے یہاں میراث چھوڑ جانے کی نسبت خدا کی راہ میں وقف کر دینے کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ اور یہ کارروائی خوب محبوب تصور کی گئی اور اپنی اولاد کو خالق کائنات پر چھوڑا ہے۔

سب کام اپنے کرنے تقدیر کے حوالے
نزدیک عارفوں کے تدبیر ہے تو یہ ہے

ائمہ کرام اہل بیت رحمہم اللہ کے یہ چند اوقاف کتب شیعہ سے بطور نمونہ کے نقل کیے ہیں۔ اگر ان بزرگوں کے اوقاف کا احاطہ مقصود ہو تو کتب فریقین میں بہت سا مواد موجود ہے۔ اور بڑی ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ مگر راقم الحروف کا مقصود یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے اس رسالہ کو طوالت سے محفوظ رکھا جائے تا کہ مطالعہ کرنے والے جلدی

جلدی کسی نتیجے پر پہنچ جائیں، نیز زمانہ حاضر میں لوگوں کے یہاں علمی مطالعہ کے واسطے وقت بہت ہی کم ہے۔ اس واسطے انھی چند اوقات کو ہدیہ ناظرین کر کے اس باب کو ختم کرتے ہیں۔ عقل مند متلاشی کے لیے ان شاء اللہ یہ مقدار کافی شافی ہے۔ عاقل بصیر ان اوقاف کا مطالعہ کر لینے کے بعد خود بخود سوچنے لگتا ہے کہ یہ بات کیا ہے کہ حضرت علی ؓ نے اور حضرت فاطمہ ؓ نے اور حضرت موسیٰ کاظم ؒ نے اپنی ساری اراضی وقف کر ڈالیں۔ اگر یہ بزرگ اپنی اراضی اپنی اولاد میں بطور میراث تقسیم ہونے دیتے تو ضرور ان کی اولاد آسودگی میں رہتی نہ تو ان بزرگوں کو اپنی اولاد کی آسودگی کا خیال آیا اور نہ اولاد نے وقف کرتے وقت عرض کیا کہ ابا جان یہ ہمارا شرعی حق ہے بطور میراث ہمیں ملنا چاہیے۔ آخر جواب یہی پاتا ہے کہ ان لوگوں کی نگاہ میں دنیوی اموال کی کوئی وقعت نہ تھی۔ ان بزرگوں کی نگاہ میں تو صرف آخرت تھی، آخرت کی عزت ان بزرگوں کا نصب العین تھا، یہ سب کچھ کالی کملی والے کے مکتب سے سیکھا۔

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

اگر حضور نبی کریم ﷺ اپنی اولاد کو کچھ اراضی بطور میراث دے جاتے تو حضرت علی المرتضیٰ ؓ بھی اسی طرح اپنی اولاد کو بطور میراث ضرور کچھ زمین تو دے جاتے تاکہ آنحضور ﷺ سے اقتدا اور تاسی مکمل ہو جاتی۔ بلکہ ہوا تو یہ کہ جس طرح حضور نبی کریم ﷺ نے سب اراضی خدا کی راہ میں وقف کردی، اسی طرح حضرت مرتضیٰ ؓ نے سب کچھ خدا کی راہ میں وقف کر کے اقتدا اور تاسی کے کمال کا مظاہرہ فرمایا۔

مال دنیا خواستگاراں را دہند
عاقبت پرہیزگاراں را دہند

❀❀❀

تصدیقات میں

اس باب میں کتب شیعہ سے ان اقوال کو جمع کیا گیا ہے جو شیخین کی حکومت کی مدح وثنا پر مشتمل ہیں اور ساتھ ہی التزام کیا گیا ہے کہ یہ اقوال ان بزرگوں کی جانب سے پیش کیے جائیں جن پر شیعہ دنیا کا مکمل اعتقاد ہے اور جن کی مدح وثنا سے علمائے شیعہ رطب اللسان ہیں۔ سب سے پہلے ہم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ارشادات عالیہ درج کرتے ہیں۔

ارشاد گرامی (۱)

ملاحظہ ہو حدیدی شرح نہج البلاغۃ، مطبوعہ تہران، جلد اول، جزششم صفحہ ۲۹۵ پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک مکتوب شریف موجود ہے۔ جس میں سے چند جملے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں:

((ثم ان المسلمین من بعده استخلفوا امیرین منهم صالحین فعملا بالکتاب والسنة واحسنا السیرة ولم یعدوا السنة ثم توفیا رحمهما الله تعالیٰ))

''پھر سارے مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دو بزرگوں کو یکے بعد دیگرے خلیفہ بنایا جو نیکی کے کام کرنے والے تھے۔ پھر ان دو بزرگوں نے قرآن حکیم اور سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کیا اور طریق حکومت کو خوبصورت بنایا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ذرہ بھر تجاوز نہ کیا، پھر وہ دونوں یکے بعد دیگرے اس جہان فانی سے روانہ ہو گئے۔ خداوند تبارک وتعالیٰ ان دونوں پر

اپنی رحمت نازل فرمائے۔"

ناظرین کرام! حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد پر غور کرو۔ اگر حضرات شیخین نے فدک کے معاملہ میں کوئی کام خلاف سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہوتا تو آپ کی زبان حقیقت ترجمان سے یہ الفاظ مدحیہ ہرگز نہ نکل سکتے تھے۔ مذکورہ بالا کلمات مرتضویہ ڈنکے کی چوٹ اعلان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے اپنی خلافت کے زمانہ میں کوئی کام قرآن حکیم اور سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہیں کیا۔ چاہے وہ کام فدک کے بارے میں ہو چاہے وہ کام خمس کی تقسیم سے متعلق ہو۔ اور آخر میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی دعا اپنے دونوں دوستوں کے حق میں قابل دید ہے۔

فرماتے ہیں "خدا تعالیٰ ان دونوں پر اپنی رحمت نازل کرے۔"

اور یہ شیعہ لوگ جس طرح ان دونوں بزرگوں کو یاد کرتے ہیں۔ وہ بھی معلوم ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ان دونوں بزرگوں سے محبت دیکھو، اور شیعیان علی کی ان دونوں بزرگوں سے عداوت دیکھو، دعائے رحمت کا موجب محبت کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے؟ زمانہ حال کے شیعہ ان دونوں بزرگوں کی عداوت سے مالا مال ہیں۔ قرآن حکیم کے اندر مشرک اور کافر کے لیے دعائے خیر سخت ممنوع ہے۔ فرمایا ہے:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾

یہ آیت مبارکہ گیارھویں پارے کی پہلی چوتھائی میں موجود ہے، کسی سنی حافظ سے پوچھ کر ملاحظہ فرمائیں۔

ارشاد گرامی ﴿۴﴾

ملاحظہ ہو، ناسخ التواریخ، کتاب دوم، جلد سوم، صفحہ ۲۴۱۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک تقریر کے دوران میں فرمایا:

((اما بعد فان الله بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانقذ به من الضلالة ونعش به من الهلكة وجمع به بعد الفرقة ثم قبضه الله اليه

وقد ادی ما علیہ ثم استخلف الناس ابا بکر ثم استخلف ابوبکر عمر واحسنا السیرۃ وعدلا فی الامۃ))

''حمد وثنا کے بعد بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ کو لوگوں کی راہنمائی کے لیے مقرر فرمایا اور آپ کے ذریعے سے لوگوں کو گمراہی سے چھڑایا۔ اور آدمیوں کو آپ کے ذریعے سے تباہی سے دور کیا۔ اور آپ ہی کے ذریعے سے لوگوں کو باہمی جدائی کے بعد جمع کر دیا۔ پھر خدا تعالیٰ نے آپ کو اپنی جانب بلا لیا، درآں حالے کہ جو کچھ آپ کے ذمہ تھا۔ وہ ادا کر چکے تھے۔ آنحضور ﷺ کے بعد سارے مسلمانوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر فرمایا، اور ان دونوں بزرگوں نے طریق حکومت کو خوبصورت اور نہایت اچھا بنایا، اور ساری امت میں انصاف قائم کیا۔''

ناظرین کرام! اس مرتضوی ارشاد پر غور کریں، کیسی وضاحت اور صفائی سے ان دونوں بزرگوں کی حکومت کی تعریف کی ہے اور ساری امت میں قیام عدالت کا کس خوبی سے اعلان فرمایا ہے۔ اگر فدک کے بارے میں ان دونوں نے غصب اور ظلم کا ارتکاب کیا ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی حکومت کو خوبصورت کیسے فرما سکتے تھے، پھر تو ان کی حکومت بدصورت ہوتی، جس حکومت میں نبی کے خاص رشتہ داروں پر ظلم روا رکھا جائے اس حکومت کو اچھی حکومت کا لقب کون دے سکتا ہے؟ جس حکومت میں خاتم النبیین شفیع المذنبین فخر بنی آدم ﷺ کی آل کے ساتھ بے انصافی کی جائے اس حکومت میں قیام عدالت کے کیا معنی؟

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے یہ فقرے اس زمانے کی یادگار ہیں جبکہ آپ سریر آرائے خلافت تھے۔ اور صاحب حکومت تھے۔ پس کوئی شیعہ اہل علم یہاں تقیہ کی آڑ لینے کی بے جا کوشش نہ کریں۔ اس لیے کہ شرائط تقیہ میں سے کوئی شرط بھی یہاں نہیں پائی جاتی، اور شرائط تقیہ چوتھے باب میں ذکر کر آیا ہوں دوبارہ دیکھ لی جائیں تو بہتر ہو

گا۔

ارشاد گرامی ﴿۳﴾

ملاحظہ ہو، شرح نہج البلاغہ، جلد اول، از سید علی نقی مدظلہ صفحہ ۵۷:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو اراضی لوگوں کو خلاف قانون شریعت دے دی تھیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ہوتے ہی واپس لے لیں اور فرمایا:

((واللہ لو وجدته قد تزوج به النساء وملك به الاماء لرددته))

''خدا کی قسم! اگر عثمان کی ناجائز عطا کردہ زمینیں میرے علم میں آ جائیں تو میں واپس لے لوں گا۔ اگرچہ ان زمینوں کو مہر نکاح میں دے دیا گیا ہو، اور اگرچہ ان زمینوں سے باندیاں خریدی گئی ہوں۔''

ناظرین کرام! حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خدا کی قسم کھا کر فرما رہے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے ناجائز کاموں کو برقرار نہیں رکھوں گا بلکہ اس میں شریعت کے مطابق تغیر و تبدل کر دوں گا۔ چاہے اس میں کتنی ہی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ناجائز کاموں کو برقرار رکھیں۔ اور ان میں شریعت کے مطابق تغیر و تبدل نہ فرمائیں۔ مراد میری فدک کی اراضی سے ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے ناجائز کام واجب التردید ہیں۔ تو شیخین کے ناجائز کام واجب الرد کیوں نہ ہوں گے؟ جس طرح عثمان رضی اللہ عنہ کی ناجائز طور پر دی ہوئی اراضی آپ نے واپس کی ہیں۔ ٹھیک اسی طرح اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فدک غصب کر لیا ہوتا تو حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ اسے اصل مالکوں کو واپس کر کے دم لیتے۔ بھائی ناجائز ہر حال میں ناجائز ہی ہوتا ہے۔ چاہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کریں اور چاہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کریں۔ اور اس کی اصلاح کا فریضہ بھی برابر ہی رہتا ہے۔ کوئی عقلمند آدمی اس تفریق کو صحیح نہیں قرار دے سکتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات سے اس چشم پوشی کی امید ناجائز ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی ہوں اور پھر باطل بھی اپنی جگہ پر ڈٹا رہے یہ بات غلط ہے۔

تو اور پلائے نہ ہمیں ہاتھ سے اپنے
یہ بات ہے ساقی تو غلط بات ہے ساقی

واضح ہو گیا کہ صدیقی دستور متعلق فدک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہاں صحیح تھا ورنہ ضرور اس کو تبدیل کر کے دم لیتے۔

ارشاد گرامی (۴)

ملاحظہ ہو، نہج البلاغہ، مطبوعہ مصر، جلد دوم، صفحہ ۲۴۹:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((لله بلاد فلان فقد قوم الاود و داوی العمد واقام السنة وخلف الفتنه ذهب نقی الثوب قلیل العیب اصاب خیرها وسبق شرها ادی الی الله طاعته واتقاه بحقه))

ناظرین کرام! حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس کلام بلاغت نظام کے اندر فلاں سے مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس چیز پر شرح نہج البلاغہ گواہ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے کلام کے اندر صریح لفظ عمر موجود تھا۔ جامع کتاب نہج البلاغہ سید رضی نے فرط عداوت کی وجہ سے اس نام کو زبان قلم پر لانا مناسب نہ جانا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا کلام اس طرح پر ہوگا۔ لله بلاد عمر یہ مدحیہ جملہ ہے عرب لوگ جب کسی کے کام کی بھاری مدح کرنا چاہتے ہیں تو خدا تعالیٰ کے نام سے ابتدا کرتے ہیں کسی کی سخاوت کی تعریف کرتے ہیں تو کہتے ہیں للہ در فلان اسی طرح کسی کی حکومت کے حسن و انتظام کی صفت کرتے ہیں تو کہتے ہیں۔ لله بلاد فلان پس حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنی حکومت کے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت کو یاد کرتے ہیں۔ اور تعریف کرتے ہیں کہ کیا ہی اچھا دَور تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت کا، جس میں تمام شہر اسلامی حکومت کے باہم متفق تھے۔ تمام اہل اسلام کے اندر جذبات محبت بے شمار تھے، سب کے سب آپس میں بھائی بھائی تھے، تمام اسلامی شہروں کا نظم و نسق ایک تھا۔ ایک ہی شخص کے اشارے پر تمام مسلمان متحرک ہو جاتے تھے۔ سبحان اللہ! کیا ہی اچھا دور خلافت تھا۔ جس میں

مسلمانوں کو آپس میں کسی قسم کے اختلافات سے دوچار ہونا نہیں پڑا۔

راقم الحروف جو کچھ بھی عرض کر رہا ہے اپنی جانب سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ سارا مضمون اس کلام بلاغت نظام کے پہلے جملے سے نکل رہا ہے۔ للہ بلاد عمر، ایک ایسا جامع جملہ ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پوری دس سالہ حکومت کو اپنے پیٹ میں لیے ہوئے ہے۔ یہاں تک کہ نماز تراویح بھی اس میں آ گئی ہے۔ پس فدک کا انتظام بھی اس جملے میں آ گیا ہے اور اس کی بھی مدح ہو چکی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت کی تعریف کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ اپنے زمانہ خلافت میں وہ اتفاق اور اتحاد بین المسلمین نظر نہ آیا جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا

قدر اچھوں کی ہوا کرتی ہے مر جانے کے بعد

دوسرا جملہ ہے: فقد قوم الاود۔ یعنی اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کجی کو سیدھا کر دیا۔ یہ جملہ اور باقی آنے والے جملے سب کے سب پہلے جملے کی دلیل کے طور پر ذکر فرمائے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ساری اسلامی رعایا کے اندر کسی شخص کو ٹیڑھی چال چلنے نہیں دیا۔ جس کے ذہن میں کوئی شک وشبہ پیدا ہوا فوراً دور کر دیا۔ یہی بیماری ہے جس کے معالجے کی خبر حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ آنے والے جملے میں دے رہے ہیں۔

تیسرا جملہ ہے: وداوی العمد۔ یعنی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیماری کا خوب علاج کیا۔

چوتھا جملہ یہ ہے: واقام السنۃ۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستور کو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے قائم کیا۔

ناظرین کرام! اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فدک کے بارے میں نبوی دستور کو ترک کر دیا تھا اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی حکومت کے زمانے میں اسی نبوی دستور کو قائم نہیں کیا تھا تو حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ یہ ارشاد مرتضوی ایک کھلی ہوئی دلیل ہے اس بات پر کہ فدک کے متعلق شیخین کا دستور بعینہ نبوی دستور تھا۔ اگر شیعہ کے مزعومات کو تسلیم کر لیا جائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس کلام میں

کذب لازم آتا ہے۔

نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا

پانچواں جملہ ہے: خلف الفتنۃ۔ یعنی باہمی لڑائی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ حکومت میں رونما نہیں ہوئی۔

ناظرین کرام! باہمی لڑائی جھگڑے کے نقصانات کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو خود اس مصیبت سے دوچار ہوئے ہوں۔ پنجابی زبان میں ایک کہاوت ہے:

جس کی پھٹی نہ ہو بوائی
وہ کیا جانے پیڑ پرائی

چونکہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے زمانہ حکومت میں باہمی لڑائی نمودار ہوئی تھی۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت کی تعریف میں ارشاد فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت کیا اچھی حکومت تھی کہ جس میں باہمی لڑائی کی بو تک نہیں پائی گئی۔ سبحان اللہ!

قدر زر زرگر بداند قدر جوہر جوہری
قدر گل بلبل بداند قدر یاراں شاہ علی

چھٹا جملہ ہے: ذھب نقی الثوب۔ یعنی اس جہان سے پاک دامن تشریف لے گئے۔

ناظرین کرام! حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی زبان حقیقت ترجمان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پاک دامنی کی شہادت کے بعد بھی کسی اور شہادت کی ضرورت باقی رہتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ جب حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ثانی لاثانی کو پاک دامن کے عظیم الشان لقب سے ملقب فرمایا تو اب کس کی مجال ہے کہ غصب فدک کا طعنہ زبان پر لائے۔

﴿فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ﴾

ساتواں جملہ ہے: اصاب خیرھا۔ یعنی خلافت میں جو خوبیاں ممکن ہیں وہ سب حاصل کر لیں۔

ناظرین کرام! خلافت کی خوبی یہ ہے کہ پیغمبر کی اتباع اس قدر ہو کہ کوئی سنت چھوٹنے نہ پائے۔

آٹھواں جملہ ہے: وسبق شرھا۔ یعنی خلافت میں جو بے اعتدالی اور شرارت ممکن ہے اس سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ دور نکل گئے۔

ناظرین کرام! ان دونوں جملوں کا مقصد یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اتباع سنت میں اور اجتناب بدعت میں نہایت ہی تیز رفتار تھے، یہاں شیعہ حضرات سے پوچھا جا سکتا ہے کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے ہیں جیسا کہ تم لوگ گمان کرتے ہو کہ فدک چھین لیا اور خلافت غصب کر لی تو پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے یہ دونوں ارشادات کیسے صحیح ہو سکتے ہیں۔

نواں جملہ ہے: ادی الی اللہ طاعتہ۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری بجالائے۔

ناظرین کرام! کیا غصب حقوق بھی فرماں برداری کی کوئی قسم ہے۔ ہرگز نہیں، معلوم ہو گیا کہ غصب حقوق کی کہانی ساری کی ساری خود شیعہ کی زبانی ہے۔ اگر اس کے لیے بھی کوئی بنیاد ہوتی تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیسے پوشیدہ رہ سکتی تھی، اور اگر آپ کے دل میں غصب فدک کا خیال بھی ہوتا تو ہرگز یوں نہ فرماتے کہ عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) خدا کی فرمانبرداری بجالائے۔

دسواں جملہ ہے: واتقاہ بحقہ۔ یعنی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خدا سے ڈرتے رہے جس طرح ڈرنے کا حق ہے۔

ناظرین کرام! مرتضوی ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ خلیفہ ثانی لاثانی خدا تعالیٰ سے خوب ڈرتے تھے۔ خوف خداوندی ہر وقت شامل حال رہتا تھا، ادھر ہمارے شیعہ بھائی ہیں کہ اپنے مزعومہ فسادات کی جڑ صرف خلیفہ ثانی لاثانی کو مقرر کرتے ہیں جیسا کہ ان کی تصنیفات سے واضح ہے۔

اب ہم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ تسلیم کریں یا شیعہ مفتریات پر ایمان

لائیں۔ راقم الحروف کے یہاں بہتر بلکہ واجب یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تصدیقات پر یقین کیا جائے اور مفتریات شیعہ کو انھی کے حوالے کر دیا جائے اور ''عطائے تو بلقائے تو'' کے مقولہ پر عمل کرلیا جائے۔

ارشاد گرامی ﴿۵﴾

ملاحظہ ہو، نہج البلاغۃ، مطبوعہ مصر، جلد سوم، صفحہ ۲۶۳

((ووليهم وال فاقام واستقام حتى ضرب الدين بجرانه))

''اور مسلمانوں پر حاکم ہوا ایک شخص جس نے قائم کیا دین اسلام کو اور خود بھی دین اسلام پر مضبوط رہا تا آنکہ دین اسلام کو آرام حاصل ہو گیا۔''

ناظرین کرام! یہ ارشاد مرتضوی آپ کے ایک طویل خطبے کا حصہ ہے۔ جو آپ نے اپنی حکومت کے زمانے میں ارشاد فرمایا تھا۔ آپ نے اس خطبے میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حکومت کی مدح عظیم فرمائی ہے۔ دین اسلام کو اونٹ سے تشبیہ دی ہے۔ اونٹ جب آرام حاصل کرتا ہے اور سکھ اور چین سے ہمکنار ہوتا ہے تو اپنی گردن زمین پر ڈال دیتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ حکومت میں دین اسلام اس اونٹ کی مانند تھا جو نہایت آرام کی حالت میں اپنی گردن زمین پر ڈال دیتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ دین اسلام فاروقی خلافت میں ہر قسم کے حملوں سے دشمنان دین کے محفوظ ہو چکا تھا، امام البلغا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد نے خلیفہ ثانی لاثانی کے متعلق سارے مطاعن کی فہرست کو جلا کر خاکستر کر دیا ہے اگر غصب فدک واقع میں ہو تو دین اسلام کو چین کس طرح نصیب ہوا۔ نیز اگر غصب خلافت تصور کیا جائے تو دین اسلام کے چین کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ارشادات عالیہ جو کتب شیعہ میں موجود ہیں۔ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں صفائی کے عینی گواہ ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فدک کے بارے میں جو رویہ اختیار کیا تھا۔ آپ کے ارشادات اس کی تصدیقات ہیں۔ پس اہل اسلام میں سے جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تصدیقات پر

ایمان نہیں رکھتا وہ آپ کے منکروں کی جماعت کا ممبر ہے اور جو شخص تصدیقات مرتضویہ پر مکمل یقین اور کامل ایمان رکھتا ہے وہ آپ کے محبوں کی جماعت کا فرد ہے۔

الحمد للہ! کہ فقیر پر تقصیر راقم الحروف نے جس کام کا ارادہ کیا تھا وہ اس کے فضل و کرم سے مکمل ہوا۔ اب اسی کی خدمت میں عاجزانہ درخواست ہے کہ اس ٹوٹی پھوٹی تحریر کو اپنی خاص قبولیت سے سرفراز کریں اور تمام اہل اسلام کے لیے اس مختصر سی کتاب کو دافع شبہات اور دافع توہمات بنائیں۔

وما توفيقي الا بالله عليه توكلت واليه انيب وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيد العالمين شفيع المذنبين وعلى الطيبين وعلى اصحابه الطاهرين وسلم تسليما كثيرا كثيرا

حررہ

احمد شاہ عفا اللہ عنہ

بتاریخ ۷ جون ۱۹۵۵ء مطابق

۱۵ شوال المکرم ۱۳۷۴ھ

ضمیمہ جات

میری کتاب ''تحقیق فدک'' نامی کا جو جواب ماسٹر منظور حسین صاحب اجنالوی نے ''توثیق فدک'' کے نام سے لکھا ہے شیعہ مبلغ اعظم مولوی اسماعیل صاحب نے اس کی تقریظ کے ضمن میں اسے اعجاز حسینی قرار دیا ہے۔ (دیکھو توثیق فدک کا پیش لفظ صفحہ ۲)

اس لیے خیال آیا کہ تحقیق فدک کے اس دوسرے ایڈیشن کے ساتھ ضمیمہ جات کا سلسلہ شامل کر دیا جائے تاکہ کتاب ہذا کے پڑھنے والوں پر واضح ہو جائے کہ ماسٹر صاحب کی توثیق فدک کیا ہے ایک بحر جہالت ہے۔ جس کو شیعہ کے مبلغ اعظم گوجرہ کی صداقت آں جہانی کے مدیر ''اعجاز حسینی'' کا لقب دے رہے ہیں اور واضح ہو گا کہ آپ نے اس فیاضی میں حضرت امام عالی مقام کے نام مبارک کی توہین کی ہے۔ کیا جاہلانہ تحریرات کو اعجاز حسینی کہنے سے اس عاشق قرآن، عاشق رسول، غواص بحر حقائق، عارف اسرار شریعت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی توہین نہیں ہے؟ تعجب ہے کہ شیعہ اہل علم حضرات میں سے کسی فرد نے بھی صدائے احتجاج بلند نہیں کیا، اور نہ کسی شیعہ کی رگ غیرت ہی جنبش میں آئی ہے۔ ضمیمہ جات کے اس سلسلے میں تحقیق فدک کے صفحہ کا نمبر دیا جائے گا اور توثیق فدک کے مزعومات کا خلاصہ درج کر کے حق تحقیق ادا کیا جائے گا۔ حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۲۸

چار سے زائد نکاح کی خصوصیت پیغمبر ﷺ کو ماسٹر صاحب نے قرآن حکیم کی آیت ﴿خَالِصَةً لَّكَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ سے استنباط فرمایا ہے۔ حالانکہ سورہ

احزاب کی آیت مذکورہ کے ماقبل میں چار سے زائد نکاح پیغمبران کے جواز کا کوئی تذکرہ ہی نہیں۔ بلکہ اس آیت کے ماقبل میں تو اس عورت کا ذکر ہے جو اپنے آپ کو بغیر مہر کے پیغمبر ﷺ کے نکاح میں دے دے۔ چنانچہ پوری آیت کے ترجمہ میں سید فرمان علی صاحب شیعی لکھتے ہیں: اور ہر ایماندار عورت بھی حلال کر دی اگر وہ اپنے آپ کو بغیر مہر کے نبی کو دے دے اور نبی بھی اس سے نکاح کرنا چاہتے ہوں۔ مگر اے رسول یہ حکم صرف تمھارے واسطے خاص ہے اور مومنین کے لیے نہیں۔

(دیکھو حمائل شریف مترجم از سید فرمان علی صفحہ ٦٧٧)

''سر منڈاتے ہی اولے پڑے'' مثل مشہور ہے۔ یہ کہاوت ماسٹر منظور حسین صاحب پر خوب پوری ہوئی ہے۔ تحقیق فدک کے پہلے فقرے کے جواب میں جہالت کے پھول بکھیرے ہیں۔

راقم الحروف مولف ''تحقیق فدک'' نے جب آپ کی ''توثیق فدک'' کے آغاز ہی میں جہالت کا کرشمہ دیکھا تو بلا کر زبانی دریافت کیا کہ جناب والا! یہ کیا بات ہے؟ فرمانے لگے میں نے صحیح لکھا ہے۔ اگر غلط ہوتا تو تقریظ کنندگان حضرات ضرور مجھے مطلع کرتے۔ میں نے عرض کیا کہ گھر میں اگر کوئی تفسیر قرآن موجود ہے تو دیکھ لو...... چنانچہ آپ نے فرمایا کہ تفسیر حسینی میرے پاس موجود ہے اس کا مطالعہ کرکے اطلاع دوں گا دوسرے دن جب غریب خانہ پر تشریف لائے تو فرمانے لگے۔ واقعی مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔ یہ خصوصیت تو واہبۃ النفس کے بارے میں ہے۔ اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ جب غلطی واضح ہو چکی تو ''صداقت گوجرہ'' میں اس غلطی کی اشاعت کر دو تاکہ شیعہ حضرات آپ کی اس تفسیر کو صحیح جان کر گنہگار نہ ہوتے رہیں۔ جواب میں فرمایا ''یہ کام بہت مشکل ہے ایسا کون کر سکتا ہے؟''

میرے محترم ناظرین کتاب ہذا اسی ایک کارروائی سے تمام کتاب تحقیق فدک کے جواب نامی ''توثیق فدک'' کی علمی دیانت داری اور جہالت کی پردہ داری کو معلوم کر سکتے ہیں۔ یہاں تخصیص کی دلیل کا مطالبہ قرآن سے کیا ہے۔ سبحان اللہ! اپنے مذہب

کی بھی خبر نہیں۔ باتفاق شیعہ وسنی اصولیین اور فقہائے عظام حدیث صحیح اور حدیث مشہور تخصیص کی دلیل بن سکتی ہے۔ (دیکھو تحقیق ''فدک'' صفحہ ۴۲ تا ۴۶)

خصوصیات نبویہ کے اثبات کے واسطے نصوص قرآنیہ کا التزام اس دنیا میں کسی عالم نے نہیں کیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو سوال فدک کے جواب میں ایک حدیث پیش کی تھی۔ جس کے مشہور ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے اس حدیث کی تکذیب نہیں فرمائی۔ وہ دلیل خصوصیت ہی تو تھی۔ خدا جانے آپ کو کیوں نظر نہ آئی کہیں ایسا نہ ہو کہ بصیرت کے ساتھ بصارت بھی رخصت ہو گئی ہو، اور سیدہ نساء العالمین رضی اللہ عنہا کا سوال لاعلمی کی وجہ سے نہ تھا۔ یہ آپ کی لاعلمی ہے بلکہ آنجناب کا سوال صرف لوگوں کو یہ مسئلہ بتلانے کے لیے تھا جیسا کہ میں نے تحقیق فدک کے صفحہ ۶۸ تا ۷۱ پر اس چیز کو خوب وضاحت سے لکھ دیا ہے۔

ماسٹر بے چارے نے میری کتاب ''تحقیق فدک'' نہ پڑھی ہے نہ سمجھی ہے یوں ہی جواب لکھنے کے شوق میں بدمست ہو گئے ہیں اور گوجرہ کے اسماعیل کو ''اعجاز حسینی'' نظر آ گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حدیث خصوصیت سماع فرما کر سیدۂ نساء عالم نے ازراہِ رضامندی خاموشی اختیار کی تھی۔ بھلا یہ ممکن بھی ہے کہ حدیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سن کر آپ خفا ہو جائیں؟ اس حقیقت کو میں نے ''تحقیق فدک'' کے صفحہ ۶۸ تا ۷۱ پر واضح کیا ہے۔ جس حدیث سے راقم آثم نے تخصیص کا استنباط کیا ہے وہ اصول کافی کے صفحہ ۸ پر درج ہے۔ یہ فرمودات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہے اور اس کے راوی حضرت امام جعفر صادق فرزند امام محمد باقر رضی اللہ عنہما ہیں۔ یہ نکتہ ماسٹر صاحب کے دربار عالیہ میں کون پیش کرے کہ راوی حدیث کے عالم حدیث بھی ہوتے ہیں۔ جانے بغیر روایت کرنا صرف اور صرف ماسٹر صاحب ہی کا کام ہے۔ آپ سے کس نے کہہ دیا کہ سنی اہل علم حضرات سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت کو دلیل تخصیص بناتے ہیں؟ یہ غریب تو اصول کافی کی مذکورہ بالا حدیث رسول کو دلیل تخصیص بنا رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تحقیق فدک کی سلیس اردو بھی ماسٹر صاحب کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ کتاب تحقیق فدک میں دلیل تخصیص

کہیں بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی روایت کو نہیں بنایا گیا۔ جب ہمارا خطاب رافضہ سے ہے تو استدلال میں صدیقی روایت کو کیونکر پیش کر سکتے ہیں؟ اس قاعدے کو ہمیشہ ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔اسی قاعدہ سے غافل ہونے کے سبب سے امام زہری کے تشیع کے اظہار پر ایک ہنگامہ برپا کر دیا گیا تھا۔ قیامت تو بہت دور ہے۔ راقم حروف نے اس مسئلہ کے بارے میں اہل بیت کے علم کو ثابت کر دیا ہے۔

(دیکھو تحقیق فدک، باب اول نیز دیکھو تحقیق فدک صفحہ ۶۶ تا ۶۷)

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۳۰

پہلی دلیل تخصیص ایسی حدیث ہے جس کو اہل بیت کے افراد کرام جانتے پہچانتے ہیں اور چونکہ اس حدیث کے راویوں میں وہب بن وہب ابو البختری کا نام ونشان نہیں ہے۔ اس لیے اس کے ضعیف ہونے کا خیال خام خیالی ہے اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے اور اگر علمائے اہل سنت حدیث رسول کے معانی سمجھنے سے قاصر ہوتے تو حضرت علی المرتضٰی سواد اعظم کی تابعداری کا حکم ہرگز نہ دیتے اور سواد اعظم کے اتباع کا علوی ارشاد نہج البلاغہ جلد دوم، مطبوعہ مصر صفحہ ۱۱ پر موجود ہے فرمایا:

((والزموا السواد الاعظم فان ید الله علی الجماعة))

"اور بڑی بھاری جماعت کا دامن پکڑو۔ اس لیے کہ اس جماعت پر خدا تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔"

دامن پکڑنے کا مطلب اتباع کے سوا کیا ہو سکتا ہے؟ اگرچہ شیعہ علماء نے توثیق فدک پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ مگر بے چارے ماسٹر صاحب کو تخصیص کے مفہوم سے واقف نہیں کیا اور راقم الحروف نے تحقیق فدک صفحہ ۴۴ پر جو تخصیص کا مفہوم اور مصداق بیان کیا ہے وہ آپ کی سمجھ شریف میں نہیں آیا۔ یا یوں ہے کہ میری کتاب کا مطالعہ کیے بغیر تردید لکھنے بیٹھ گئے ہیں۔

توثیق فدک صفحہ ۲۷ پر ایک سوال کے نیچے تحقیق فدک کے صفحہ ۶ سے ایک عبارت جناب ماسٹر صاحب نے نقل کی ہے جو باوجود تلاش کے دستیاب نہیں ہوئی ہے

خدا جانے ماسٹر صاحب نے یہ عبارت تحقیق فدک کے کون سے صفحہ سے نقل کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی طرف سے ایک عبارت تیار کر کے تحقیق فدک کے دامن سے باندھ ڈالی ہے۔

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

اس بہتان تراشی کے بعد بلا فصل صاحب تحقیق فدک کے ذمہ ایک بہتان تراشی لگائی ہے کہتے ہیں مصنف صاحب فلک النجات نے ہرگز حدیث مذکورہ کو موضوع نہیں لکھا۔ یہ سراسر حضرت شاہ صاحب کی بہتان تراشی ہے۔ ایسا سفید جھوٹ لکھتے وقت خدا جانے جناب والا کو اپنی عدالت کا خیال کیوں نہیں رہا؟ (دیکھو توثیق فدک صفحہ ۲۸)

راقم الحروف صرف اس قدر گزارش کرتا ہے کہ مہربانی کر کے فلک نجات طبع اول، جلد اول صفحہ ۳۹۷ سطر ۱۴ دیکھ لیں۔ اگر وہاں سے اس حدیث کے موضوع ہونے کا خیال صاف طور پر درخشاں نظر آ جائے تو اپنی کج فہمی کا یقین فرمالیں۔ اور اگر صفحہ مذکورہ پر یہ چیز نظر نہ آئے تو میری ملاقات کے لیے کوئی وقت فارغ کریں۔ بفضلہٖ تعالیٰ اطمینان قلبی حاصل ہو جائے گا اور بہتان تراشی کی نسبت راقم آثم کی جانب کرنے سے تائب ہو جائیں گے کتاب کافی کی ساری حدیثوں کو میں نے کب صحیح کہا؟ اگر میں ان احادیث کو صحیح جانتا تو مدت سے شیعہ ہو چکا ہوتا۔ بلکہ میں نے تو شیعہ علمائے عظام میں سے چار بڑے مجتہدین کی شہادت نقل کی ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ کافی کی تمام حدیثیں صحیح ہیں۔ اسی طرح من لا یحضرہ الفقیہ کے شارح محقق کی عبارت کا خلاصہ درج کیا ہے۔ دیکھو تحقیق فدک صفحہ ۷ اور ماسٹر صاحب ہیں کہ اپنی کتاب توثیق فدک کے صفحہ ۲۹ پر ایک سوال کے عنوان سے میرے ذمے لگا رہے ہیں کہ تحقیق فدک کا مصنف یوں کہتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میں نے اصول کافی سے متعلق جو کچھ بھی لکھا ہے وہ رافضی نظریات اور شیعہ تصورات کی روشنی میں لکھا ہے۔ اس لیے میری جانب سے بارھویں امام پر اعتراض کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ بارھویں امام پر جو اعتراض بھی وارد ہوگا۔ وہ شیعہ تخیلات کی بنا پر ہی ہوگا۔ باقی رہا حدیث میراث کے معنی

کا سوال تو میں نے تحقیق فدک صفحہ ۱۲ تا ۱۷ پر تمھارے اور تمھارے استاذ علی محمد اور حکیم امیر الدین کے تجویز کردہ معنی کی خوب خبر لی ہے۔ مجھے امید نہیں کہ آپ اس مقام کو سمجھے ہوں۔ اگر آپ نے تحقیق فدک کا یہ مقام سمجھ لیا ہوتا تو میری محنت اور کاوش کا نام نرالا اجتہاد ہرگز نہ رکھا ہوتا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث میراث مرویہ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ شیعہ نظریات کی رو سے صحیح ہے۔ اور اس کے معنی بھی وہی ہیں جو راقم الحروف نے لکھے ہیں۔ اور یہی معنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دل میں موجود تھے۔ اگر اس حدیث کے وہ معنی ہوتے جو علی محمد اور حکیم امیر الدین اور ماسٹر منظور حسین صاحبان کے اذہان سافلہ میں جاگزیں ہیں۔ اور یہی معنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ذہن مبارک میں ہوتے تو اراضی فدک ضرور بالضرور وارثان فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا پر لوٹا دیتے اور جب ثابت ہو چکا کہ صاحب فلک کے مزعومہ معانی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ذہن میں نہیں تھے۔ تو از خود ثابت ہو جائے گا کہ باقی گیارہ بزرگ بھی اس اختراعی معنی سے خالی الذہن تھے۔ جیسا کہ ''توثیق فدک'' صفحہ ۳۰، سطر ۶ پر ماسٹر صاحب نے بقلم خود تحریر فرمایا ہے:

> ''ان حضرات معصومین کی یہی تو خاصیت ہے جو چیز پہلے نے فرمائی درمیانی اور آخری نے اس کی تصدیق فرما دی۔''

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۳۲

صاحب فلک نے حدیث خصوصیت کے جو معنی اپنی کتاب میں لکھے ہیں۔ یہاں جواب الجواب میں دلائل عقلیہ اور شواہد نقلیہ کے زور سے ہم نے باطل کر دیے ہیں۔ صفحہ ۱۵ تا ۲۰ مطالعہ کرنے کے بعد کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی یہی وجہ ہے کہ جناب صاحب توثیق رتیق یہاں شیعہ علمائے عظام کی بحر العلومی اور تقدس مآبی کے تذکرہ کے سوا کچھ لکھنے پر قادر نہیں ہو سکے۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۳۷

یہاں ماسٹر صاحب نے راقم تحقیق فدک کو ظاہر قرآن کا منکر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، مگر گزارش ہے کہ اگر عموم آیات قرآنیہ کی تخصیص بذریعہ حدیث نبی کریم

ﷺ انکار قرآن ہے تو اس سے آپ کے مذہب کے مصنف بھی بچ نہیں سکتے۔ کیا آپ کے فقیہان عظام نے اپنی کتب فقہ میں نہیں لکھا کہ کوئی بیوی اپنے خاوند کی غیر منقولہ جائداد کی وارث نہیں ہوسکتی۔ پس قرآن حکیم میں خدا تعالیٰ نے جو فرمایا:

﴿وَ لَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ﴾

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے مردو! اگر تمھارے کوئی اولاد نہ ہو تو تمھاری بیویوں کے لیے تمھارے تمام متروکات سے ایک چوتھائی ملے گی اور اگر تمھارے کوئی اولاد ہو تو تمھارے تمام متروکہ میں سے انھیں آٹھواں حصہ ملے گا۔ اس آیت میں غور کرو کیا یہاں منقولہ اور غیر منقولہ جائداد کا کوئی بیان ہوا ہے؟ ہرگز نہیں شیعہ مجتہدین نے احادیث آئمہ کرام کے ذریعہ سے اس آیت کے عموم کو خصوص سے بدل دیا یہ چیز شیعہ مذہب کے مسلّمات میں سے ہے۔ مگر کیا کیا جائے جناب ماسٹر صاحب شیعہ مذہب کی ابجد سے بھی واقف معلوم نہیں ہوتے۔ اور گوجرہ کے اسماعیل صاحب ہیں کہ ان کی تحریرات میں اعجاز حسینی کا تماشا کر رہے ہیں۔

وزیرے چنیں شہر یارے چناں
جہاں چوں نگیرد و قرارے چناں

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۳۸

تقیہ جان کے بچاؤ کے لیے ہوتا ہے اور کتمان حق میں یہ شرط نہیں ہوتی اسی فرق کی بنا پر مولوی کلینی نے کتاب اصول کافی میں کتمان حق اور تقیہ کے باب الگ الگ قائم کیے ہیں۔ یہاں ماسٹر منظور حسین صاحب بری طرح کم فہمی کے شکار ہوئے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ کتمان حق، یعنی تقیہ دیکھو ان کی کتاب صفحہ ۳۴ جناب ماسٹر صاحب اجنالوی نے اپنی کتاب کے صفحہ مذکورہ پر قرآن حکیم سے وہی پانچ آیات نقل کر دی ہیں جو فلک نجات کے صفحہ ۴۰۰ پر درج ہیں اور جن کے جوابات تحقیق فدک صفحہ ۱۷ پر نیز صفحہ ۴۲ تا ۵۹ پر نہایت مفصل اور مدلل لکھے جا چکے ہیں۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۳۹

یہاں کتمان حق کے بارے میں جو احادیث آئمہ کرام اصول کافی سے نقل کی گئی ہیں۔ ان سے استنباط کیا گیا ہے کہ شیعہ علمائے عظام کے یہاں جو بات آئمہ کرام کی نسبت مشہور ہوگی وہ باطل ہوگی۔ اور جو بات بہ نسبت آئمہ کرام غیر مشہور ہوگی وہ حق و صداقت سے پُر ہوگی۔ ہمارے اس استنباط اور اجتہاد پر تو ماسٹر صاحب نے کوئی اعتراض نہیں کیا، اور نہ ان کی طاقت ہے کہ اس پر کوئی اعتراض کرسکیں۔ ہاں کتمان حق کے اپنے اصول کو مدلل اور مبرہن کرنے کے درپے ہو گئے ہیں۔ سوال گندم جواب چیناں یہی تو ہے۔ آپ یوں سمجھ رہے ہیں کہ تحقیق فدک میں شیعہ کے اصول کتمان حق کی تردید ہو رہی ہے اس لیے آپ اس کے اثبات پر اصرار کرنے لگ گئے ہیں۔ حالانکہ تحقیق فدک کی کسی عبارت سے یہ چیز ثابت نہیں ہو رہی نہ اشارتاً نہ کنایتاً، ان کی ناسمجھی اور کج فہمی کا رونا کب تک رویا جائے گا نہ تو تقیہ اور کتمان حق کے فرق کو سمجھ سکے اور نہ کتمان حق کے اصول سے جو کچھ استنباط کیا گیا ہے اس کی طرف متوجہ ہو سکے اور نہ شیعہ کے مبلغ اعظم ہیں کہ ایسی تحریرات میں اعجاز حسینی کا نظارہ فرما رہے ہیں۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۴۴

پہلے میں لکھ آیا ہوں کہ تحقیق فدک میں خطاب اہل تشیع سے ہے۔ اس لیے ان کے مسلمات سے گفتگو کی جائے گی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ''تحفہ اثناء عشریہ'' کے آغاز میں کیا خوب لکھا ہے کہ فرقہ شیعہ سے اس وقت تک گفتگو کوئی نتیجہ پیدا نہیں کرسکتی، جب تک کہ ان کی مسلم کتابوں سے نہ ہو۔ روایت صدیق اور روایت صادق دونوں ایک ہی مضمون بیان کر رہی ہیں۔ اس لیے میں نے بجائے روایت صدیق کے روایت صادق کو تخصیص آیت میراث کے سلسلہ میں ذکر کر دیا۔ اس موقع پر بے چارے ماسٹر منظور صاحب بہت پریشان ہوئے ہیں اور بار بار کہتے ہیں کہ تمھارا احادیث آئمہ معصومین سے کیا واسطہ؟

ابھی تک ان غریبوں کو اس بات کی بھی خبر نہیں کہ سنی لوگ آل و اصحاب دونوں

کے اقوال اور اعمال کو حجت اور واجب التقلید جانتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ شیعہ کتب میں جو روایات آئمہ کرام و اہل بیت عظام کی جانب نسبت کر دی گئی ہیں وہ نسبت صحیح نہیں ہے اس لیے غور کرتے اور تفتیش کرتے ہیں۔ کتب شیعہ میں جو آئمہ کرام کی حدیث ایسی ہو جس کی نسبت میں کوئی شبہ نہ ہو اس حدیث کو بسر و چشم قبول کرتے ہیں۔ اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی حدیث میراث بھی اسی قبیل سے ہے۔ پس ہم کون ہوتے ہیں کہ اس حدیث کو صحیح تسلیم نہ کریں؟ پس تعجب کی بات تو یہ ہوگی کہ شیعہ حضرات حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی حدیث میراث سے کنی کترا کر دور بھاگ جائیں۔ معلوم ہوگیا کہ صاحب فلک نجات بھی دل سے احادیث آئمہ کرام کو نہیں مانتا۔ ورنہ اس حدیث کے ہوتے ہوئے اس کی کیا مجال تھی کہ روایت صدیق بابت میراث پر اعتراض کرتا اور اس کو تخصیص کی قابلیت سے محروم کرتا۔

(دیکھو فلک نجات جلد اول، طبع اول صفحہ ۲۰۱، سطر ۱۲)

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۴۹، ۵۰

اس موقع پر جو تقریر میں نے درج کی ہے وہ برسبیل تنزل ہے۔ مراد میری یہ ہے کہ اگر عدم علم حدیث میراث تسلیم کر لیا جائے تو وجہ فرق یہ ہے کہ قاضی کو جس قدر اس میراث کی ضرورت ہے دوسرے لوگوں کو اس مقدار میں ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر آپ اس مسئلہ میں میری تحقیق دیکھنا چاہتے ہیں تو میری کتاب تحقیق فدک صفحہ ۶۶، ۶۷، ۶۸ سے ملاحظہ کریں۔ جہاں میں نے دلائل اور براہین سے ثابت کیا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا حدیث میراث کو جانتی تھیں۔ سوال فدک کا مدار لاعلمی حدیث میراث نہیں تھا، بلکہ سوال فدک تشہیر مسئلہ کے لیے کیا گیا تھا۔ چنانچہ اس بار ضمیمہ میں اس کے شواہد اور نظائر پیش کیے جائیں گے۔

اس موقع پر منظور حسین صاحب اجنالوی نے اپنی توثیق رقیق میں ایک ایسی فریب کاری فرمائی ہے جس کی نظیر دنیائے اسلام میں ملنی سخت مشکل ہے اور اگر یہ کارروائی عمداً اور قصداً نہیں کی تو پھر جہالت کی بھی حد ہوگئی۔ تفسیر کبیر امام فخر الدین

رازی رحمہ اللہ سے ایک عبارت نقل کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث میراث کی ضرورت علی، فاطمہ اور عباس رضی اللہ عنہم کو تھی۔ ابو بکر کو اس مسئلہ کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ پھر یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ صاحب ضرورت کو تو حسب ضرورت مسئلہ نہ بتلایا جائے اور بتلایا جائے تو اس شخص کو جو ذرہ بھر ضرورت مند نہیں ہے۔ اور جناب ماسٹر منظور حسین صاحب نے عوام اور خواص کو یقین دلایا ہے کہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کا یہ فیصلہ ہے اس فیصلہ نے تحقیق فدک کے مندرجات پر پانی پھیر دیا ہے۔

راقم الحروف احمد شاہ بخاری صاحبان انصاف کی خدمت میں عرض گزار ہے کہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کی تفسیر کبیر کوئی نایاب کتاب نہیں ہے۔ اس وقت تفسیر مذکور میرے سامنے کھلی ہوئی موجود ہے۔ اس کے صفحہ ۱۵۷ جلد سوم پر تحت آیت **يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ**...... آپ لکھتے ہیں کہ اس آیت کی تخصیصات میں سے ایک تخصیص وہ بھی ہے جو اکثر مجتہدین کا مذہب ہے کہ پیغمبر ان علیہم السلام موروث نہیں ہوتے یعنی ان کی دنیوی میراث کوئی نہیں ہوتی۔ اس تخصیص میں صرف شیعہ نے مخالفت کی ہے۔ اس کے بعد حضرت امام المفسرین فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے شیعہ علماء کی تقریر اس مسئلہ میں نقل کی ہے۔ جس کا ایک ٹکڑا لے کر جناب ماسٹر صاحب نے تحقیق فدک کی تحقیقات پر بزعم خویش پانی پھیر دیا ہے۔ شیعہ علمائے عظام کی تقریر نوٹ کرنے کے بعد امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اپنی طرف سے اس کی نہایت تسلی بخش تردید کی ہے۔ اب کوئی صاحب انصاف ماسٹر صاحب سے پوچھے کہ آیا امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کا یہ فیصلہ ہے تو اپنے فیصلہ کی خود ہی تردید میں کیوں مصروف ہوگئے اور اگر یہ شیعہ علمائے عظام کا فیصلہ ہے تو تحقیق فدک کی تحقیقات پر کیا اثر انداز ہوسکتا ہے؟

کوئی اسماعیل گوجروی سے دریافت کرے کہ یہی اعجاز حسینی ہے جو آپ نے توثیق رفیق میں دیکھا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مکائد شیعہ کی کوئی انتہا نہیں۔ اگرچہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنے تحفہ میں ان کے مکائد کا شمار کیا ہے۔ یہ مکروفریب ان مکائد میں سے ہے جو آپ نے تحفہ میں درج نہیں کیے۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۲۵

کسی حدیث کا متواتر ہونا اور چیز ہے اور صحیح ہونا دوسری چیز ہے اس موقع پر ماسٹر صاحب ان دونوں چیزوں میں فرق معلوم نہیں کر سکے اور شور مچایا ہے کہ لو صاحب تحقیق فدک نے، بخاری اور مسلم کی حدیثوں کو غیر صحیح کہہ دیا۔ خدا کے بندے! تیرے مرشد امیر الدین جھنگوی نے لکھا کہ حدیث غصب اہل سنت کے یہاں متواتر ہے۔ اور یہ بہتان عظیم تھا۔ اس لیے میں نے تحقیق فدک میں لکھا کہ روایت غصب متواتر نہیں بلکہ خبر واحد ہے کیونکہ اس کا راوی ایک درجہ میں صرف ایک ہے اور وہ ابن شہاب زہری ہے۔ اگر ماسٹر صاحب میرے اس دعویٰ کی تردید کرنے کا شوق رکھتے تھے تو ان کا فرض تھا کہ ابن شہاب زہری کے علاوہ ہماری صحاح ستہ میں سے کسی دوسرے راوی کا نام پیش کرتے جو کام ان کے کرنے کا تھا اس پر تو قدرت نہ تھی اور نہ آیندہ ہوگی۔ بس یوں ہی ناسمجھی سے تواتر کے انکار کو صحت کا انکار قرار دے دیا۔ اور تین چار صفحات سیاہ کر ڈالے۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۴۸

یہاں پہنچ کر جناب ماسٹر منظور صاحب اجنالوی نے لفظ تعارض پر بڑے غضب کا اظہار کیا ہے۔ اور اس کو صاحب تحقیق فدک کی سینہ زوری قرار دیا ہے وغیرہ وغیرہ اگر آپ تھوڑی تکلیف برداشت کر کے اپنے مرشد حکیم امیر الدین صاحب کی کتاب فلک نجات کو دیکھ لیتے تو سارے کا سارا غصہ اور تمام جوش غضب ٹھنڈا ہو جاتا۔ کیونکہ فلک نجات کے صفحہ ۳۹۴ پر جو کارروائی موجود ہے اس کو تعارض کے علاوہ کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ صفحہ مذکورہ پر پانچ جواب لکھے ہیں۔ یہ پانچوں جوابات بانگ دہل اعلان کر رہے ہیں کہ ہم تعارض کے جوابات ہیں۔ پس عجیب بات یہ ہے کہ رضامندی اور ناراضگی کی روایات میں تعارض فرض کر کے جواب کی کوشش تو کر رہے ہیں حکیم امیر الدین مرشد منظور حسین صاحب اور آپ کا تمام نزلہ گر رہا ہے غریب خادم اہل بیت مؤلف تحقیق فدک پر۔ سچ ہے نزلہ بر اندام ضعیف می ریزد۔ اور یوں کہنا کہ اصول کافی

کی حدیث مندرجہ صفحہ ۷ میراث کی نفی کرتی ہے۔ اور من لایحضرہ الفقیہ کی حدیث میراث سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا میراث کو ثابت کرتی ہے۔ پس ان میں تعارض قائم ہو گیا۔ اور اندریں حالات مثبت کو نافی پر ترجیح ہوتی ہے۔ لہٰذا حدیث مندرجہ اصول کافی واجب الترک ہے۔ خود فریبی ہوگی یا ابلہ فریبی۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ من لایحضرہ الفقیہ کی حدیث میراث فاطمہ قرآن کی صریح آیات کے مخالف ہے۔ تو وہ بالکل باطل ہوگئی۔ اب مثبت کو نافی پر ترجیح دینے اور مقدم کرنے کا قصہ ہی فضول ہے۔ روایت اور درایت کے لحاظ سے اگر دونوں روایتیں صحیح ہوتیں تو ترجیح کا مذکورہ قاعدہ کارآمد ہو سکتا تھا۔ ماسٹر صاحب اتنا بھی نہیں جانتے کہ اس قاعدے کو کہاں کہاں استعمال کیا جا سکتا ہے؟ سچ ہے جیسی 'روح ویسے فرشتے'

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۵۰، ۵۱

یہاں محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے اپنے دونوں بھائیوں حسنین کریمین رضی اللہ عنہما سے علمی میراث کا جو مطالبہ کیا تھا تو اس کے جواب میں بروایت امام جعفر صادق رحمہ اللہ ایک صحیفہ دیا گیا تھا جس میں آیندہ سیاسی انقلابات مذکور تھے۔ امام جعفر صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ محمد ابن حنفیہ رحمہ اللہ سے جو عجیب عجیب علوم ظاہر ہوتے تھے وہ اسی صحیفہ کا فیض ہوتا تھا۔ یہ تمام تفصیل حدیدی جز ہفتم صفحہ ۲۹۳ پر دیکھی جا سکتی ہے۔

یہاں بھی ماسٹر منظور حسین صاحب اجنالوی اپنی بے نظیر تحریر توثیق رقیق میں کج فہمی کا بری طرح شکار ہوئے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ازروئے درایت سخت کمزور ہے۔ لائق حجت نہیں ہو سکتی، کیونکہ علمی میراث قابل تقسیم نہیں ہے۔ مندرجہ بالا تفصیل سے واضح ہو گیا کہ محمد ابن حنفیہ رحمہ اللہ نے صحائف علویہ کا مطالبہ کیا تھا۔ اور کون نہیں جانتا کہ کتابیں تقسیم ہوتی رہتی ہیں۔ ایک شخص کی علمی کتابیں اس کی اولاد میں تقسیم ہوتی رہتی ہیں۔ یہ کتابوں کی تقسیم علم ہی کی تقسیم تو ہے۔ راقم الحروف نے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرزندوں کے مکالمہ سے لفظ وراثت کے مال اور علم اور حکومت میں مشترک لفظی ہونے کا استنباط کیا ہے۔ اس پر بھی جناب ماسٹر صاحب چیں بجبیں نظر آتے ہیں۔ اور

کہتے ہیں کہ ہمارے لیے حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کی تائید کافی ہے ان کے مقابلہ میں محمد ابن حنفیہ رحمہ اللہ کے کمالات کچھ نہیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ امامین کریمین رضی اللہ عنہما نے لفظ وراثت سے مال کی وراثت مراد لی ہے۔ اس لیے ہر جگہ وراثت سے مراد مال کی میراث ہوگی اور محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے لفظ وراثت سے جو علم کی وراثت مراد لی ہے تو اس کا کچھ اعتبار نہیں کیونکہ آپ اگرچہ روحانی کمالات کے بدرجہ اتم مالک ہیں مگر حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے کمالات کو نہیں پہنچ سکتے۔

ناظرین کرام! غور کا مقام ہے کہ ایک عربی لفظ کے معنی دریافت کرنے میں روحانی کمالات کا کیا دخل ہوسکتا ہے؟ اس کے واسطے تو اہل زبان ہونا کافی ہے۔ مذہب کو بھی اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں ہے۔ کیا عربی الفاظ اور تراکیب کے مفہوم معین کرنے میں جاہلیت کے شاعروں کا کلام استعمال نہیں کیا جاتا جن کا اسلام بھی ثابت نہیں ہوسکتا۔

دوسری عرض یہ بھی ہے کہ جو معنی قرینے کا محتاج ہو وہ حقیقی معنی ہرگز نہیں کہلا سکتا۔ مجازی معنی ہمیشہ قرینہ کے محتاج ہوا کرتے ہیں۔ اس بات کو علمائے معانی نے اپنی کتابوں میں ہزار دفعہ لکھا ہے۔

جناب ماسٹر صاحب نے جو مثال یہاں ذکر کی ہے وہ عجیب تر ہے اتنا بھی نہیں سمجھے کہ لفظ عالم کا معنی تینوں مقاموں میں ایک ہی ہے جاننے والا۔ ہاں مفعول بہ مذکور نہیں ہے۔ اس لیے اس کی تعیین حسب موقع ہوگی۔ یہاں حقیقت اور مجاز کا کوئی قصہ ہی نہیں۔ یہ زمانہ بھی دیکھا جس میں حقیقت و مجاز کے معنی سے جاہل حضرات صاحب تصنیفات بن گئے۔

یہاں بھی حسب عادت ایک عظیم فریب کاری کو ماسٹر صاحب نے استعمال فرمایا ہے۔ دیکھو توثیق فدک صفحہ ۵۸، فتاویٰ عزیزی کے ترجمہ سرور عزیزی، جلد اول صفحہ ۳۳۹ سے ایک عبارت نقل کی ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے وقف کیا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف نے اس موضع کو جس کی حدیں معلوم ہیں۔ حضرت

فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے اور ایسا وقف کیا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوا دوسرے کے لیے وہ موضع حرام کر دیا گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے یہ وقف ہمیشہ کے لیے کر دیا۔ اور یہ شرط فرمادی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد یہ موضع ان کی ذرّیات کے لیے وقف رہے گا تو جو شخص یہ سن کر وقف کو تبدیل کر دے تو اس کا گناہ تبدیل کرنے والوں پر ہے تحقیق ہے کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

ناظرین کرام! سرورعزیزی میرے سامنے کھلی ہوئی ہے۔ بے شک اس کے صفحہ ۳۳۹ پر عربی عبارت مع ترجمہ مذکور درج ہے مگر صفحہ ۳۳۸ تا ابتدائے صفحہ ۳۴۰ سوال مذکور ہے۔ جو کسی شیعہ نے حضرت خاتم المحدثین دہلوی رحمہ اللہ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ چنانچہ اس سوال کے جواب کو سرورعزیزی کے صفحہ ۳۴۰ سے لے کر صفحہ ۳۴۶ تک تحریر فرمایا ہے۔ پس عبارت وقف نامہ شیعہ سائل کے سوال میں درج ہے۔ اس کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرنا اور پھر ہمارے سامنے بطور احتجاج اور الزام پیش کرنا فریب کاری میں اپنی نظیر آپ نہیں تو اور کیا ہے؟ اور یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ شیعہ معترض نے یہ عبارت معارج النبوت سے نقل کی ہے۔ حالانکہ معارج النبوت میں اس وقف نامے کا نام ونشان نہیں ہے۔ اگر توثیق فدک کے مؤلف میں جرأت ہے تو معارج النبوت سے نکال کر دکھلائیں۔ یہ کتاب کوئی نایاب نہیں ہے۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۵۲

یہاں جو حدیث حدیدی شرح نہج البلاغۃ سے پیش کی گئی ہے وہ شیعہ کی مشہور اور معروف کتاب دلائل الامامت کے صفحہ ۳ پر بھی موجود ہے۔ مگر باوجود اس کے ماسٹر منظور حسین صاحب اجنالوی ابن ابی الحدید کے تشیع کی نفی میں مصروف ہیں۔ ہماری اس دلیل چہارم کے جواب کے لیے صرف ابن ابی الحدید کے مذہب کی تحقیق کفایت نہ کرے گی۔ بلکہ دلائل الامامت کو بھی اہل سنت کی تصنیف ثابت کرنا ہوگا۔

اس حدیث میں ماسٹر منظور حسین صاحب نے تسلیم کر لیا ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے وراثت سے مراد وراثت مال کی نہیں لی۔ بلکہ اخلاق کی وراثت مراد

لی ہے۔ حالانکہ اپنی کتاب کے صفحہ ۵۵ پر اصرار کر رہے تھے کہ وراثت کے معنی مال کی وراثت حقیقی معنی ہے۔ اور دوسرے معنی مجازی ہیں۔ کیا خوب کہہ گئے ہیں کہنے والے

"دروغ گو را حافظہ نباشد"

مطالبہ فدک کی تحقیق میری کتاب کے صفحہ ۶۸ اور ۶۹ پر آرہی ہے۔ وہاں سے واضح ہوگا کہ مطالبہ لاعلمی پر مبنی نہ تھا۔ بلکہ غرض تشہیر مسئلہ تھی۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۵۵

کون کہتا ہے کہ اہل بیت کا مذہب وہ ہے جو "اصول کافی" اور "من لایحضرہ" اور "استبصار" اور "تہذیب الاحکام" میں مرقوم ہے؟ یہ تو ابوبصیر مرادی اور زرارہ صاحبان کی تصنیف شدہ روایات ہیں جن پر ائمہ کرام اہل بیت عظام نے بار بار لعنت کی ہے۔ (دیکھو رجال کشی، مطبوعہ ممبئی)

سبحان اللہ! من لایحضرہ الفقیہ میں مندرجہ حدیث امام محمد باقر رضی اللہ عنہ تو قرآن کی مفسر اور مبین ہوسکتی ہے۔ مگر اصول کافی کی حدیث امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ **یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ** کی تفسیر اور تخصیص نہیں کرسکتی۔ کیا شیعہ مذہب کے مجتہدین عظام نے کہیں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ اصول کافی کی احادیث لائق تخصیص نہیں اور من لایحضرہ الفقیہ کی احادیث قابل تخصیص ہیں۔ بینوا توجروا یہ بھی عجیب بات ہے کہ من لایحضرہ الفقیہ کی روایت کو مخالف صراحت قرآن ہونے کی وجہ سے ہم نے حسب قاعدہ شیعہ باطل قرار دیا ہے۔ اور جناب منظور حسین صاحب ہیں کہ اس حدیث سے آیت سورہ نساء ﴿ **وَ لَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ** ...... ﴾ کی تخصیص کا راگ الاپ رہے ہیں۔

"بریں فہم و دانش بباید گریست"

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر

ہماری چھٹی عقلی دلیل کی تردید تو آپ کے بس کی بات نہ تھی۔ اس لیے بجائے اس دلیل کے جوابات لکھنے کے ہماری عقل پر مرثیہ خوانی شروع کردی۔ کافی سے زیادہ مرثیہ خوانی کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر آنحضرت ﷺ کے فرزندان نرینہ آپ کی وفات

کے بعد زندہ رہتے تو وہ کھاتے پیتے کہاں سے؟ معلوم ہوتا ہے کہ جناب ماسٹر صاحب خداوند تبارک وتعالیٰ کی رزاقی کے معتقد نہیں۔ کیا قرآن میں ﴿ وَّ یَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ﴾ موجود نہیں ہے؟ کیا اس دنیا میں میراث کے علاوہ خدا تعالیٰ نے کوئی ذریعہ معاش نہیں بنایا؟ پیغمبر تو عام انسانوں سے خاص ہیں۔ ان کی تو بات ہی اور ہے۔ عامۃ الناس کو لے لیجیے۔ کیا جو مسلمان تنگدستی اور فاقہ مستی کے عالم میں مر جائے۔ اس کی اولاد بھوکوں مر جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی رزاقی کے نمونے شمار سے باہر ہیں۔ مولوی سعدی مرحوم نے بوستاں میں کیا خوب لکھا ہے۔

بحکمت جو بر کس بہ بند دورے
کشاید بفضل و کرم دیگرے

ابھی تک جناب ماسٹر صاحب کو ﴿ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴾ کے معنی ہی نہیں آئے۔ قرآن کی آیات کے معنی تو بعد کی بات ہے۔ آپ نے اس گھڑی تک کسی استاد سے قرآن حکیم کی عبارت بھی صحیح نہیں کی۔ حسب زعم شیعہ کے مبلغ اعظم ''اعجاز حسینی'' تو جب متحقق ہوتا کہ آپ بغیر استاد کے قرآن حکیم کی عبارت اور معنی کے حافظ ہو جاتے۔ اچھا کوئی بات نہیں ابھی وقت ہے۔ کسی شیعہ اہل علم سے مذکورہ آیت رزق کے معنی دریافت کر لیں۔ تاکہ ہماری دلیل ششم پڑھنے کے بعد آپ کو جو وسوسے عارض ہوئے ہیں۔ ان سے گلو خلاصی ہو جائے۔ واقعی آپ سے پہلے شیعہ وسنی حضرات میں کوئی بھی ایسا نہیں ہوا جس نے کہا ہو کہ پیغمبران علیہم السلام کے پاس دنیوی مال کا نہ ہونا موجب نفرت ہوتا ہے۔ اس لیے ان حضرات کا دولت مند ہونا لازمی امر ہے۔ اس لیے آپ کے عنوان ''انکشاف حقیقت'' کی میں بھی داد دیتا ہوں۔ لیکن ساتھ ہی عرض گزار ہوں کہ جب سے دنیا قائم ہوئی ہے اور اس میں سلسلہ انبیائے کرام علیہم السلام جاری ہوا ہے کوئی ایک متنفس بھی ایسا دکھایا نہیں جا سکتا جو پیغمبر کی دولت مندی دیکھ کر اس کی طرف راغب ہوا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ عالم یہود نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک چہرہ دیکھا تو بے ساختہ کہنے لگے کہ جھوٹے لوگوں کے

چھرے ایسے نہیں ہوا کرتے اور اسلام کے حلقہ بگوشوں میں داخل ہو گئے۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۸۵

شیعی دلائل کے جواب میں ہم نے التزام کیا ہے کہ ان کے مسلمات سے لکھا جائے۔ اسی واسطے آپ کو تینوں آیات کی تقریر اور تفسیر میں کتب شیعہ کے حوالہ جات ملیں گے۔ اصول مناظرہ کے لحاظ سے ماسٹر منظور حسین صاحب کا حق یہ تھا کہ کتب شیعہ کے حوالہ جات کے جوابات لکھتے۔

ناظرین کرام! توثیق فدک صفحہ ۷۰ تا ۸۰ دیکھ جائیں آپ کو کہیں بھی شیعی کتب کے حوالہ جات کا جواب نہیں ملے گا۔ ہاں خلاف اصول مناظرہ ایک جدید راستہ نکالا ہے اور راقم الحروف کے تفسیری نوٹوں کو امام فخر الدین رازی اور امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہما اللہ کے خلاف قرار دے کر رد کرنے کی سعی کی ہے۔ پس لازم ہے کہ ہم اس مال کے بارے میں بھی تحقیق طلب حضرات کو واقفیت بہم پہنچائیں، اور ماسٹر صاحب کی فریب کاری کی وضاحت کر دیں۔ توثیق رقیق کے صفحہ ۷۲ پر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کی تفسیر کبیر سے ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ سے حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا حجت پکڑنا لکھا ہے۔ مگر یاد رہے کہ امام رازی رحمہ اللہ نے شیعہ کی تقریر نقل فرمائی ہے۔ جس میں یہ فقرہ بھی موجود ہے۔ ''شنیدہ کے بود مانند دیدہ'' ماسٹر صاحب نے لوگوں کو یقین دلایا ہے کہ امام رازی رحمہ اللہ کی یہ تحقیق ہے، اور حقیقت میں وہ خود شیعہ کی تقریر ہے جو امام رازی رحمہ اللہ نے نقل کی ہے۔ پس ماسٹر صاحب کو ادھر سے شیعہ کی تقریر نقل کرنے کی کیا حاجت تھی؟ خود ہی فرما دیتے کہ ما بدولت یوں کہتے ہیں کس کو مجال انکار تھی؟

فدا ہوں میں تری کس کس ادا پر
ادائیں لاکھ اور بے چارہ دل ایک

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے واقعی اس احتجاج کا ذکر فرمایا ہے۔ مگر آپ نے اپنی تقریر کے آخر میں فرمایا ہے کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس قدر

نرمی کا رویہ اختیار کیا کہ جناب سیدہ راضی ہوگئیں۔

ماسٹر منظور حسین صاحب نے توثیق فدک کے صفحہ ۲۷ پر جہاں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی عبارت نقل کی ہے وہاں پوری چالاکی سے تقریر کا آخری فقرہ پی گئے ہیں۔

نیز گزارش ہے کہ امام ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اس حادثہ کے رونما ہونے کے وقت بذات خود تو موجود نہ تھے۔ کسی کتاب سے یہ چیز نقل فرمائی ہے۔ مگر منقول عنہ کا نام ذکر نہیں فرمایا۔ اس لیے یہ چیز مبنی بر تحقیق نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی اسی تقریر میں ایک اور چیز بھی ایسی ہے جو اس شان کی نہیں ہے۔ حدیث کنز العمال کی بحث میں ہم اس نکتہ کو واضح کریں گے انتظار فرمایئے گا۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۶۰

سورۂ مریم کی آیت زکریا علیہ السلام کی جو تفسیر راقم الحروف نے لکھی ہے وہ بہت سے مفسرین کرام کے مطابق ہے۔ دیکھو تفسیر کشاف جار اللہ زمخشری مطبوعہ مصر، جلد دوم صفحہ ۲۷۴۔

((والمراد بالارث ارث الشرع والعلم لان الانبیآء لا نورث المال))

"اور اس آیت میں علم اور شریعت کی میراث مراد ہے کیونکہ پیغمبران علیہم السلام کسی کو اپنے مال کا وارث نہیں بناتے۔"

تفسیر ابن کثیر جلد سوم صفحہ ۱۱۱

((قال مجاهد فی قوله تعالی يَّرِثُنِیْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ كان وراثته علما))

یعنی حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ اس آیت شریفہ میں علم کی وراثت کا مذکور ہے۔ اور حضرت زکریا علیہ السلام کی وراثت بھی علمی میراث تھی۔ یہاں کوئی مال کی وراثت نہ تھی۔ اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

((یرث نبوته وعلمه))

یعنی زکریا علیہ السلام کا فرزند جو ہوگا تو وہ آپ کی نبوت اور علم شریعت کا وارث بنے گا۔ اور حضرت ابوصالح فرماتے ہیں:

((یکون نبیا کما کانت اباءہ انبیاء))

یعنی زکریا علیہ السلام کا فرزند بھی پیغمبر ہوگا۔ جیسا کہ اس کے باپ دادا پیغمبران خدا تھے۔ علامہ ابن کثیر نے سدی کا قول بھی نقل کیا ہے فرماتے ہیں

((وقال السدی یرث نبوتی ونبوت ال یعقوب))

یعنی سدی نے کہا کہ زکریا علیہ السلام کا فرزند اس کی نبوت اور آل یعقوب کی نبوت کا وارث ہوگا۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا تعالیٰ میرے بھائی زکریا پر رحمت نازل کرے۔ اس کے پاس کوئی مال نہ تھا جس وقت کہ اس نے خدا تعالیٰ سے بیٹا طلب کیا تھا۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے بھی یہ مرفوع حدیث مروی ہے۔ اب واضح ہوگیا کہ حضرت مجاہد رحمہ اللہ جو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد خاص ہیں سورۂ مریم کے کیا معنی لیتے ہیں۔ اسی طرح حضرت ابوصالح اور جناب سدی صاحب اور حضرت قتادہ رحمہ اللہ کی تفسیر بھی معلوم ہوگئی۔ حقیقت یہ ہے کہ علمائے تفسیر قرآن حکیم کے مذاہب نقل کرنے میں ابن کثیر رحمہ اللہ کا درجہ بہت بلند ہے امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ اگرچہ عقلیات میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ مگر نقل اقوال مفسرین اور روایات حدیث میں تحقیق اور جدوجہد سے کام نہیں لیتے۔

شرح مسلم شریف جلد دوم صفحہ ۹۲ پر جو کچھ مذکور ہے وہ تو منظور حسین صاحب کے خیالات کی تردید کے لیے کافی ہے کیونکہ امام نووی رحمہ اللہ نے اس موقع پر حسن بصری کے قول کی تردید فرمائی ہے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے قول کو ذکر کرتے وقت زعم استعمال کیا ہے۔ جو قول باطل یا اعتقاد باطل کے معنی دیتا ہے اور آخر میں جا کر واضح کر دیا ہے کہ آیت سورۂ مریم میں نبوت کی وراثت مراد ہے۔ حیران ہوں کہ ماسٹر منظور حسین صاحب نے اس موقع پر امام نووی رحمہ اللہ کی شرح سے حوالہ پیش کرنے کی زحمت

کیوں اٹھائی؟ امام نووی رحمہ اللہ نے تو یہاں میراث پیغمبران کو ناممکنات میں سے ٹھہرایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ماسٹر صاحب نے اپنی آنکھ سے شرح مسلم کی عبارت ملاحظہ نہیں کی۔ یونہی سنی سنائی لکھ ماری خلاصہ کلام یہ ہے کہ علمائے تفسیر کے بیانات مختلف ہیں۔ اس لیے کہ آیت کے ماقبل اور مابعد کو دیکھ کر معنی کی تعیین کرنا ضروری ہے جیسا کہ میں نے تحقیق فدک میں وضاحت سے لکھ دیا ہے۔ ماسٹر صاحب پر لازم تھا کہ تحقیق فدک میں راقم الحروف نے جو دلائل قائم کیے ہیں ان کے جوابات لکھنے کی سعی کرتے۔ سورۂ مریم کی آیت کی تفسیر کے جو دلائل ذکر کیے گئے ہیں۔ انھیں تو ماسٹر صاحب نے چھوا تک نہیں، اور امام رازی اور ابن جریر طبری اور نووی [illegible]ح مسلم کے اسـ[illegible]ئے گرامی لکھ کر جان چھڑانے کی بے جا کوشش میں مصروف ہو گئے ہیں۔ ممکن ہے کہ زمانہ حاضر کے مناظرہ کے اصول میں یہ چیز بھی داخل کر دی گئی ہو۔ یہاں ایک نکتہ ایسا ہے جس کا بیان کر دینا ضروری ہے اور وہ نہایت باریک ہے اس لیے ناظرین کرام کو اس طرف پوری توجہ دینی چاہیے۔

ضروری نکتہ

مفسرین میں ایک نہایت قلیل تعداد ان بزرگوں کی ہے جو میراث کے مسئلہ میں انبیائے عظام علیہم السلام میں تفریق کے قائل ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیادی میراث کا نہ ہونا آپ کی خصوصیت ہے۔ آپ سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کی دنیوی میراث صحیح تھی۔ فاضل ابن جریر طبری نے جو سورۂ مریم کی آیت زکریا علیہ السلام میں مالی میراث مراد لی ہے تو اس کی بنیاد یہی تفریق ہے۔ کوئی توثیق فدک کے بے چارے مؤلف سے پوچھے کہ بھائی! ابن جریر طبری کی تفسیر سے آپ کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ جبکہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیوی میراث کا قائل نہیں ہے۔ شیعہ وسنی نزاع دراصل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیوی میراث میں ہے۔ اور جمہور مفسرین ومحدثین کسی قسم کی تفریق کے قائل نہیں ہوئے۔ بلکہ عدم میراث میں تمام پیغمبران علیہم السلام کو برابر جانتے ہیں۔ پس ماسٹر منظور حسین صاحب اس نکتہ کی بے خبری کی وجہ سے ابن جریر طبری کا حوالہ دے

رہے ہیں۔ اگر آپ یا آپ کے مشیر کار اس نکتہ سے خبر دار ہوتے تو اس قدر فضیحت ہونے کی انھیں کیا ضرورت تھی؟

احتجاجات کی حقیقت

ماسٹر منظور صاحب نے اپنی کتاب میں نیز فلک النجات کے ہر دو مؤلفین نے احتجاج علی اور احتجاج فاطمہ رضی اللہ عنہا پر حد سے زیادہ زور دیا ہے، کہتے ہیں کہ ان بزرگوں کا احتجاج ہی تخصیص کی جڑ کاٹ دینے کے لیے کافی ہے۔ احتجاج سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے واسطے ازالۃ الخفا کی عبارت پیش کی ہے۔ اور احتجاج سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے لیے کنز العمال کی ایک روایت پیش کی ہے۔ تحقیق فدک کے صفحہ ۶۸ پر راقم الحروف نے تحریر کیا ہے کہ آل نبی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوال میراث کی اصل وجہ تشہیر مسئلہ تھی۔ پس ضروری تھا کہ جن جن نصوص سے لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتے تھے ان کا ذکر بھی مجلس میں کر دیا تاکہ اس استدلال کا بھی جواب باصواب ہو جائے۔ اور قیامت تک راہ راست کے تلاش کرنے والے سمجھ لیں کہ اس آیت کے خطاب سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مستثنیٰ ہیں۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو جواب میں ایک مرفوع حدیث پیش کی تھی تو آپ کا مقصد یہی تھا کہ اس آیت میں تخصیص ہے۔ یہی چیز تھی جس کی تشہیر سیدہ نسائے عالم نے سورہ نساء کی آیت وصیت جس کا پہلا فقرہ ہے **يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ** بھی ذکر کر دی تھی اور اسی واسطے آپ نے اس جواب کو صحیح قرار دیا، اور اس باب میں آیندہ گفتگو کی حاجت نہ دیکھی، تفصیل عنقریب آ رہی ہے انتظار فرمایئے گا۔

کنز العمال جلد سوم صفحہ ۱۳۴ سے جو روایت پیش کی گئی ہے، اس میں حضرت علی کا احتجاج سورۂ مریم اور سورۂ نمل کی آیت سے مذکور ہے۔ مگر نہایت افسوس کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ جناب ماسٹر صاحب نے اس روایت کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اگر اس روایت کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی جناب کا مقصد پورا نہیں ہوتا، کیونکہ اس روایت میں صراحتاً مذکور ہے کہ حضرت صدیق اکبر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جواب باصواب سن کر تینوں حضرات خاموش ہو گئے۔ کنز العمال کی اس روایت میں کوئی فقرہ ناراضگی کا

مذکور نہیں ہے۔ اور خاموشی کو ناراضگی کی دلیل بنانا اس شخص کا کام ہے جو روزمرہ کے محاورات سے نابلد ہو۔ کسی اہل علم سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے اور جواب باصواب آ جائے تو خاموشی لازمی ہوتی ہے۔ پھر نہ مناظرہ کی ضرورت باقی رہتی ہے نہ مجادلہ کی، شیعہ حضرات سے کوئی پوچھے کہ خاموشی کا ترجمہ ناراضگی دنیا کی کون سی کتاب میں ہے؟

خطبہ لمہ

یہ خطبہ مرویات مخصوصہ شیعہ میں سے ہے اس کے مندرجات سے استدلال مضحکہ خیز بات ہے علمائے لغت نے جو اس خطبہ کے مشکل الفاظ کی تشریح کی ہے تو اس سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ ان کے یہاں اس خطبہ کی نسبت بھی صحیح اور تصدیق شدہ ہے چونکہ یہ خطبہ عربی کلمات اور محاورات پر مشتمل تھا۔ اس لیے علمائے لغت کا فرض تھا کہ اس کی تشریح کر دیں۔ اہل لغت تو ہر مشہور عربی فقرے کی تشریح لکھیں گے ورنہ ان کی کتاب نامکمل رہے گی ہمیں اس سے بحث نہیں کہ اس شہرت میں واقعیت کس قدر ہے؟

سیوطی رحمہ اللہ کا سکوت

کہتے ہیں کہ ایک بازار میں ایک ہی چیز کے دو نرخ اچھے نہیں ہوتے مگر ماسٹر صاحب کی منڈی میں ہمیشہ دو نرخ ہوا کرتے ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی خاموشی کو تو رضامندی کی دلیل ٹھہرایا ہے۔ مگر حضرت عباس اور حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم کے سکوت کو ناراضگی کے معنی میں لیا ہے۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۲۷

حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے مناقب اور فضائل کا کوئی سنی انکار نہیں کرتا جیسا کہ میں نے اصل کتاب میں لکھا ہے۔ ماسٹر منظور حسین صاحب بھی عجیب ہیں کہ ہمارے اقرار پر اعتبار نہیں کرتے اور جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی خاموشی کو رضامندی یقین کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہمیں بھی اپنے پر قیاس کر رہے ہیں۔ چونکہ شیعہ اصول میں تقیہ کو بہت ہی اہمیت ہے، اس لیے ان کی کسی بات پر اعتبار ناممکن ہے۔ شیعہ عقائد کی بنا پر کسی رافضی کی زبان پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ یہی چیز ہے جو منظور حسین صاحب کے دل

و دماغ پر قبضہ کیے ہوئے ہے اور اہل سنت کے خادموں میں اس کا نظارہ کر رہے ہیں، بے چارے اپنے مذہب میں اور ہمارے مذہب میں جو عظیم فرق ہے اس کو بالکل بھول گئے ہیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کسی موقع پر حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی تکذیب نہیں کی۔ کسی کے دعوے پر ثبوت کا طلب کرنا ہرگز تکذیب نہیں ہوتی۔ اگر دعوے پر دلائل کا طلب کرنا اور استغاثہ پر گواہوں کی جستجو تکذیب ہے تو جس قدر قاضی اور جج مجسٹریٹ ہیں، سب کے سب مسلمانوں کی تکذیب کرنے والے اور مومنوں کو جھٹلانے والے ہوں گے، کیونکہ مجسٹریٹ کے یہاں جو شخص بھی دعویٰ پیش کرے گا۔ اس سے دلیل یا شاہد طلب کیا جائے گا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایک استغاثہ کے سلسلہ میں قاضی شریح رحمہ اللہ کی عدالت میں پیش ہوئے تھے۔ قاضی صاحب نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تعظیم کی اور بہ نسبت دوسرے فریق کے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے امتیازی سلوک روا رکھا تو خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قاضی صاحب کو ڈانٹ پلائی، اور اس امتیاز کا نام ظلم رکھا۔ کیا کوئی عقلمند آدمی کہہ سکتا ہے کہ قاضی شریح رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکذیب کی؟ حصول انصاف اور قیام انصاف کے جو قاعدے شریعت میں مقرر ہیں۔ قاضی اگر ان پر عمل پیرا نہ ہو تو وہ قاضی کاہے کا ہوگا؟ قاضی کے یہاں انصاف جبھی زندہ رہ سکتا ہے کہ وہ قوانین انصاف کی پابندی کرے۔ اگر قاضی انصاف کے قواعد کو شخصیتوں پر قربان کر دے تو وہ اور سب کچھ ہوگا مگر قاضی نہ ہوگا۔ اگر قاضی شریح رحمہ اللہ نے انصاف کے قوانین پر عمل پیرا ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکذیب نہیں کی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ان کے دعوے کے ثبوت طلب کر کے کس طرح تکذیب کر لی؟

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے سورۂ حشر کی آیات کی تفسیر کے ضمن میں لکھا ہے: لکنی لا اعرف صحة قولك۔ جس کے معنی یہ ہے میری معرفت اور علم میں آپ کے قول کا ثبوت موجود نہیں ہے مطلب یہ ہوا کہ آپ اپنے قول کا ثبوت پیش کیجیے۔ پس حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یوں نہیں کہا کہ آپ کاذبہ ہیں۔ بلکہ یہی کہا کہ میرے علم

میں اس دعوے کی دلیل نہیں ہے۔ لہٰذا آپ شرعی دلیل سے ہمیں واقف کریں۔ کیا منظور حسین صاحب دلیل کے مطالبے کو تکذیب کا نام دیتے ہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ کے اس فقرہ میں جو لفظ صحت ہے وہ بمعنی ثبوت ہے۔ عربی لغت میں لفظ صحت معنی میں ثبوت کے استعمال ہوتا رہتا ہے۔ جیسا کہ ایک شاعر نے ان کے کہا ہے

صح عند الناس انی عاشق

لکنهم لم یعرفوا عشقی لمن

''یہ بات لوگوں کے نزدیک ثابت ہو چکی ہے کہ میں عاشق ہوں۔ لیکن انھیں میرے معشوق کا کوئی پتا نہیں۔''

شیعہ مناظرین کا مبلغ علم یہی ہے کہ لفظ صحت صرف ایک معنی میں استعمال ہوتا ہے جو فساد کی ضد ہے یا مرض کی سمت مخالف ہے۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کے مذکورہ فقرے کو اگر صحیح تسلیم کیا جائے تو صحت بمعنی ثبوت ہے اور اس فقرے سے طلب ثبوت مراد ہے، اور اگر اس فقرہ کی سند تلاش کی جائے تو یقیناً ناکامی ہوگی، اگرچہ امام رازی رحمہ اللہ نے لکھ دیا ہے، مگر میرے جیسا طالب علم اگر سند کا مطالبہ کر دے تو اہل علم کی مجالس میں اس کو خلاف قانون نہیں قرار دیا جا سکتا۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۳۷

راقم الحروف نے ناراضگی سیدہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا جو عنوان تجویز کیا ہے وہ اپنے اعتقاد کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے کیا ہے اگر اس روایت پر اپنا اعتقاد ہوتا تو جزم و یقین کے عنوان سے شروع کرتا ماسٹر صاحب نے یہاں میری کارروائی کو تجاہل عارفانہ قرار دیا ہے۔ دیکھو توثیق فدک صفحہ ۹۲ اس خدا کے بندے کو ابھی تک تجاہل عارفانہ کا معنی ہی معلوم نہیں۔ صیغۂ مجہول استعمال کرنے کو یہ غریب تجاہل خیال کر رہا ہے۔ اس جہالت پر تالیف کا اشتیاق اچنبھا نہیں تو اور کیا ہے؟

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۹۴

فروع کافی کی وہ حدیث جس میں ظالم حاکم کے پاس مقدمہ لے جانا منع کیا گیا ہے، اس حدیث کے جواب میں یہاں منظور حسین صاحب نے عجیب منطق چلائی ہے، اپنی توثیق فدک کے صفحہ ۹۳ پر لکھتے ہیں کہ جناب فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا فریق ثانی کون تھا؟ مطلب آپ کا یہ ہے کہ دو عدد مومن اپنا تنازع ظالم حاکم کے پاس لے جائیں تو منع ہے۔ اور اگر ایک مومن یہ کام کرے تو بالکل صحیح اور درست ہے فروع کافی کی حدیث میں اس ممانعت کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ ظالم سے کوئی چیز وصول کرنا حرام ہے خواہ وہ اپنا حق ہی کیوں نہ ہو۔

ناظرین کرام! شیعہ کی حدیث کو سامنے رکھیں اور منظور حسین صاحب کے جواب کو بھی ملاحظہ کریں کیا اس کو جواب کا نام دینا مناسب ہے؟ اجتہاد کے عذر کو رفع کرنے کے لیے مطالبہ میراث بھی عجیب ہے بلکہ عجیب تر ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تو سوال فدک کے جواب میں حدیث مرفوع پیش کر رہے ہیں ایسی حدیث جس کو اصول کافی اور من لا یحضرہ الفقیہ اور تنزیہ الانبیاء میں از روئے معنی کے صحیح تسلیم کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ہم تحقیق فدک کے پہلے باب میں تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔ بھلا اس کارروائی کو اجتہاد کا نام دیا جا سکتا ہے؟ اجتہاد تو وہاں ہوتا ہے جہاں خدا اور رسول کا واضح فرمان دستیاب نہ ہو سکے۔ حیرانی کی بات ہے کہ شیعہ علمائے زمانہ نے اس مجموعہ جہالت کی تائید کس دل گردہ سے کی ہے؟ ممکن ہے کہ وہ بھی ایسے ہی ہوں

وزیرے چنیں شہر یارے چناں
جہاں چوں نگیر و قرارے چناں

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۶ ۷

یہاں بھی ماسٹر منظور حسین صاحب نے حسب دستور خویش ایک بہتان عظیم گھڑ لیا ہے۔ اپنی توثیق کے صفحہ ۹۴ پر لکھتے ہیں کہ ”جیسا کہ اس پر بخاری کا فقرہ فغضبت فاطمة حتی ماتت گواہ ہے“ راقم الحروف اعلان کرتا ہے کہ یہ فقرہ بخاری شریف

میں نہیں ہے، اگر ماسٹر صاحب اور ان کے معاونین علمائے شیعہ میں ہمت ہے تو صحیح بخاری سے یہ فقرہ بلفظہا نکال کر دکھائیں، اور اگر یہ فقرہ کتاب مذکور سے پیش نہ کرسکیں اور ہرگز نہیں پیش کرسکیں گے تو افترا پردازیوں سے باز آجائیں اور ایسے گندے مناظرہ سے توبہ کریں۔

مخبوط الحواسی کا ایک نمونہ

یہاں ماسٹر صاحب نے اپنی توثیق صفحہ ۹۶ پر ایک الزامی جوابات کا سلسلہ چالو کیا ہے اس میں جس قدر غور کیا جائے اسی قدر آپ کی مخبوط الحواسی عالم۔ آشکارا ہوتی ہے اتنی بھی تمیز نہیں رہی کہ الزام کس کو دے رہا ہوں اور دینا کس کو چاہیے وہ اپنے زعم فاسد میں تو مجھے الزام دے رہے ہیں، اور موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا فرعون سے مطالبہ ذکر کرکے اس مسئلہ کو غلط ثابت کررہے ہیں جو میں نے ظالم حاکم کے پاس مقدمہ لے جانے کی ممانعت میں لکھا ہے مگر بے ہوشی کا یہ عالم ہے کہ اتنا بھی نہیں سمجھ سکے کہ یہ مسئلہ اہل سنت کا ہے یا شیعہ کا؟

میں نے صاف لکھ دیا ہے کہ ظالم حاکم کے پاس مقدمہ لے جانے کی ممانعت فروع کافی جلد سوم صفحہ ۲۲۵ پر موجود ہے اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی حدیث کی عبارت بھی میں نے یہاں درج کر دی ہے۔ پس ماسٹر صاحب اپنے دل پر ہاتھ رکھ کے بتلائیں کہ وہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی حدیث مندرجہ فروع کافی کی تردید کررہے ہیں یا مصنف تحقیق فدک کو الزام دے رہے ہیں؟ اور اس کے بعد جو سورۂ ہود کی آیت ﴿وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ تحریر کی ہے۔ اس سے بھی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی تکذیب کررہے ہیں اگر شیعہ مذہب کو آپ جیسے دو اڑھائی اور موید دستیاب ہو گئے تو شیعہ سنی نزاعات بہت جلد ختم ہو جائیں گے سچ ہے ؏

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر جو حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کی بیعت کا قصہ رجال کشی میں مذکور ہے۔ اس سے بھی فروع کافی کی حدیث مذکور کی تکذیب اور تردید ہوتی

ہے۔ اسی طرح یزید کے ہاتھ پر حضرت محمد ابن حنفیہ رحمہ اللہ کی بیعت کا قصہ جو البدایہ والنہایہ میں درج ہے وہ بھی آپ کے عقیدہ کی تردید کے واسطے کافی ہے۔ بہرحال اپنی توثیق کے صفحہ ۹۶ اور ۹۷ پر جو الزامات بزعم خویش ہم پر عائد کیے ہیں وہ سب کے سب فروع کافی جلد سوم صفحہ ۲۲۵ کی حدیث کی بیخ کنی کر رہے ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ یہ جوابات آخری اور الزامی جوابات ہیں۔ مدرسہ رافضیہ سرگودھا کے کسی مدرس سے ہی پوچھ لیتے کہ الزام کے معنی کیا ہیں؟ اور اس کے مواقع کیا کیا ہیں؟

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۶۸

مطالبہ میراث کی جو وجہ میں نے بیان کی ہے اس پر جناب ماسٹر صاحب بڑے چیں بجبیں ہوئے ہیں چنانچہ اپنی مزعومہ توثیق کے صفحہ ۹۹ پر لکھتے ہیں ''اگر یہ مقصد ہوتا تو قرآنی استدلالات پیش نہ کرتیں'' راقم الحروف کہتا ہے کہ قرآنی آیات کیوں پیش نہ فرماتیں۔ آپ کا تو فرض تھا کہ جن آیات اور احادیث سے میراث پیغمبران کے استدلال کا احتمال ہو سکتا تھا ان کو ذکر فرما دیتیں تاکہ اس کا جواب لوگوں کو معلوم ہو جائے۔ نیز آیندہ کوئی یوں نہ کہے کہ یہ حدیث یا آیت مخفی رہی۔ اگر قرن اول کو معلوم ہو جاتی تو فیصلہ دوسری طرح ہوتا۔ اسی طرح عقلی دلیل بھی پیش فرمائی تاکہ دنیا کو اس کا جواب بھی معلوم ہو جائے۔

اس موقع پر ماسٹر صاحب نے آپ کا تادم مرگ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ناراض ہونا بھی بخاری مسلم کے حوالے سے درج کر کے میری تحقیق کو گرانے کی کوشش کی ہے مگر افسوس کہ تادم مرگ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر جناب سیدہ کا ناراض ہونا نہ بخاری میں ہے نہ مسلم کی صحیح میں۔ آیندہ اوراق میں ان شاء اللہ بخاری کی اس حدیث کو بیان کیا جائے گا۔ جس سے شیعہ حضرات تادم مرگ ناراضگی اخذ کرتے رہتے ہیں۔

حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے جو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فدک کا مطالبہ کیا تھا تو وہ میراث کی تقسیم کی درخواست نہ تھی بلکہ وہ تو وقف کی تولیت کا مطالبہ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ آدھا میری تولیت میں ہو اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ چاہتے

تھے کہ آدھے کا متولی مجھے بنایا جائے۔ یہ نصفا نصفی چونکہ تقسیم میراث پر مبنی ہوتی تھی، اور اس سے بطور میراث قبضہ کا اشتباہ ہوسکتا تھا۔ اس لیے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے وقف کی تولیت کی تقسیم سے انکار فرما دیا۔ کہا کہ تم دونوں مل کر اس وقف کی تولیت کو نباہ سکتے ہو تو بہتر اور اگر تم دونوں اتفاق کے ساتھ فدک کا انتظام نہیں کر سکتے تو مجھے واپس کر دو میں خود انتظام کر لوں گا۔ ہمارے شراح حدیث نے مذکورہ بالا تفصیل درج کی ہے۔ مگر ماسٹر صاحب کی بلا جانے کہ حدیث کیا ہے؟ اور شرح حدیث کیا ہے؟

اب واضح ہو گیا کہ میری تحقیق کی تردید کے واسطے شیعہ کے یہاں کوئی کام کی چیز نہیں ہے۔ جن دنوں میں نے تحقیق فدک میں مطالبہ میراث کی بنا تشہیر مسئلہ کو مقرر کیا تھا ان دنوں خیال تھا کہ شیعہ میں سے جو لوگ میری تردید لکھیں گے وہ مجھ سے اس کی نظیر کا مطالبہ کریں گے۔ مگر افسوس کہ اس وقت تک کسی شیعہ نے اس طرف توجہ نہیں کی، اس واسطے میں بھی سر دست اس کی نظیروں کو لپیٹ کے رکھ دیتا ہوں۔

نوٹ: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے جواب سے معلوم ہو گیا کہ آپ نے فدک کے انتظام کا متولی اپنی خلافت کے آغاز میں حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں کو بنا دیا تھا، اس مشترک تولیت وقف میں پھر جھگڑا ہو گیا تھا۔ اس واسطے دوبارہ دربارِ خلافت میں مرافعہ ہوا۔ پس جو لوگ دن رات شور مچاتے ہیں کہ اہل بیت سے فدک چھین لیا گیا تھا، وہ بتائیں کیا چھین لینا اسی کا نام ہے؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں اگر فدک کا متولی حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو بنا دیا جاتا تو اسی وقت سے یہ تنازع شروع ہو جاتا۔ ممکن ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فراست نے انھیں بتلا دیا ہو کہ اس وقف کا ہاشمیوں کو متولی بنانا جھگڑے کا موجب ہو گا۔ اور ان میں سے کسی ایک بزرگ کو متولی فدک بنانا دوسروں کی ناراضگی کا موجب ہو گا۔ یہ چیز پہلے واضح نہ ہوئی لیکن جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے آغاز میں حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو متولی وقف بنا دیا اور یہ تولیت موجب نزاع ہو گئی تو معلوم ہو گیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا انتظام فدک کو اپنے ہاتھ میں رکھنا مصلحت عظیمہ پر مبنی

تھا۔

مسلم شریف کی روایت

حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے تنازع کی روایت مسلم اور بخاری دونوں میں موجود ہے۔ مگر آثم، کاذب، غادر اور خائن کے چاروں لفظ صحیح بخاری میں نہیں ہیں۔ اسی طرح اور محدثین نے بھی اس روایت میں مذکور بالا چار کلمے درج نہیں کیے۔

اس واسطے علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں لکھ دیا ہے کہ اصل روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ اور فاضل نووی رحمہ اللہ نے بھی شرح مسلم میں اسی حدیث کے تحت لکھا ہے کہ مسلم کے ایسے نسخے بھی دیکھنے میں آئے ہیں جن میں یہ چاروں کلمات موجود نہ تھے۔ پس مسلم کی اس روایت کو مذکورہ بالا چار کلمات کے ثبوت کے لیے پیش کرنا غلط ہو گیا۔ کیونکہ الزام مسلمات خصم سے دیا جاتا ہے اور ہمارے علماء نے ان چار کلمات کو فرمودۂ عمر تسلیم کیا ہے نہ قول عباس اور نہ ارشاد علی رضی اللہ عنہم۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۸۱

ابن میثم بحرانی کی وہ روایت جس میں رضامندی فاطمہ رضی اللہ عنہا مذکور ہے اس کے بارے میں شیعہ کی طرف سے جس قدر شبہات پیش کیے جا سکتے تھے، تحقیق فدک میں ان کے مفصل اور مدلل جوابات لکھ دیے گئے ہیں۔ جناب ماسٹر صاحب نے جو کچھ یہاں تحریر کیا ہے۔ اس کا جواب ہو چکا ہے۔ چنانچہ بحرانی کی روایت رضامندی کے ضعیف ہونے اور مشہور روایات کے مخالف ہونے کو ایک سوال کی صورت میں ہم نے اپنی کتاب ''تحقیق فدک'' کے صفحہ ۷۵ پر درج کیا ہے، اور پھر اس کے بعد پانچ عدد جوابات تحریر کیے ہیں۔ جن کو ماسٹر صاحب نے چھوا تک نہیں ہے۔ یہ پانچوں جوابات صفحہ ۷۵ سے لے کر صفحہ ۷۶ تک چلے گئے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ماسٹر صاحب نے ادھر التفات ہی نہیں فرمایا۔ یا ممکن ہے کہ ان جوابات کو توڑنے کا حوصلہ نصیبوں میں نہ آیا ہو۔ علامہ بحرانی شیعی نے رضامندی سیدہ رضی اللہ عنہا کی حدیث درج کر کے شیعہ متکلمین کو ایک سخت مصیبت میں ڈال دیا ہے، اور صاحب درہ نجفیہ نے اس حدیث کی تصدیق

کر کے سونے پر سہاگہ کی کہاوت کو تازہ کر دیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ علامہ بحرانی اور صاحب درہ نجفیہ نے ناراضگی سیدہ کی روایت کو بھی درج کیا ہے، اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ان دونوں شیعی حضرات نے ناراضگی کی حدیث کو مشہور اور متفق علیہ قرار دیا ہے۔ مگر ظاہر و باہر ہے کہ جب ان کے یہاں یہ روایت مشہور اور متفق علیہ ہے تو اس کے مقابلے میں انھی کے نزدیک کوئی حدیث ضرور غیر مشہور اور غیر متفق علیہ ہو گی۔ اگر ایسا نہیں تھا بلکہ شیعہ کے نزدیک صرف ناراضگی کی حدیث موجود تھی تو اس کو مشہور اور متفق علیہ کا لقب دینے کی کیا ضرورت تھی؟ حقیقت یہ ہے کہ شیعہ علماء کا ناراضگی کی روایت کو مشہور اور متفق علیہ کا لقب دینا ہی اطلاع دیتا ہے کہ ان کے یہاں کوئی روایت غیر مشہور اور غیر متفق علیہ بھی ہے جس میں رضامندی سیدہ مذکور ہے اسی واسطے ان دونوں شیعہ متکلمین نے آخر میں رضامندی سیدہ کی حدیث درج کر دی اور اس کے عنوان میں صیغۂ مجہول اس کے غیر مشہور اور غیر متفق علیہ ہونے کے لیے اختیار کیا۔ مگر جناب ماسٹر صاحب اور ان کے معاونین شیعہ علمائے عظام بے فکر رہیں۔ یہ روایت کسی صورت میں سنی مصنفین کی نہیں ہو سکتی۔ اس روایت کو اہل سنت کی روایت ثابت کرنے کے لیے ضروری ہو گا کہ اہل سنت کی مشہور و معروف کتابوں سے نکال کر دکھلا دیں۔ ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ کو اہل سنت والجماعت کی کتاب مقرر کرنا اور ابن میثم کی روایت رضامندی سیدہ کو حدیدی سے منقول قرار دینا پریشان خیالی اور بے چارگی کی ایک زندہ مثال ہے۔ شیعہ مذہب جس ملک کی پیداوار ہے وہ ایران ہے۔ کیا وہاں کے علمائے شیعہ ابن ابی الحدید کو اہل سنت والجماعت کا فرد جانتے ہیں؟ اگر ایسا ہی ہے تو اس کتاب کی پیشانی پر ایرانی طبع کنندگان نے ترجمہ شارح کے ضمن میں اس کو شیعی کیوں لکھا ہے؟ اس کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حدیدی اور ابن میثم بحرانی کی روایات میں فرق موجود ہے جو ایک دوسرے سے نقل کرنے کی تردید کے واسطے کافی و شافی ہے۔ جب یہ بات ذہن نشین ہو گئی تو ابن میثم بحرانی کی روایت رضامندی سیدہ رضی اللہ عنہا مرویہ اہل سنت نہ رہی، اب جو شخص اس روایت کو مرویات اہل

سنت میں سے ثابت کرنے کی تمنا کرے گا۔ اس کا فرض ہو گا کہ الفاظ و معانی کے اختلاف کو مدنظر رکھ کر اپنا مقصد ثابت کرے۔ سیرت حلبیہ جلد سوم کی روایت کے الفاظ اور معانی ابن میثم کی روایت کے الفاظ و معانی سے کوئی میل نہیں کھاتے اسی طرح فتح الباری کی روایت رضامندی سیدہ کے الفاظ اور معانی ابن میثم کی روایت سے بہت مختلف ہیں۔ اس لیے میرا دعویٰ مندرجہ تحقیق فدک صفحہ ۸۳ بالکل بجا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ماسٹر صاحب اسم اشارہ کا مقصد نہیں پا سکے، اور میرے مبلغ علم کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ پرانے فلسفی کہا کرتے تھے ایک شخص ایک ہی وقت میں دو چیزوں کی طرف توجہ نہیں کرسکتا۔ غالباً انھوں نے مصنف توثیق فدک کی نظیریں ملاحظہ کی ہوں گی۔ اے میرے عزیز! جن حلقوں کو تم علمی حلقے سمجھ رہے ہو۔ وہ علمی حلقے نہیں ہیں، زیادہ سے زیادہ انھیں فلمی حلقے کہا جا سکتا ہے جنھیں علم کی خبر نہیں، کیا وہ بھی علمی حلقے شمار ہو سکتے ہیں؟ سچ ہے ع

ہر کس بخیالے خوش مجنوں بجنون

كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ

مرسل حدیث کی بحث یہاں بے فائدہ ہے جو ماسٹر صاحب نے اپنی توثیق رقیق کے صفحہ ۱۰۹ سے شروع کر رکھی ہے۔ میری کتاب تحقیق فدک کے صفحہ ۸۲ پر جواب چہارم مذکور ہے جو سراسر شیعہ کے ایک اصول کی بنا پر تحریر کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ شیعہ روایات میں اختلاف واقع ہو جائے تو جو روایت اہل سنت کی روایت کے مطابق ہو اس کو ترک کر دو۔ اس اصول کی بنا پر میں نے لکھا تھا کہ کتب شیعہ میں جو غضب اور ناراضگی کی روایت ہے وہ چونکہ اہل سنت کی اس روایت کے موافق ہے جس کو ابن شہاب زہری نے روایت کیا ہے۔ اس لیے واجب الترک ہو گی۔ اور کتب شیعہ کی رضامندی سیدہ کی روایت اہل سنت کی کسی روایت کے موافق نہیں ہے بلکہ سراسر مخالف ہے۔ اس لیے شیعہ اصول کے لحاظ سے واجب القبول ہو گی۔ مرسل ہونا یا غیر مرسل ہونا اس اصول کو بیکار نہیں کرسکتا۔ اگر کسی حدیث کا مرسل ہونا مذکورہ بالا قاعدہ پر اثر انداز ہو

سکتا ہے تو حوالہ کیوں نہیں دیا؟ کیا تمھارا خیال یہ ہے کہ جو کچھ تم لکھ دو گے اسے مرقوم امام معصوم قرار دیا جائے گا؟

تمھارا یہ قاعدہ تو فرمودۂ امام ہے۔ کیا تم اپنے قیاس کے زور سے امام معصوم کے فرمان کو رد کرتے ہو؟

ائمہ کرام اہل بیت عظام

ان بزرگوں کے مذہب کی تحقیق کی ضرورت ہو تو آپ کیا کوئی شخص بھی شیعہ کتب اور روایات کی بنا پر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ شیعہ کے نزدیک ظہور امام مہدی تک کا زمانہ تقیہ کا زمانہ ہے۔ پس گیارہ اماموں نے جو کچھ فرمایا ضرور وہ تقیہ کے تحت ہوگا۔ پس اگر امام رضا رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ہماری ایک بڑی نیک اور پرہیزگار ماں تھی جو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما دونوں پر ناراض فوت ہوئی تھی۔ تو آپ نے تقیہ سے یوں فرمایا ہے کوئی دشمن شیخین مجلس میں موجود ہوگا جس کو خوش کرنے کے لیے آپ نے یوں ارشاد فرمایا۔ اس بات کے حضرت امام علی رضا رحمہ اللہ دل سے معتقد نہ تھے۔ پہلے احتمال تقیہ کو دور کرو۔ پھر امام ہشتم کے قول سے استدلال کرو۔ دوسری گزارش یہ ہے کہ ائمہ کرام سے روایت کرنے والے سب کے سب ملعون ہیں۔ ہماری جانب سے نہیں بلکہ حضرات ائمہ کرام کی طرف سے راویان مذہب شیعہ پر از روئے کتب شیعہ لعنت وارد ہوئی ہے۔ جیسا کہ رجال کشی اور رجال مامقانی میں تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔ پس ائمہ کرام کی زبانی ملعون راویان مذہب کی روایت پر اعتبار کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ راویان رفض و تشیع نے جو کچھ بھی روایت کیا ہے وہ خود ساختہ مال ہے، اور ائمہ کرام کے دامن سے زبردستی باندھ دیا گیا ہے۔ پس ہم دراصل امام جعفر صادق یا امام محمد باقر علیہما السلام کے منکر نہیں ہیں بلکہ ہم تو صرف ان لوگوں کے منکر ہیں جنھوں نے اپنے جی سے روایات تیار کر کے نیک اور پاک لوگوں کے ذمے لگا دی ہیں۔ روضۂ کافی کی روایت کا جواب بھی آ گیا کہ امام محمد باقر رحمہ اللہ نے ازراہِ تقیہ یوں کہہ دیا ہوگا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو وعدہ سیدہ رضی اللہ عنہا سے کیا تھا پورا کیا۔ اور آخر تک

خرچ دیتے رہے۔ جیسا کہ ہم نے حدیدی اور بحرانی اور علی نقی ایرانی کے حوالہ جات سے لکھا ہے۔ اس موقع پر ماسٹر منظور حسین صاحب نے لکھا ہے کہ ابوبکر نے وعدہ پورا نہ کیا اور حضرت سیدہ کو خرچ نہ دیا۔

اپنے زعم فاسد کی تائید کے لیے مسلم شریف سے ایک فقرہ نقل کیا ہے: فابی ابوبکر ان یدفع شیئا الی فاطمة۔ اور خود ہی ترجمہ کیا ہے کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے انکار کر دیا کہ کوئی چیز بھی جناب فاطمہ علیہا السلام کو دے۔

راقم الحروف عرض گزار ہے کہ اس فقرے کا مطلب جو ماسٹر صاحب نے لکھا ہے وہ غلط ہے کیونکہ سوال میراث فدک کا تھا۔ عام لینے دینے کا کوئی سوال نہ تھا۔ پس جواب بھی یہی ہوگا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ازراہِ میراث فدک کے دینے سے انکار کر دیا۔ جو لوگ انکار مطلق اور انکار مقید میں فرق نہیں جانتے وہ اگر انصاف کا خون کرنے پر تل جائیں تو کیا بعید ہے؟ سوال کے قرینے سے جواب میں تخصیص اور تقیید شائع ذائع ہے۔ مگر جب علم سے کچھ واسطہ ہی نہ ہو تو کیا علاج؟

مسلم شریف کی روایت کا جو مطلب ہم نے بیان کیا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ یہی روایت بخاری شریف، جلد اول صفحہ ۴۳۵ پر موجود ہے۔ عبارت یوں ہے فابی ابوبکر علیها ذلك۔ یعنی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسی چیز کا انکار کیا جو حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے طلب کی تھی۔ اس عبارت میں اسم اشارہ لائق توجہ ہے۔ اشارہ اسی چیز کی جانب ہے جو اس سے ماقبل مطالبہ میں مذکور ہے، اور مطالبہ فدک وغیرہ کا میراث کی راہ سے مطالبہ ہے نیز یہی روایت صحیح بخاری جلد دوم، صفحہ ۶۰۹ پر موجود ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: فابی ابوبکر ان یدفع الی فاطمة منها شیئا۔ یعنی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انکار کیا اس چیز کے دینے کا جس کا حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا تھا۔ اس روایت میں منها کی ضمیر قابل غور ہے۔ پس واضح ہوگیا کہ صحیح مسلم کے فقرے کا مطلب وہ نہیں ہے جو ماسٹر صاحب نے لیا ہے تمام خرابی اور فضیحت کا سبب کوتاہ نظری اور جہالت ہے۔ اب ہم تقریظ نویسندگان توثیق رقیق سے دریافت کرتے ہیں کہ مسلم

کی روایت کے جس فقرے سے ماسٹر صاحب نے بالکل کچھ نہ دینے کا استنباط کیا ہے۔ اس سے پہلے اسی صحیح مسلم کی اسی روایت میں کیا یہ فقرہ موجود نہیں ہے؟ انما یاکل الِ محمد فی ھذا المال.......... دیکھو صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۹۱ اور کیا یہ فقرہ فرمودہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نہیں ہے؟ کیا اس فقرہ کا ترجمہ یہی نہیں ہے کہ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کی خوراک اس مال میں ہوگی۔"

جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اقرار کر رہے ہیں کہ آل نبی کی خوراک فدک کی آمدنی سے مہیا کی جائے گی تو متنازعہ فیہ فقرے کا مطلب کس طرح لیا جا سکتا ہے کہ ابوبکر نے انکار کر دیا کہ کوئی چیز بھی جناب فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو نہ دے۔ حقیقت یہ ہے کہ ماسٹر صاحب نے اس فقرے کا ترجمہ لکھتے وقت ماقبل کو دیکھا نہ مابعد پر نظر کی اور اس بے نماز کا پارٹ ادا فرمایا جو نماز کے ترک پر سورۂ نسا کی آیت سے استدلال کرتا تھا، اور جب کسی نے جواب میں گزارش کی کہ وہ ﴿أَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ بھی مابعد میں موجود ہے اس کا بھی دھیان کرو، تو پوری بے تکلفی سے کہنے لگے کہ بھائی سارے قرآن پر تمھاری ماں نے عمل کیا ہے؟

ماسٹر صاحب نے اپنی رفیق توثیق کے صفحہ ۱۳ پر لکھا ہے کہ میں نے اس کتاب کا مسودہ تیار کر کے محققین علمائے کرام شیعہ کے پیش کیا ہے۔ جنھوں نے حرف بحرف سن کر تقریظیں لکھی ہیں۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ایسے ہی محققین نے حرف بحرف سن کر تصدیق کی ہے۔ تو ان کے مبلغ علم کے چہرے سے پردہ اٹھ گیا۔ سچ ہے ع

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ نیکاں زند

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۹۳

علامہ ابن میثم بحرانی شیعی کی روایت میں آیا ہے فرضیت بذلك یعنی حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا اس پر خوش ہوگئیں۔ اس فقرے کا ترجمہ صاف تھا۔ مگر ہٹ دھرمی کی برکت سے ماسٹر صاحب نے اس کا ترجمہ یوں کر دیا۔ پس اس بات پر جناب فاطمہ قناعت کر

گئیں۔ اور اپنے دل میں سمجھے کہ جواب ہوگیا.......... دیکھو توثیق رتیق فدک صفحہ ۱۱۲ و صفحہ ۱۱۳ ماسٹر صاحب کے خیال میں سمایا ہے کہ قناعت میں رضامندی نہیں ہوتی، بلکہ ناراضگی رہتی ہے۔ اگر کتب لغت میں اپنی نگاہوں کو استعمال فرماتے تو یقیناً دیکھ لیتے کہ قناعت میں بھی رضامندی ہی جلوہ گر ہے ملاحظہ ہو.......... لسان العرب جلد ۸، صفحہ ۲۹۷ قنع بنفسه قنعا و قناعة.......... رضی یعنی قناعت معنی میں رضامندی کے ہے۔ اسی طرح قاموس، جلد سوم صفحہ ۲۱ پر ہے والقناعة الرضا بالقسم یعنی تقسیم پر رضامندی کا نام قناعت ہے اسی طرح منتہی الارب جلد سوم صفحہ ۵۵۶ پر ہے قناعة کسحابة خورسندی یعنی قناعت سحابة کے وزن پر ہے اور معنی میں خوشنودی کے ہے۔ صاحب منتہی الارب نے اسی باب میں آگے چل کر لکھ دیا ہے کہ قانع وہ ہے جو اپنے حصے پر خوشی ظاہر کرے۔ ماسٹر صاحب نے اس موقع پر لکھا ہے کہ رضا کا صلہ بائے موحدہ ہو تو اس کے معنی قناعت کے ہوتے ہیں خوشنودی کے نہیں ہوتے۔ سو ضرورت ہے کہ اس مفروضہ کی بھی قلعی کھول دی جائے۔ قرآن حکیم کی سورۂ یونس میں ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَ رَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ اطْمَاَنُّوْا بِهَا وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۙ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾

''اس میں شک نہیں کہ جن لوگوں کو قیامت میں ہماری بارگاہ کی حضوری کا کھٹکا نہیں اور دنیا کی چند روزہ زندگی سے نہال ہو گئے اور اسی پر چین سے بیٹھے ہیں اور جو لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا ان کے کرتوت کی بدولت جہنم ہے۔''

(دیکھو حمائل شریف مترجم سید فرمان علی شیعی، مطبوعہ ایران صفحہ ۳۳۱)

جناب ماسٹر صاحب اس آیت میں غور کر کے دیکھیں کہ یہاں رضا کا صلہ بائے موحدہ ہے یا نہ؟ اور آپ کے مولوی فرمان علی صاحب جو ترجمہ میں نہال ہو گئے لکھ

رہے ہیں یہ نہال ہو جانا رضامندی ہے یا ناراضگی ہے؟ پرائمری سکول کے بچے بھی جانتے ہیں کہ کمال خوشنودی اور اعلیٰ درجہ کی رضامندی کو نہال ہو جانے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مولوی فرمان علی صاحب شیعی کے ترجمہ میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ رضا کے بعد بائے موحدہ عن حرف جر کا معنی دیتی ہے اسی لیے آپ نے ترجمہ میں وہ حرف رکھا ہے جو عن کے ترجمہ میں رکھا جاتا ہے۔ یہی مولوی فرمان علی رافضی شیعی سورۂ توبہ میں ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: ....خدا ان سے راضی اور وہ خدا سے خوش...... اب دونوں ترجموں میں غور کرو ایک آیت میں رضا کے بعد عن ہے اور دوسری آیت میں فعل رضا کے بعد بائے موحدہ ہے۔ اور دونوں کا ترجمہ ایک ہی طرح سے کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ رضا کے بعد بائے موحدہ بھی معنی عن کے ہوتی ہے۔ چونکہ شیعہ کے یہاں قرآن حکیم موجب اطمینان نہیں ہوتا اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتب معتبرہ شیعہ سے بھی رضامندی جس کا صلہ بائے موحدہ ہو اور معنی میں خوشنودی کے ہو پیش کر دیا جائے۔

ناسخ التواریخ، جلد سوم، از کتاب دوم صفحہ ۲۶ پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک طویل خطبہ درج ہے۔ جس کا ایک فقرہ یہ ہے وانا راض بحجة الله عليهم وعلمه فيهم۔ اس فقرے کے ترجمے میں صاحب ناسخ لکھتے ہیں ''ومن بحجت خدا و امر او در حق ایشاں خوشنودم۔'' نیز صفحہ ۳۱ پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد موجود ہے...... وساقهم الشيطان لطلب ما لا يرضى الله به............ یعنی شیطان انھیں اس چیز کی طلب کے لیے چلا ہے جس پر خدا تعالیٰ خوش نہیں ہیں...... نجاشی انصاری جو شیعیان علی میں سے تھے ایک قصیدہ میں فرماتے ہیں:

رضينا بقسم الله ان كان قسمنا
علی و ابنآء النبی محمد

یعنی ہم خدا تعالیٰ کی اس تقسیم پر بہت خوش ہیں جو ہمارے حصہ میں علی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حسن اور حسین رضی اللہ عنہما آئے ہیں۔

یہ شعر ناسخ مذکور کے صفحہ ۳۹ پر موجود ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایک اور خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

فقالوا الی بایع فان الامۃ لا ترضی الا بك..... یعنی لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تو لوگوں کو اپنی بیعت میں لے لے۔ اس لیے کہ امت محمد تیرے بغیر کسی پر خوش نہ ہوگی..... دیکھو ناسخ التواریخ کتاب صفین، از کتب امیر المومنین علی علیہ السلام صفحہ ۲۴۱..... نیز ناسخ التواریخ، جلد سوم، از کتاب دوم صفحہ ۱۱۹ پر ایک شعر درج ہے

لکن نفسی تحب العیش فی شرف
و لیس یرضی بذل العیش انسان

''لیکن میرا دل عزت کی زندگی محبوب رکھتا ہے اور بات یہ ہے کہ کوئی آدمی بھی ذلت کی زندگی پر خوش نہیں ہوتا۔''

امید ہے کہ ناظرین کرام سمجھ گئے ہوں کہ رضا کا صلہ بائے موحدہ ہو تو بھی خوشنودی کے معنی دیتا ہے اور جو قانون ماسٹر صاحب نے گھڑا تھا۔ وہ بالکل عربی زبان سے جہالت پر مبنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اب میثم بحرانی کی وہ روایت جس میں رضامندیِ سیدہ صراحتاً مذکور ہے متکلمین شیعہ کے واسطے ہزار پریشانی کا باعث ہے۔

یہ پریشان خیالی نہیں تو اور کیا ہے جو ماسٹر صاحب اس روایت کو منقول از کتب اہل سنت قرار دے رہے ہیں..... دیکھو توثیق فدک صفحہ ۱۱۰..... اور جس کتاب کو کتاب اہل سنت مقرر کر کے اتحاد روایت کا دعویٰ کیا ہے وہ عجیب تر ہے۔ کہتے ہیں کہ حدیدی شرح نہج البلاغہ اہل سنت کی کتاب ہے کیونکہ اس کا مصنف ابن ابی الحدید سنی ہے۔ مگر ابن ابی الحدید کے سنی ہونے کی تردید کے لیے حدیدی جلد اول کی ابتدا میں جو ترجمہ الشارح مذکور ہے کافی ہے جہاں آپ کا شیعی ہونا واضح لکھا ہے۔ حدیدی شرح نہج البلاغہ تو متنازعہ فیہ ہے۔ ہمارے نزدیک شیعہ کی کتاب ہے اور تمھارے نزدیک اہل سنت والجماعت کی کتاب ہے۔ اس لیے اصول مناظرہ کے لحاظ سے ماسٹر صاحب کے لیے جائز نہ تھا کہ حدیدی کو اس سلسلہ میں پیش فرماتے۔ کیا اس کے علاوہ اہل سنت کی

کوئی کتاب نہیں؟ لاکھوں کتابیں اہل سنت والجماعت کے فضلا کی تالیف ہیں جن کے سنی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ اگر ابن میثم بحرانی کی روایت رضامندی سیدہ رضی اللہ عنہا کتب اہل سنت والجماعت سے منقول ہے تو ان کتابوں میں سے نکال کر پیش کرو جن کے سنی تالیف ہونے میں کلام نہ ہو۔

دوسری گزارش

دوسری گزارش یہ ہے کہ ابن میثم بحرانی کی روایت اور ابن ابی الحدید کی روایت میں کافی اختلاف ہے دونوں روایتوں کو سامنے رکھیے۔ الفاظ اور معانی اور مضمون میں واضح فرق نظر آئے گا جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ باوجود اس اختلاف معانی اور مضمون کے ابن میثم بحرانی کی روایت کو حدیدی کی شرح نہج البلاغہ، جلد دوم صفحہ ۲۹۶ سے منقول بتلانا اور دونوں روایتوں کے اتحاد کا دعویٰ کرنا ایک ایسا فرضی قصہ ہے جسے واقعیت کی بو تک حاصل نہیں ہوئی۔

تیسری گزارش

تیسری گزارش یہ ہے کہ ابن ابی الحدید نے یہ روایت احمد بن عبدالعزیز جوہری بصری کی کتاب السقیفہ سے نقل کی ہے۔ اول تو کتاب السقیفہ ہی اپنے مؤلف کے مذہب کے واشگاف کرنے میں بے غبار ہے۔ کتاب السقیفہ کے مطالعہ کرنے کے بعد کوئی منصف نہیں کہہ سکتا کہ اس کا مصنف سنی ہے۔ شیعہ مزعومات کو پوری احتیاط سے اس کتاب میں درج کیا گیا ہے۔ دوسرے احمد بن عبدالعزیز جوہری کو شیخ طوسی نے امامیہ رجال کی فہرست میں درج فرمایا ہے۔ اور ان کے سنی ہونے کا کوئی اظہار نہیں فرمایا یہ ان کے شیعی ہونے کی واضح دلیل ہے۔ چنانچہ علامہ طباطبائی کا ارشاد تنقیح المقال کے فائدہ ۱۹ میں یوں تحریر کیا ہے:

((الظاهر ان جميع ما ذكره الشيخ فى الفهرست من الشيعة الامامية الا من نص عليه على خلاف ذلك))

''یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ جن لوگوں کو شیخ طوسی نے اپنی کتاب نامی فہرست

میں ذکر کیا ہے وہ سب کے سب شیعہ امامیہ میں سے ہیں مگر وہ لوگ جن کے بارے میں اس کے خلاف وضاحت کر دی ہے۔"

بھلا اس عالم کو بھی کوئی مجہول الحال لکھ سکتا ہے؟ جس کی تصنیف مشہور عالم ہو اور شیعی مصنفین اس کے فیوضات سے مالا مال ہو چکے ہوں۔ جس شیعہ فاضل نے کتاب السقیفہ تصنیف کی ہے اس کے احسان عظیم کو شیعہ قوم قیامت تک فراموش نہیں کر سکتی۔

شیعہ وسنی میں فرق

جناب ماسٹر صاحب اس خیال میں ہیں کہ جو شخص بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایماندار جانتا ہے وہ سنی ہے اور جو شخص ایسا نہیں ہے وہ شیعہ ہے۔ اسی وجہ سے آپ ابن ابی الحدید کو سنی قرار دیتے ہیں...... حالانکہ شیعہ وسنی میں یہ تفریق بالکل سطحی اور عامیانہ ہے جو شخص شیعہ کے باہمی اختلافات اور ان کے تعدد مسالک کو جانتا ہے وہ مذکورہ بالا امتیاز کو لاشے قرار دیتا ہے قاضی نور اللہ شوستری نے جو شیعہ وسنی میں تفریق کی ہے وہ ایک خاص غرض پر مبنی ہے وہ بھی حقیقت کی ترجمانی نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ شیعہ وسنی دو الگ الگ مذہب ہیں۔ ہر ایک کے اصول وفروع جدا جدا ہیں۔ اہل سنت کے اصول وفروع کے لیے مستقل کتابیں ہیں۔ اسی طرح شیعہ کے اصول وفروع کے بیان میں بھی مستقل تصنیفات ہیں۔ اہل سنت کے ممبر اپنے خاص اصول وفروع کی کتابوں میں جو کچھ درج ہے اس پر ایمان رکھتے ہیں اور شیعہ لوگ اپنے اصول وفروع کی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ صرف خلافت کے مسئلہ کو باعث تفریق بنانا ظلم عظیم ہے۔ خود ہمارے ہی پاکستان میں ایسے شیعہ اہل علم بھی ہیں جو سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو کامل ایماندار اور ان کی خلافت کو خلافت راشدہ جانتے ہیں مگر باوجود اس کے تمام اصول وفروع میں پکے شیعہ ہیں۔ جیسا کہ مولانا مظہر علی صاحب اظہر جن کو شیعہ لوگ اپنے تبلیغی اجتماعات میں لیکچروں کے واسطے دعوت دیتے رہتے ہیں اور جن کے شیعہ ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ مگر باوجود اس کے آپ لکھنؤ میں مدح صحابہ کا جتھا لے کر گئے تھے اور اپنے رفقا سمیت گرفتار ہوئے

تھے اگر اس بات میں شبہ ہو تو احرار لیڈروں سے خط و کتابت کریں۔

قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین میں ان شیعہ حضرات کا بھی تذکرہ کیا ہے جن کے شیخین رضی اللہ عنہما کے مناقب کے بیان میں قصیدے موجود ہیں۔ اگر طوالت سے نہ ڈرتا تو وہ قصیدے نقل کر دیتا...... ابن ابی الحدید صرف شیعی نہیں بلکہ غالی شیعوں میں سے ہے۔ جیسا کہ اس کے سات قصیدے شاہد ہیں۔ شیعہ و سنی میں امتیاز کے لیے اصطلاح کو مدنظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اگر اصطلاح سے قطع نظر کر لیا جائے اور صرف لغوی معانی کو سامنے رکھ کر شیعہ و سنی میں امتیاز قائم کرنے کی سعی کی جائے تو اس میں کامیابی ممکن نہ ہوگی۔ کیونکہ لغوی معنی کے لحاظ سے سنی وہ ہے جو سنت رسول مقبول کی تابعداری کرے۔ اور ظاہر ہے کہ شیعہ لوگ بھی سنت رسول ہی کی تابعداری کا دم بھرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ جن اعمال کو وہ سنت رسول سمجھتے ہیں ہم انھیں ہرگز سنت رسول نہیں یقین کرتے۔ پس لغوی معنی کے اعتبار سے تمام شیعہ لوگ سنی ہیں۔ اسی طرح عربی لغت کے لحاظ سے شیعہ گروہ اور جماعت کو کہتے ہیں اگر اس کی اضافت حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی طرف ہو اور شیعہ علی کہا جائے تو کون کہتا ہے کہ سنی حضرات جناب سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی جماعت نہیں ہیں؟ پس لغت عرب کے اعتبار سے تمام سنی لوگ شیعہ کہلا سکتے ہیں۔ کتب شیعہ میں تو شیعہ معاویہ کی ترکیب بھی موجود ہے۔ اب واضح ہو گیا کہ شیعہ و سنی کی تفریق لغت کے اعتبار سے ممکن نہیں۔ بلکہ اصطلاح کو دیکھنا ہوگا۔ اور ظاہر و باہر ہے کہ اصطلاح متکلمین فریقین میں شیعی وہ ہے جو مخصوص اصول و فروع کا پابند ہو، اسی طرح سنی وہ ہے جو ایک خاص قسم کے اصول و فروع کا معتقد ہو۔ اگر ابن ابی الحدید نے متکلمین شیعہ کی چند ایک روایات کو غلط قرار دیا ہے تو کیا ہوا؟ شیعہ کی جن روایات اور عقائد کی اس نے تائید کی ہے ان کا بھی تذکرہ کرنا چاہیے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ علمائے ایران اور مجتہدین لکھنؤ نے جو ابن ابی الحدید کو شیعہ لکھا ہے انھوں نے صحیح لکھا ہے۔ اور ماسٹر منظور حسین صاحب نے جو اس کے سنی ہونے پر زور دیا ہے سخت بے جا ہے اور ماسٹر صاحب نے جس راہ میں قدم رکھا ہے وہ سنگلاخ اور بہت ہی کٹھن راستہ

ہے۔ ایک تو ابن میثم بحرانی کی روایت کو بعینہ وہ روایت ثابت کرنا جو ابن ابی الحدید میں ہے مشکل ہے۔ دوسرے ابن ابی الحدید کو سنی ثابت کرنا اس سے بھی مشکل ہے۔ آپ کے لیے نہایت آسان راستہ یہ تھا کہ ابن میثم بحرانی کی زبانی کہلوا دیتے کہ میں نے یہ روایت اہل سنت کی کتابوں سے وصول کی ہے۔ یا پھر بذات خود اہل سنت کی مسلم کتابوں سے یہی روایت نکال کر دکھلا دیتے۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ ۸۳

اس لیے کہ اس قسم کی کوئی روایت اہل سنت کی کتابوں میں موجود نہیں ہے راقم الحروف نے جس وقت یہ فقرہ لکھا اس وقت اس کے علم میں سیرت حلبیہ اور فتح الباری شرح صحیح بخاری کی وہ روایت موجود تھی جو ماسٹر صاحب پیش کر کے بغلیں بجا رہے ہیں، اور لوگوں کو باور کرا رہے ہیں کہ مؤلف تحقیق فدک کو ان روایات کا علم نہیں تھا، جواب میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ سب کچھ جاننے والا صرف خدا تعالیٰ ہے۔ خدام اہل سنت تو انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی سب کچھ جاننے میں خدا کا شریک نہیں جانتے۔ چہ جائیکہ کسی اہل علم کے بارے میں اس قسم کا خیال ظاہر کریں۔ اور راقم الحروف تو اپنے آپ کو تمام فضلائے کرام اہل سنت سے کم علم جانتا ہے۔ علمائے اہل سنت میں اس وقت بھی ایسے حضرات موجود ہیں جن کے سامنے اپنے آپ کو ایک طالب علم خیال کرتا ہوں پس جو چیز مجھے معلوم نہیں ہے۔ اس کے بارے اپنی لاعلمی کا اظہار کوئی باعث شرم اور موجب حجاب نہیں ہے۔ دوسری گزارش یہ ہے کہ تحقیق فدک میں درج شدہ فقرہ صرف یہ بات ظاہر کرنے کے لیے لکھا گیا ہے کہ ابن میثم بحرانی کی شرح نہج البلاغہ میں جو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رضامندی کی روایت موجود ہے وہ اس مضمون کے ساتھ اہل سنت کی کسی کتاب میں موجود نہیں ہے۔

اب ناظرین کرام! سیرت حلبیہ اور فتح الباری شرح صحیح بخاری کی روایات کو سامنے رکھ کر بتلائیں کہ آیا ابن میثم کی روایت کا مضمون مذکورہ دونوں کتابوں کی روایات میں دیکھا جا سکتا ہے؟ اگر جواب صیغۂ اثبات میں ہے تو ابن میثم بحرانی کی روایت کو

حدیدی شرح نہج البلاغہ میں سے منقول بتلانے کی کیا ضرورت تھی؟ صاف لکھ دیتے کہ ابن میثم بحرانی کی روایت مشتمل بر رضا مندی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سیرت حلبیہ اور فتح الباری سے منقول ہے۔ اگرچہ یہ بات بھی فساد سے خالی نہ ہوتی مگر اتنا تو ہو جاتا کہ فرضی منقول عنہ اہل سنت کی مسلم کتابیں تو پیش ہو جاتیں.......... حدیدی کی طرح فرضی منقول عنہ مشکوک تو قرار نہ دیا جاتا...... معلوم ہو گیا کہ سیرت حلبیہ اور فتح الباری میں ابن میثم بحرانی کی روایت کا مضمون موجود نہیں ہے۔ صرف ایک رضا مندی کے فقرہ کے اشتراک سے آپ کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ جبکہ باقی تمام اجزائے روایت مختلف ہیں اور یہی اختلاف ہے جو آپ کو حدیدی کی طرف دھکیل کر لے گیا ہے۔ اگرچہ حدیدی اور محدث بحرانی کی روایتوں میں بھی اختلاف موجود ہے مگر وہ نسبتاً تھوڑا ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ شارح بحرانی شیعی کی روایات رضا مندی میں ابتدائی رضامندی ہے۔ اور فتح الباری و سیرت حلبیہ میں بعد از غصب رضا مندی ہے اگر بصیرت کی ہمراہی نصیب ہو تو یہ فرق عظیم ہے۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ ۸۹

جواب سوم کی تردید کرتے ہوئے ماسٹر منظور حسین صاحب اپنی توثیق فدک کے صفحہ ۱۱۳ پر لکھتے ہیں ”دربار حاکم میں جتنے دعوے بی بی پاک نے کیے حضرت علی رضی اللہ عنہ برابر قرآن و حدیث سے احتجاج کرتے رہے۔ زبان سے جتنا ہو سکا اتنا کیا۔ جس پر بی بی ناراض ہوئی اس پر حضرت امیر رضی اللہ عنہ بھی ناراض رہے۔“

ناظرین کرام! میری کتاب تحقیق فدک صفحہ ۸۱ سامنے رکھ کر منظوریات کا مطالعہ کریں۔ تو معلوم ہوگا کہ اس کو جواب کا نام دینا بھی ظلم عظیم ہے۔ غصب حقوق کے موقع پر صرف زبان کے استعمال سے تو کمزور ترین آدمی بھی عاجز نہیں ہوتا اگر حسب زعم شیعہ بالخصوص ماسٹر منظور حسین صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی صرف زبانی جمع خرچ سے کام لیا تو اس دنیا کے کمزور ترین انسان میں اور اسد اللہ الغالب میں کیا فرق رہ گیا؟ اگر جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کی امداد کے موقع پر وہ قوت اور طاقت بیدار نہ ہو جو احد، بدر، حنین،

خندق، تبوک اور خیبر میں جلوہ گر ہوئی تھی تو منصفوں کے نزدیک پرپشہ کی وقعت بھی نہیں رکھتی۔ اگر حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ اس موقع پر زور آزمائی کرتے اور زور بازو کو استعمال فرماتے تو حسب دستور فتح مندی انھی کے قدم چومتی اور اگر مارے جاتے تو شہید ہو جاتے جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کتب حدیث فریقین میں ہے۔ من قتل دون ماله فهو شهيد۔ یعنی جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے۔اور ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کا یہ اثر تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک متنفس خدا کی راہ میں شہادت کا جویاں تھا۔ ڈاکٹر اقبالؒ نے اسی مضمون کا ترجمہ کیا ہے

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

اس سے بڑھ کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو کیا چاہیے تھا؟ ایک منصوص حق کی خاطر شہید ہو جانے سے بڑھ کر کون سی سعادت مندی کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرض صرف زبانی تقریروں سے ادا ہو گیا تھا تو پھر حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے ازراہِ طعن و ملامت آپ سے کیوں فرمایا:

((يابن ابى طالب اشتملت شملة الجنين وقعدت حجرة الظنين……))

''اے ابو طالب کے بیٹے! اپنے آپ کو چادر میں لپیٹ لیا ہے، جیسا کہ ماں کے پیٹ میں بچہ ایک پردہ میں لپٹا ہوا ہوتا ہے اور حجرہ میں چھپ کر بیٹھ گیا ہے جیسا کہ تہمت زدہ لوگوں سے چھپ کر بیٹھ جاتے ہیں۔''

کیا کوئی اہل زبان یا عربی دان مذکورہ بالا کلام سیدہ کو رضا مندی کے اظہار کے واسطے قرار دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ اس کلام سے ناراضگی اور فرط غضب ٹپک رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا فرض اعانت ادا نہیں کیا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کے بارے میں حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کا فتویٰ صحیح اور درست تھا جن کے مقابلے

ہیں تاویلات منظور یہ کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔ دراصل ماسٹر صاحب اس موقع پر حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے فہم و فراست پر مطمئن نہیں ہیں کیونکہ جناب سیدہ رضی اللہ عنہا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرز عمل سے ناخوش ہیں۔ اور ماسٹر صاحب ہیں کہ حسب زعم شیعہ علوی طرز عمل کی تصحیح اور تصویب کے واسطے تاویلات رکیکہ کام میں لا رہے ہیں اس موقع پر شیعہ مصنفین نے ایک وصیت بھی تصنیف کر ڈالی ہے۔ جس کی نسبت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر دی ہے۔ اور جس کا مضمون یہ ہے کہ ''اے علی! میرے بعد صبر سے کام لینا ہو گا'' چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اقرار کیا کہ اے رسول خدا! میں صبر کا دامن ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ چاہے اس میں میری عزت کی ہتک بھی ہو جائے اور چاہے سنن نبویہ کو بیکار کر دیا جائے اور چاہے خانہ کعبہ کو گرا دیا جائے اور چاہے کتاب خدا کو پھاڑ ڈالا جائے اور چاہے میری داڑھی میرے لہو سے رنگ کر دی جائے۔ (دیکھو اصول کافی مطبوعہ تہران صفحہ ۸۶)

یہی وصیت ہے جس کا دن رات ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے اور منظور حسین صاحب اپنی کتاب کے ہر ایک صفحہ پر جس کو دہراتے رہتے ہیں۔ اب عقل و بصیرت سے حصہ رکھنے والے اس وصیت پر غور کریں۔

کیا ایسی وصیت ممکن بھی ہے؟ کیا ہو سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کی وصیت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمائیں؟ جس میں قرآن و حدیث اور کعبۃ اللہ اور عزت نفس سے بے پروائی کا اقرار لیا گیا ہو۔

اس وصیت نامہ کی تصنیف کی ضرورت شیعہ مصنفین کو اس وقت پیش آئی جب خدام اہل سنت والجماعت نے ﴿رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ کی تشریح کرتے ہوئے صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کے باہمی تعلقات اور حسن معاملات کو دنیا کے سامنے رکھا۔ تحقیق فدک صفحہ ۸۱ پر ثابت کیا گیا ہے کہ اگر شیعہ عقائد کے مطابق تسلیم کر لیا جائے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوئی تھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ناراض نہ ہوں کیونکہ دونوں بزرگوں کے جرم میں حسب مزعومات شیعہ کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غصب اراضی فدک کے مجرم ہوئے ہیں تو حضرت شیر

خدا امداد پر قدرت رکھتے ہوئے اور فدک واپس دلانے پر قادر ہوتے ہوئے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی امداد نہ کرنے کے مجرم ہیں۔ اس موقع پر مذکورہ بالا فرضی وصیت شیعہ کو کام دیتی ہے۔ اور بے تکلف کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی طاقت کے استعمال کی اجازت نہ تھی۔ حسب وصیت پیغمبر زور آزمائی نہیں کر سکتے تھے۔

کیا کوئی شیعی محقق ہے جو اس راز سربستہ کو کھولے، اور ہمیں بتلائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں شیر خدا کو اپنی طاقت کے استعمال کی اجازت تھی۔ چنانچہ آپ نے بہت سے میدان مارے، اور ناممکن قلعے فتح کیے۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے زمانوں میں حضرت شیر خدا کو پابند کر دیا اور تاکید کر دی کہ میرے بعد آپ کو اظہار طاقت استعمال قوت ممنوع ہے؟ حالانکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام کو شیر خدا کی خداداد شجاعت اور بہادری کی زیادہ ضرورت تھی معلوم ہو گیا کہ یہ وصیت نامہ من گھڑت ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اگر دومنٹ کے لیے اس وصیت نامہ کو درست تسلیم کر لیا جائے تو حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی اعانت دربارہ فدک اس سے مخصوص ہو سکتی تھی۔

بلکہ میرا دعویٰ ہے کہ بصورت صحت وصیت مذکورہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی امداد اور آپ کے واسطے استعمال طاقت اس وصیت سے مخصوص اور مستثنیٰ ہے۔ علم اصول فقہ کی اصلاح میں اس کو عام مخصوص البعض کہا جاتا ہے۔ عام مخصوص البعض جس طرح اہل سنت والجماعت کے یہاں بکثرت پایا جاتا ہے اسی طرح مجتہدین شیعہ نے بھی اس کو بے شمار مواضع میں استعمال کیا ہے۔ یہ چیز مسلّم ہے اس واسطے کسی کتاب کے حوالے کی ضرورت نہیں۔ البتہ کسی عام سے کسی جزئیہ کو مخصوص ثابت کرنے کے لیے دلیل کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ سو اس وصیت سے حضرت سیدہ کی اعانت کو مخصوص اور مستثنیٰ ثابت کرنے کے لیے وہ حدیث مرفوع دلیل ہے۔ جس کو شیعہ وسنی محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے۔

((الفاطمة بضعة منی فمن اذاها فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی الله او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم))

''یعنی فاطمہ میرے بدن کا ایک حصہ ہے پس جس نے اس کو دُکھایا اس نے مجھے دکھایا اور جس نے مجھے دکھایا اس نے خدا تعالیٰ کو دکھایا۔''

یہ حدیث بتلا رہی ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک کا ایک حصہ ہیں۔ پس جس طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کی ہر طرح سے حفاظت کی ہے اور آپ کے دشمنوں کو تلوار کی نوک سے دشمنی کا مزا چکھایا ہے۔ اسی طرح حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ہر طرح سے حفاظت اور آپ کے دشمنوں کو کیفر کردار تک پہنچانا آپ کا فریضہ ہے۔ اس حدیث کا پہلا فقرہ ہی مفروضہ وصیت کی تخصیص کے لیے کافی ہے۔ اور اگر حدیث مذکورہ کے فقرہ ثانی میں غور کیا جائے تو وہ بھی دلیل تخصیص بننے کے لیے تیار ہے، کیونکہ اگر غصب فدک شیعہ خیالات کے مطابق حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے دکھیا ہو جانے کا سبب ہے تو اسد اللہ الغالب کی شجاعت اور ذوالفقار کا حرکت میں نہ آنا اور حسب روایت احتجاج طبری حجرے میں روپوش رہنا بدرجہا زیادہ موجب ایذا ہے۔ اس لیے یہ فقرہ بھی بتلا رہا ہے کہ اس فرضی وصیت سے جس کو اصول کافی میں مولوی ابو جعفر کلینی نے روایت کیا ہے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی اس قسم کے مواقع میں امداد بھی مخصوص ہے۔ اس دنیا کے مسلمات میں سے ہے کہ جو عزیز امداد کے موقع پر باوجود قدرت کے امداد نہیں کرتا۔ اس میں اور دشمن میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

منصور حلاج کو لوگ پتھر مار رہے تھے تو آپ خوش و خرم تھے لیکن جب شبلی رحمہ اللہ نے ایک گلاب کا پھول آپ کی طرف پھینکا تو زارو قطار رونے لگے۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ دوسرے نامحرم تھے۔ اور حضرت شبلی رحمہ اللہ محرم تھے اور عزیز۔

اس وصیت کو مخصوص البعض بنانے سے شیعہ کو چارہ نہیں ہے۔ اگر مخصوص البعض تسلیم نہیں کریں گے تو صفین کی جنگ کا کیا جواب دیں گے۔ جب صبر کی وصیت تھی تو صفین کی جنگ میں سامان جنگ کیوں جمع کیا گیا تھا؟ اس سوال کے جواب میں بغیر اس کے شیعہ متکلمین کیا کہہ سکتے ہیں کہ ایک مرفوع حدیث نے اس لڑائی کو مباح کر دیا

تھا۔ [1] اب دومنٹ گزر چکے ہیں۔ اس لیے فرضی وصیت کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اگر چہ شیعہ مصنّفین کے ہر ایک فرد نے اس وصیت کو آڑ بنایا ہے کیونکہ اس وصیت کے تسلیم کر لینے سے حضور نبی کریم ﷺ کی ذات ستودہ صفات پر ایک ایسا اعتراض وارد ہوتا ہے جس کا کوئی جواب نہیں ہوسکتا۔

حضور نبی کریم ﷺ نے تیئس برس کی طویل مدت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صبر کا حکم نہیں دیا بلکہ آپ کی خدا داد شجاعت اور بے حساب طاقت کو اسلام کی خاطر استعمال فرمایا۔ لیکن وفات کے بعد صبر کی وصیت کر کے طاقت کے استعمال کو روک دیا۔ فرائض خداوندی اور حدودِ الٰہی مٹا دیے جائیں تو کوئی پروا نہیں معلوم ہوا کہ آنحضور ﷺ کو اپنی زندگی میں اسلام کی حفاظت منظور تھی وفات کے بعد اسلام کی آنحضور ﷺ کو کوئی پروا نہ تھی۔ کیا خدا تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کو صرف تیئس برس کی مدت تک اسلام کی اشاعت اور حفاظت کے لیے مبعوث فرمایا تھا۔ اس کے بعد اسلام کی اشاعت اور حفاظت آپ کے پروگرام سے خارج تھی۔ حاشا وکلا جب قیامت تک آپ رسول ہیں۔ آپ کے بعد کسی ہستی کے رسول بنائے جانے کا کوئی پروگرام نہیں ہے تو پھر آپ اپنے عزیزوں، مخلصوں کو کس طرح وصیت کر سکتے ہیں کہ اسلام اور اس کے احکام مٹا دیے جائیں تو بھی اپنی تلواروں کو حرکت نہ دینا اور فرائض خداوندی اور حدودِ الٰہی کو معطل کر دیا جائے تو بھی صبر کے دامن کو قابو میں رکھنا ہوگا۔ سبحان اللہ! عجیب وصیت ہے۔ قرآن پھاڑ دیا جائے، کعبۃ اللہ گرا دیا جائے تو بھی ہاتھ پاؤں کو حرکت دینا موجب گناہ ہے۔ پھر اسلامی غیرت کس جانور کا نام ہے؟ ماسٹر صاحب اپنی توثیق فدک کے صفحہ ۱۱۳ پر لکھتے ہیں کہ زبان سے جتنا ہو سکا اتنا کیا۔ خدا کے بندے! کیا یہ موقع تقریروں اور لیکچروں کا موقع تھا؟ زبانی جمع خرچ اور شیر خدا کیا یہ دونوں کلمے آپس میں کوئی مناسبت

[1] تو اسی طرح ہم بھی کہتے ہیں کہ حدیث بضعہ مذکورہ نے بھی حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی امداد کو اور آپ کے واسطے طاقت کے استعمال کو مباح کر دیا تھا۔

بھی رکھتے ہیں؟ باطل کو جس قدر ملمع کر کے خوبصورت بنایا جائے آخر باطل ہی رہتا ہے۔ وہ حق نہیں بن جاتا اور عقلمند آدمی دیر یا سویر معلوم کر ہی لیتا ہے۔ چنانچہ ماسٹر صاحب کے قلم ملمع رقم سے بھی ایک ایسا فقرہ ٹپک پڑا جو اس جعلی وصیت کے باطل ہونے پر روشنی ڈال رہا ہے۔

دیکھیے وہ اپنی توثیق فدک کے صفحہ ۱۴۱ پر لکھتے ہیں:

> ''بموجب وصیت پیغمبر حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو اتنا ہی کرنا مطلوب تھا جو زبان سے دنیا کو کر دکھایا اگر یہ قصہ نہ ہوتا تو واقعی یہ امور ناشائستہ اہل بیت کو پیش نہ آتے۔ خیبر و خندق کے معرکے فتح کرنے والے تلوار کند نہ ہو گئی تھی۔''

ناظرین کرام! منظور حسین صاحب کی مذکورہ عبارت پر سرسری نگاہ ڈالنے سے واضح ہو رہا ہے کہ اہل بیت کو جس قدر ناشائستہ حالات پیش آئے آپ کے نزدیک ان کا واحد سبب یہی وصیت پیغمبر ہے پس جو چیز امور ناشائستہ کا سبب ہے کیا وہ شائستہ اور برحق ہو سکتی ہے؟ امور ناشائستہ سے ماسٹر صاحب کی مراد فدک کا چھن جانا اور خلافت متصلہ سے محروم ہو جانا اور بزعم شیعہ غاصبوں کی اقتدا میں چوبیس برس نماز پڑھنا وغیرہا ہیں۔ جب ماسٹر صاحب کے نزدیک ان تمام خرابیوں کی اصل جڑ وہ وصیت پیغمبر ہے تو حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر ناراضگی بے جا ہے بلکہ شیعی دنیا کو وصیت کرنے والے پر ناراض ہونا چاہیے۔ اور کچھ بعید نہیں ہے کہ یہ لوگ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی خفا ہوں مگر از روئے تقیہ اس چیز کو ظاہر نہ کرتے ہوں۔ اگر دوسرے شیعہ لوگ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خفا نہ بھی ہوں تو ماسٹر صاحب کی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ناراضگی تو ان کی اپنی عبارت سے ٹپک رہی ہے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رضامندی کی تشریح

کتاب تحقیق فدک از صفحہ ۷۱ تا ۸۷ پر شیعی روایات سے نیز عقلی دلیل سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے راضی تھیں۔ کسی قسم کی رنجش اور کشیدگی واقع نہ ہوئی تھی۔ اور ابن میثم شیعی کی مذکورہ روایت پر

جو اعتراضات وارد ہو سکتے تھے ان کے جوابات حسب مسلّمات شیعہ تفصیل کے ساتھ درج کر دیے تھے۔

① اب اس ضمیمہ میں کتب اہل سنت والجماعت سے مسئلہ رضامندی لکھا جاتا ہے۔ دیکھو کتاب ریاض النضرہ جلد اول صفحہ ۱۵۶ مطبوعہ مصر

((عن عامر قال جآء ابوبكر الى فاطمة وقد اشتد مرضها فاستاذن عليها فقال لها على هذا ابوبكر على الباب يستاذن فان شئت ان تاذنى له؟ قالت او ذاك احب اليك قال نعم فدخل فاعتذر اليها وكلمها فرضيت عنه))

''عامر شعبی رحمہ اللہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے۔ درآں حالے کہ آپ کا مرض شدت اختیار کر چکا تھا۔ پس گھر میں داخل ہونے کے لیے اذن طلب کیا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ یہ ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دروازے پر کھڑے ہوئے ہیں۔ اندر آنے کو اذن طلب کرتے ہیں پس اگر آپ چاہتی ہیں کہ ان کو اندر آنے کے لیے اذن دے دیں تو ضرور دے دیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آیا یہ چیز آپ کو محبوب ہے؟ جواب ارشاد فرمایا کہ ہاں یہ چیز مجھے محبوب ہے۔ پس اذن مل جانے پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوئے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سامنے عذر پیش کیے اور گفتگو کی پس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے راضی ہو گئیں۔''

② کتاب مذکور جلد مذکور صفحہ ۱۵۷ پر

((وعن الاوزاعى قال بلغنى ان فاطمة بنت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم غضبت على ابى بكر فخرج ابوبكر حتى قام على بابها فى يوم حار ثم قال لا ابرح مكانى حتى ترضى عنى بنت

رسول الله ﷺ فدخل عليها علی فاقسم عليها لترضی فرضيت خرجه ابن السمان فی الموافقة))

''امام اوزاعی رحمہ اللہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول خدا کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ناراض ہوئیں۔ پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سخت گرمی کے وقت آپ کے دروازے پر جا کھڑے ہو گئے اور کہا جب تک دختر رسول خدا مجھ سے راضی نہ ہوں گی میں اس مکان کو ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہو گئے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تاکید کی کہ راضی ہو جائیں پس آپ راضی ہو گئیں۔''

ناظرین کرام! پہلے پہل ان دونوں روایات کی تصدیق اور تصویب درج کی جاتی ہے۔ اس کے بعد تشریح کی جائے گی۔ جس سے وہ علوم ظاہر ہوں گے جو ان روایات میں مضمر اور پوشیدہ ہیں۔

تصحیح روایات رضامندی

پہلی روایت جو حضرت عامر شعبی رحمہ اللہ سے مروی ہے اس کی تصحیح اور تصدیق کرنے والوں کے اسمائے گرامی مع حوالہ جات کتب ملاحظہ ہوں۔

1. حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''فتح الباری'' شرح صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد ۶ صفحہ ۱۵۱ پر لکھا ہے:

((واخلق بالامر ان يكون كذلك لما علم من وفور عقلها ودينها عليها السلام))

''اور رضامندی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا مناسب ترین چیز ہے کیونکہ آپ کی عقلمندی اور دینداری کی کثرت کا تقاضا یہی ہے۔

2. علامہ حافظ الحدیث شیخ بدر الدین عینی رحمہ اللہ کی کتاب ''عمدۃ القاری'' شرح صحیح بخاری، مطبوعہ مصر، جلد ۱۵، صفحہ ۲۰۔

3. شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''مدارج النبوت'' جلد دوم،

مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ، صفحہ ۴۴۵ پر رضامندی فاطمہ کی روایت کو تحقیقی روایت قرار دیا ہے۔

۴ طبقات کبریٰ، از ابن سعد، مطبوعہ بیروت جلد ۸ صفحہ ۲۷

۵ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''البدایہ و النہایہ'' جلد ۵ صفحہ ۲۸۹ پر رضامندی فاطمہ کی روایت کی سند کو جید اور قوی کہا ہے۔

۶ سیرت حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۳۹۹۔

اور امام اوزاعی رحمہ اللہ کی روایت کی تصدیق اور تصحیح کرنے والے شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ ہیں دیکھو آپ کی کتاب ''مدارج النبوۃ'' جلد دوم، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ، صفحہ ۴۴۶۔

میرے نزدیک امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ بھی امام اوزاعی رحمہ اللہ کی روایت کے مصدق اور تصحیح اور توثیق کرنے والے ہیں۔ جیسا کہ تفسیر کبیر مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۱۵۷ سے ظاہر ہو رہا ہے۔

حدیث مرسل حجت ہے

چونکہ ماسٹر منظور حسین صاحب نے اپنی توثیق فدک کے بہت سے مقامات پر رضامندی سیدہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو مرسل ہونے کی بنا پر مردود قرار دیا ہے۔ اس لیے یہاں مرسل روایت کی حجیت و عدم حجیت کے مسئلہ کو ذرا تفصیل سے لکھا جاتا ہے.....

حدیث مرسل وہ ہے جس کا پہلا راوی صحابی مذکور نہ ہو، اور روایت مرسل وہ ہے جس کا اول راوی یعنی واقعہ کا مشاہدہ کرنے والا مذکور نہ ہو واقعی مرسل روایت کے قبول اور عدم قبول میں اختلاف ہے جیسا کہ مرسل حدیث کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے جیسا کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ کی شرح نخبۃ الفکر، مطبوعہ مصر صفحہ ۱۱۱ پر ہے:

((اعلم ان کون حدیثا ضعیفا لا یحتج به انما هو اختیار جماعة من المحدثین المرسل وهو قول الشافعی وطآئفة من الفقهآء واصحاب الاصول وقال مالك فی المشهور

عنه و ابو حنیفة واصحابه وغیرهم من ائمة العلمآء کاحمد فی المشهور عنه انه صحیح محتج به بل حکی ابن جریر اجماع التابعین باسرهم علی قبوله وانه لم یات عن احد منهم انکاره ولا عن احد من الائمة بعدهم))

”جان لو کہ حدیث مرسل کا ضعیف ہونا اور قابل حجت نہ ہونا محدثین کی ایک جماعت کے یہاں پسندیدہ ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول یہی ہے اور فقیہوں اور اصولیوں کی ایک جماعت بھی اسی طرح کہتی ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ سے جو بات مشہور ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے تمام شاگرد اور ان کے علاوہ علمائے اسلام کے امام جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ سے مشہور ہے۔ یہ سب کے سب کہتے ہیں کہ مرسل حدیث صحیح ہے اور اس سے حجت قائم ہوتی رہتی ہے بلکہ علامہ ابن جریر طبری نے حدیث مرسل کے قبول کر لینے پر تمام تابعین کا اجماع نقل کیا ہے اور اس بات کا بھی دعویٰ کیا ہے کہ تابعین میں سے کسی شخص سے حدیث مرسل کا اظہار منقول نہیں ہے اور نہ تابعین کے بعد دوسری صدی کے آخر تک کسی مجتہد سے حدیث مرسل کا انکار منقول ہے۔“

ناظرین کرام! حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ کی عبارت مذکورہ پر غور کرو۔ مرسل حدیث کے بارے میں کس صفائی سے اختلاف بیان فرمایا ہے امام شافعی رحمہ اللہ اور محدثین کی ایک جماعت اسی طرح فقہاء کی ایک جماعت اور اصولیوں کی ایک جماعت کا مختار یہ ہے کہ مرسل ضعیف ہے۔ لائق حجت نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ بلا فاصلہ امام مالک اور امام ابو حنیفہ اور امام احمد رحمہم اللہ کا مذہب اسی طرح امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے تمام شاگردوں کا مذہب نقل کیا ہے کہ حدیث مرسل حدیث صحیح ہے۔ لائق حجت ہے صاحب فلک نجات اور اس کے مقلد ماسٹر منظور حسین صاحب تدریب الراوی صفحہ ۶۶ سے آدھی بات نقل کرتے ہیں۔ اور آدھی بات ترک کر دیتے ہیں۔ تدریب الراوی صفحہ ۶۶ پر بے شک امام شافعی کا قول حدیث مرسل کے ضعیف ہونے اور نا قابل احتجاج ہونے کے

بارے میں لکھا ہے مگر اس کے بعد صفحہ ۶۷ پر درج ہے کہ امام مالک اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہم اللہ حدیث مرسل کو صحیح مانتے ہیں اور اس کو قابل حجت جانتے ہیں۔ بتلایئے ماسٹر صاحب! صاحب تحقیق فدک حنفی ہیں یا نہیں؟ اگر وہ حنفی ہے اور یقیناً حنفی ہے تو حدیث مرسل اس کے یہاں صحیح اور لائق حجت ہوئی یا نہیں؟ نقل مذہب میں خیانت کرتے ہیں اور دل میں خیال کرتے ہیں کہ تحقیق فدک کا جواب لکھا گیا۔ تحقیق فدک کا جواب اسی طرح مشکل ہے جس طرح کہ تحفہ اثنا عشریہ کا جواب مشکل ہے۔

حدیث مرسل کے بارے میں شرح سفر السعادت مطبوعہ نول کشور لکھنؤ صفحہ ۶۷ پر لکھا ہے:

''ونزد امام ابوحنیفہ و امام مالک رحمہما اللہ مقبول است مطلقاً وایشاں گویند کہ ارسال بجہت کمال وثوق و اعتماد است زیرا کہ کلام در ثقہ است و اگر نزد وے صحیح وارسال نمی نمود و قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمی گفت''

شیخ عبدالحق صاحب دہلوی رحمہ اللہ کی عبارت مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک حدیث مرسل ہر حال میں حجت ہے۔ یہ حدیث کسی دوسری سند سے مروی ہو یا نہ ہو۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم معتبر راوی کی مرسل قبول کرتے ہیں اور جو راوی معتبر ہے اسے حدیث کے صحیح ہونے پر کمال اعتبار اور پورا اعتماد ہے۔ اس لیے اس نے اوپر کا راوی ساقط کر دیا ہے۔ اگر یہ حدیث اس کے نزدیک صحیح نہ ہوتی تو وہ اوپر کے راوی کو ہرگز ساقط نہ کرتا اور حدیث کی نسبت خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہرگز نہ کرتا۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ جس طرح تدریب الراوی اور ملا علی قاری کی کتاب شرح نخبۃ الفکر اور شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ کی کتاب شرح سفر السعادت سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور آپ کے تمام شاگرد اس بات پر متفق ہیں کہ حدیث مرسل حجت ہے، صحیح ہے۔ اسی طرح حنفی اصول فقہ کی تمام کتابوں میں درج ہے کہ حدیث مرسل حجت ہے۔ بلکہ حنفی اصولی حضرات تو پوری سند والی حدیث پر مرسل کو ترجیح دیتے ہیں جیسا کہ

اصول فقہ کی مشہور ومعروف درسی کتاب حسامی مطبوعہ مجتبائی دہلی، صفحہ ۶۷ پر ہے

((وھو فوق المسند فان من لم یتضح له الامر نسبه الی من سمعه منه لیحمله ما تحمل عنه))

اور وہ مرسل جو ہے تو مستند، یعنی پوری سند والی پر فوقیت رکھتی ہے اس لیے کہ جس شخص پر اس حدیث کا معاملہ واضح نہیں ہوا۔ اس نے اس حدیث کی نسبت اس کی طرف کردی جس سے سنی تھی تا کہ جو بوجھ راوی نے اٹھایا ہوا ہے وہ اس شخص پر رکھ دے جس سے سنی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ راوی جب مروی عنہ کا نام ذکر کرتا ہے تو وہ اپنی گردن سے بوجھ اتار کر مروی عنہ کی گردن پر رکھتا ہے اور حدیث کے صحیح ہونے کی ذمہ داری لینے سے پہلو تہی کرتا ہے اور لوگوں کو اطلاع دے دیتا ہے کہ بھائی میں نے تو یہ حدیث فلاں بزرگ سے سماعت کی ہے۔ تم خود تحقیق کرلو۔ اگر وہ مروی عنہ معتبر ہے تو اس کی روایت کو قبول کرلو اور اگر تمھارے نزدیک وہ معتبر نہیں ہے تو حدیث کو قبول نہ کرو۔ لیکن جو راوی اپنے اوپر کے درجے کے راوی کا نام ذکر نہیں کرتا وہ اس حدیث کے صحیح ہونے کی ذمہ داری لیتا ہے اور اس کی صحت کا مدعی ہے۔ پس اگر حدیث مرسل ثقہ راوی نے روایت کی ہے تو اس کے صحیح اور قابل حجت ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف جو نسبت کیا گیا ہے کہ وہ مرسل کو حجت تسلیم نہیں کرتے اس میں بھی تفصیل ہے۔ چنانچہ تدریب الراوی صفحہ ۶۷ پر ان مرسل حدیثوں کا ذکر موجود ہے جن کو امام شافعی رحمہ اللہ نے قبول کیا ہے۔ بلکہ صاحب تدریب نے امام نووی شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ جو لوگ امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ کسی صورت میں بھی حدیث مرسل کو قبول نہیں کرتے وہ غلط کہتے ہیں۔ کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ کچھ شرائط کے ساتھ حدیث مرسل کو قبول کر لیتے ہیں۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ حنفی اور مالکی اور حنبلی بھی ہر ایک مرسل کو تو قبول نہیں کرتے۔ یہ حضرات بھی مرسل کے راوی کے ثقہ اور معتبر ہونے کی شرط لگاتے ہیں جیسا

کہ شیخ عبدالحق صاحب رحمہ اللہ کی مندرجہ بالا عبارت میں بصراحت مذکور ہے۔ پس خوب واضح ہو گیا کہ حنفیوں کے نزدیک حدیث مرسل لائق حجت ہے بشرطیکہ اس کا راوی معتبر اور صدوق ہو۔

رضامندی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے راویوں کا حال

ریاض النضرہ سے جو رضامندی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی روایات نقل کی گئی ہیں۔ ان میں سے پہلی روایت کے راوی عامر شعبی رحمہ اللہ ہیں۔ اور دوسری روایت کے راوی امام اوزاعی رحمہ اللہ ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی ثقاہت اور صداقت لکھ دی جائے تاکہ روایات مذکورہ کے مرسل ہونے کی وجہ سے جو شکوک پیدا کیے گئے ہیں وہ کافور ہو جائیں۔

عامر بن شراحیل شعبی رحمہ اللہ

بذل المجہود شرح ابوداود مطبع نامی میرٹھ ہند صفحہ ۵۵

((ثقة مشهور فقيه فاضل يقول و ادركت خمسمأة من الصحابة وقال ابن معين وابو زرعة وغير واحد الشعبى ثقة))

"عامر بن شراحیل شعبی ثقہ ہوئے ہیں مشہور اور قرآن و حدیث کے اسرار جاننے والے صاحب فضیلت ہیں۔ خود انھوں نے فرمایا ہے کہ میں نے پانچ سو صحابیوں کی زیارت کی ہے اور ابن معین اور ابو زرعہ رازی رحمہما اللہ اور ان کے علاوہ بہت سے ائمہ جرح و تعدیل نے کہا ہے کہ شعبی رحمہ اللہ معتبر راوی ہیں۔"

اسی طرح البدایہ والنہایہ میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((كان الشعبى من شعب همدان كنيته ابوعمرو وكان علامة اهل الكوفة وكان اماماً حافظا ذا فنون وقد ادرك خلقا من الصحابة وروى عنهم وعن جماعة من التابعين وعنه ايضا روى جماعة من التابعين قال ابو مجلز ما رأيت افقه من الشعبى))

''کنیت شعبی کی ابوعمرو تھی، اور وہ قبیلہ ہمدان کی شاخ میں سے تھے۔ اور تمام کوفہ کے اہل علم میں سے زیادہ عالم تھے، اور علوم شرعیہ میں امام اور خوب حافظ تھے۔ علم حدیث کے تمام فنون کے ماہر تھے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت بڑی جماعت کی زیارت کی تھی اور ان سے روایات اخذ کی تھیں اور تابعین کی جماعت سے بھی روایات حاصل کی تھیں اور امام شعبی رحمہ اللہ سے بھی تابعین کی جماعت نے روایات حاصل کی تھیں حضرت ابومجلز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے شعبی سے زیادہ کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔''

(دیکھو البدایہ والنہایہ جلد نہم صفحہ ۲۲۰ مطبوعہ مصر)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تدریب الراوی، معرفت حفاظ کے باب ۹۳ میں ارشاد فرماتے ہیں:

((وقال الزهری العلمآء اربعة سعيد بن المسيب بالمدينة والشعبی بالكوفة والحسن بالبصرة ومكحول بالشام))

''اور امام زہری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بہت بڑے عالم چار ہیں سعید بن مسیّب مدینہ منورہ میں، شعبی کوفہ میں، حسن بصرہ میں اور مکحول شام میں۔''

اس عبارت میں عالم سے مراد قوی حافظہ والے ہیں۔ کیونکہ باب ۹۳ حفاظ حدیث کی معرفت کے واسطے منعقد کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اوپر کی عبارت میں صراحت موجود ہے۔ (دیکھو تدریب الراوی مطبوعہ مصر صفحہ ۴۷۵)

طبقات ابن سعد میں ہے:

((عن مكحول قال ما رايت احدا اعلم بالسنة الماضية من الشعبی))

''مکحول سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے کوئی اہل علم ایسا نہیں دیکھا جو گزرے ہوئے واقعات کا امام شعبی رحمہ اللہ سے زیادہ جاننے والا ہو۔''

(دیکھو طبقات ابن سعد مطبوعہ بیروت جلد ششم صفحہ ۲۵۴)

نوٹ: سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ بھی گزرے ہوئے واقعات میں سے ہے۔ نیز یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ گزرے ہوئے واقعات سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات ہیں کیونکہ ہمارے سلف صالحین کا مقصود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات کی جستجو تھی۔ عام تاریخی واقعات سے انھیں کوئی دلچسپی نہ تھی۔

اسی طرح تنسیق النظام فی مسند الامام صفحہ ۶۲ پر ہے:

((وكان الشعبى اماما عظيما جامعا للتفسير والحديث والفقه))

"یعنی شعبی تفسیر قرآن اور حدیث رسول اور ان دونوں کی فقہ میں عظیم الشان امام تھے۔"

امام اوزاعی رحمہ اللہ

طبقات ابن سعد، جلد ہفتم، صفحہ ۴۸۸، مطبوعہ بیروت میں ہے کہ امام اوزاعی رحمہ اللہ کا نام عبدالرحمٰن ہے۔ اور بیروت میں اقامت پذیر تھے اور وہاں ہی ان کی وفات ۱۵۷ھ میں ہوئی درآں حالے کہ ان کی عمر ستر برس تھی اور ان کی صفات میں ابن سعد لکھتے ہیں:

((وكان ثقة مامونا صدوقا فاضلا خيرا كثيرا الحديث والعلم والفقة حجة))

"اور امام اوزاعی رحمہ اللہ بڑے معتبر تھے ان سے کسی قسم کا خطرہ نہ تھا بہت ہی سچے تھے۔ صاحب فضل اور عمدہ خصلت رکھتے تھے۔ علم حدیث اور علم قرآن اور علم فقہ ان کے پاس بہت تھا۔ اور ان کی روایات واجب التسلیم اور قابل احتجاج تھیں۔"

اسی طرح امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ امام اوزاعی رحمہ اللہ کی جلالت شان وعلو مرتبت اور کمال فضیلت اور امامت علم حدیث پر اجماع منعقد ہو چکا ہے دیکھو مسلم شریف، مطبوعہ اصح المطابع دہلی، جلد اول، صفحہ ۱۱۔

اسی طرح علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وقال ابن مهدی ائمة الناس فی الحديث فی زمانهم اربعة مالك ابن انس بالحجاز والاوزاعی بالشام وسفيان الثوری بالكوفة وحماد بن زيد بالبصرة))

"عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں کہ دوسری صدی ہجری میں تمام محدثین کے امام چار بزرگ تھے۔ حجاز مقدس میں امام مالک بن انس، ملک شام میں امام اوزاعی، کوفہ کے علاقہ میں سفیان ثوری اور بصرہ میں حماد بن زید رحمہم اللہ۔"

(دیکھو تدریب الراوی مطبوعہ مصر، صفحہ ۲۷۵، باب ۹۳)

ناظرین کرام! انصاف کی نگاہ کو استعمال کریں گے تو اس نتیجہ پر ضرور پہنچیں گے کہ عامر شعبی اور امام اوزاعی رحمہما اللہ ان تمام صفات سے موصوف ہیں جو روایت حدیث میں ثقاہت اور صداقت کا فائدہ دیتی ہیں۔ پس اگر چہ یہ دونوں بزرگ رضامندی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے عینی شاہد قرار نہیں دیے جا سکتے اس لیے کہ یہ دونوں بزرگ اس وقت عالم وجود میں نہیں آئے تھے۔ بلکہ کئی برس بعد پیدا ہوئے مگر چونکہ ثقاہت اور صداقت اور امامت پر ان دونوں کی اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ اس واسطے ان کی مرسل روایت حجت ہے۔ اس روایت کو مردود قرار دینے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے۔ امام فن جرح و تعدیل علامہ عجلی رحمہ اللہ کا قول مشہور ہے کہ امام شعبی رحمہ اللہ جس روایت کو مرسل بناتے ہیں وہ ضرور صحیح ہوتی ہے۔ دیکھو مقدمہ مسند امام اعظم صفحہ ۶۲ اور امام ابوداود سجستانی کا ارشاد ہے کہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کی مرسلات سے بھی عامر شعبی کی مرسلات، مجھے زیادہ محبوب ہیں۔ دیکھو "تنسیق النظام" برائے مسند امام صفحہ ۶۲۔

اب خوب واضح ہو گیا کہ رضامندی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی روایت اگر چہ مرسل ہے، مقبول ہے، صحیح ہے، لائق حجت ہے۔ ماسٹر منظور حسین صاحب کی تمام کارروائی ہرزہ سرائی سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔

شیعی نقطہ نظر سے مرسل کی بحث

جس طرح سنی علمائے کرام کے نزدیک مرسل روایت کے واجب القبول ہونے کی صورتیں ہیں جیسا کہ گزرا۔ اسی طرح شیعی مصنفین کے یہاں بھی مرسل روایات کلی طور پر مردود نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے یہاں بھی ثقہ اور معتبر راویوں کی مرسلات واجب القبول ہوتی ہیں۔ چنانچہ شیخ عبداللہ مامقانی نے مقیاس الہدایہ صفحہ ۴۸ پر پورے دس عدد محققین شیعہ کے نام تحریر کر کے لکھا ہے کہ یہ لوگ مرسل روایات کو ضعیف جانتے ہیں۔ اور باوجود اس کے انھوں نے اس راوی کی مرسل کو مستثنیٰ کر لیا ہے جو نیک ہو اور غیر ثقہ راویوں سے روایت نہ کرتا ہو۔ جیسا کہ ابن ابی عمیر کی مرسل روایت کو مسند کی قوت میں رکھتے ہیں۔ فاضل مامقانی کی عبارت یوں ہے:

((واستثنوا من ذلك المرسل الذی عرف ان مرسله عدل متحرر عن الروایة عن غیر الثقة کابن ابی عمیر من اصحابنا))

ترجمہ کا خلاصہ اوپر دے دیا گیا ہے اس لیے تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد شیخ عبداللہ مامقامی کتاب مذکور کے صفحہ ۴۹ پر لکھتے ہیں کہ ثقہ راوی کی مرسل روایت کا قبول کر لینا ابن ابی عمیر اور صفوان بن یحییٰ اور عبدالرحمٰن بن یونس اور بزنطی کے ساتھ کچھ خاص نہیں ہے۔ بلکہ غیبت صغریٰ کے بعد علمائے شیعہ کی مرسل روایات بھی مقبول ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں: شیخ صدوق صاحب من لا یحضرہ الفقیہ اور شیخ ابوجعفر طوسی اور حسن بن علی بن ابی عقیل، اور محمد بن احمد جنید اسکافی اور علامہ نجاشی۔

ناظرین کرام پر اب تو خوب واضح ہو گیا ہوگا کہ رضامندی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو مرسل کہہ کر مردود نہیں قرار دیا جا سکتا۔ کیونکہ باتفاق شیعہ و سنی اصولیین مرسل حدیث کا راوی جب کہ ثقہ اور عادل ہونے کے ساتھ ساتھ غیر معتبر اور ضعیف راویوں کی روایت سے پرہیز کلی رکھتا ہو تو اس کی مرسل حدیث میں وہی قوت ہے جو مسند یعنی پوری سند والی روایت میں ہوا کرتی ہے۔ اور اس مضمون میں دکھایا جا چکا ہے کہ

رضامندی سیدہ رضی اللہ عنہا کی روایت گو مرسل ہے لیکن اس کے راوی بڑے معتبر اور خوب عادل اور غیر معتبر لوگوں کی روایات سے پرہیز رکھنے والے ہیں۔ اہل علم طبقہ میں کون ہے جو امام اوزاعی اور امام شعبی رحمہما اللہ پر عدالت اور ثقاہت اور ضبط اور دیانت کے لحاظ سے حرف گیری کی مجال رکھتا ہو۔

حدیث رضامندی کے معارف

حسب وعدہ رضامندی سیدہ کی حدیث کے علوم و معارف پیش کیے جاتے ہیں۔

پہلی روایت عامر بن شراحیل شعبی رحمہ اللہ کی ہے۔ جس کا پہلا فقرہ حضرت صدیق اکبر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عیادت کے لیے تشریف لانے کو واضح کر رہا ہے۔ اگر اس تشریف آوری کو عیادت کے واسطے تسلیم نہ کیا جائے تو مرض اور شدت مرض کا ذکر بے کار ہو جاتا ہے۔ عیادت کا تعلق جذبات محبت سے ہوا کرتا ہے۔ انسان کی جس شخص سے محبت نہیں ہے۔ اس کی عیادت کو نہیں جاتا۔ پس اس قاعدہ نے بتلا دیا کہ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے اہل بیت نبوی سے عقیدت اور محبت کے جذبات بہت ہی مضبوط تھے۔ کینہ اور بغض کا پروپیگنڈا کرنے والے بنظر انصاف دیکھیں اور خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر بتلائیں کہ انسان جس سے بغض اور کینہ رکھتا ہو کیا اس کی عیادت کے لیے جانے کو تیار ہوتا ہے؟ بغیر اجازت کسی کے گھر میں داخل ہونا از روئے قرآن حکیم منع ہے۔ اس لیے جب تک اجازت حاصل نہ ہوئی آپ خانہ سیدہ میں داخل نہیں ہوئے۔ سبحان اللہ! کس قدر تعمیل قرآن حکیم کا خیال ہے؟ اگر آج بھی مدعیان اسلام احکام الٰہی کی تعمیل میں یہی عملی جذبہ اپنے اندر پیدا کر لیں تو بہت جلد معاشرہ کی اصلاح ہو سکتی ہے۔

جب حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا گھر میں آنا آپ کو محبوب ہے؟ تو آپ نے اقرار کیا کہ ہاں یہ چیز مجھے محبوب ہے۔ اس محبوبیت کے اقرار نے دوسری جانب سے بھی بغض و کینہ کی پارینہ داستانوں کا صفایا کر دیا۔ دیکھیے! اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دل میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

کے بارے میں کچھ بغض اور کینہ موجود ہوتا تو حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کرنے کی بھی کوئی حاجت نہ ہوتی۔ بلکہ صاف فرما دیتے کہ اس وقت مریض شدت مرض کی وجہ سے عیادت کا تحمل نہیں کر سکتا۔ پھر جس وقت مریض کو افاقہ ہوگا اس وقت آپ بصد شوق عیادت کریں۔ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خدمت میں حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے پہنچے ہیں اور عیادت میں جو قدرے تاخیر ہوگئی تھی اس کی معذرت پیش کی ہے تو آپ نے رضا اور خوشی ظاہر فرمائی اس موقع پر ان دونوں بزرگ ہستیوں کے مابین جو گفتگو ہوئی وہ اگرچہ تفصیل کے ساتھ مجھے دستیاب نہ ہو سکی۔ مگر البدایہ والنہایہ میں علامہ ابن کثیر دمشقی رحمہ اللہ نے کچھ فقرے ذکر کر دیے ہیں:

((فقال واللہ ما ترکت الدار والمال والاھل والعشیرۃ الا ابتغآء مرضات اللہ ومرضاۃ رسولہ ومرضاتکم اھل البیت ثم ترضاھا حتی رضیت)) (البدایہ والنہایہ ج۵ ص۲۸۹)

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خدا کی قسم! میں نے جو مکہ شہر کے مکان مال اور عزیز و اقارب چھوڑے تھے۔ تو اس سے مقصد صرف خدا تعالیٰ کی رضامندی اور اس کے رسول کی رضامندی اور تمھاری رضامندی تھی اے نبی کے گھرانے کے لوگو! اس کے بعد رضامندی طلب کرتے رہے یہاں تک کہ آپ راضی ہوگئیں۔''

دوسری روایت امام اوزاعی رحمہ اللہ کی ہے۔ جس کے پہلے فقرے ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے ناراض ہو جانے کی اطلاع ہوئی تو فوراً آپ کے دروازے پر جا کھڑے ہوگئے اور باوجود اس کے کہ وہ سخت گرمی کے ایام تھے۔ عہد کیا کہ جب تک دختر رسول راضی نہ ہوگی میں یہاں سے نہ جاؤں گا۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے رضامندی کی اطلاع دے کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اضطراب کو دور کر دیا۔

اس واقعہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جو تعلق

رسول کریم ﷺ سے تھا، وہ بہت اعلیٰ درجے کا تھا، اور اس قدر مضبوط تھا کہ آنحضرت ﷺ کے لخت جگر کی ناراضگی کی خبر سن کر وقف اضطراب ہو گئے۔ اور شدت گرما کی پروا کون کرتا؟ جب کہ امیر المومنین ہونے کے خیال نے بھی اس راستہ میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی۔ سبحان اللہ! ایسا بے نفس انسان چشم فلک نے دیکھا ہی نہیں۔ اگر آنحضور ﷺ کے بعد رسالت جاری ہوتی تو یہ ہستی ضرور بالضرور رسول بنائی جاتی۔

ان دونوں رضامندی سیدہ کی روایات میں ایک بات اور بھی قابل غور ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رضامندی کے سوال میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے شفاعتی معلوم ہو رہے ہیں۔ اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دل میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے متعلق کچھ رنجش ہوتی تو رضامندی کے شفیع کیوں بنتے؟ معلوم ہوا کہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی کا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر کوئی اثر نہ تھا۔ اگر آپ کے ناراض ہو جانے سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی ناراض ہو گئے ہوتے تو اس معاملے میں شفاعت کیوں کرتے؟

جب ہم نے عامر شعبی اور امام اوزاعی رحمہما اللہ کی ہر دو مذکورہ روایات کو اصول حدیث کے لحاظ سے صحیح اور مستند روایات کے درجہ پر پہنچا دیا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان کے علوم و معارف کو دنیا کے سامنے پیش نہ کریں۔ اس سلسلہ میں ایک اور نکتہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

یہ دونوں روایات متفق ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی کی اطلاع پہنچی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مطالبہ فدک کے واسطے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا دربار صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں ہرگز تشریف نہ لائی تھیں۔ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا اراضی فدک کے مطالبے کے لیے دربار خلافت میں تشریف لے آئی تھیں اور انکار میراث پر ناراض ہو گئی تھیں تو ناراضگی کی اطلاع ملنے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ اس صورت میں تو ناراضگی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مشاہدات میں سے ہوتی۔ اطلاع دینے لینے کی کوئی حاجت ہی نہیں رہتی۔ اور صحیحین کی روایات بھی اسی چیز کی تصدیق کرتی ہیں

کیونکہ مسلم شریف، جلد دوم، صفحہ ۹۱ پر جہاں حدیث فدک آئی ہے وہاں ان فاطمة بنت رسول الله ﷺ ارسلت الی ابی بکر الصدیق وارد ہوا ہے۔ جس کے معنی قاصد بھیجنے کے ہیں اور بخاری، جلد دوم، صفحہ ۶۰۹، نیز بخاری، جلد اول صفحہ ۵۲۶ پر بھی قاصد بھیجنے کی تصریح ہے۔ پس جن روایات میں ایسے صیغے آئے ہیں جن سے بظاہر حضرت سیدہ کا دربار خلافت میں تشریف لے جانا مفہوم ہوتا ہے۔ وہ زیر تاویل ہوں گی اسی طرح جہاں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ وہ روایات بھی زیر تاویل ہوں گی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو آپ نے قاصد بنا کر بھیجا تھا۔ اس لیے بعض راویوں نے دونوں کو مطالبہ میں جمع کر دیا۔ جیسا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مطالبہ میراث کے واسطے قاصد بنایا تھا۔ اگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ قاصد نہیں ہیں تو کسی دوسرے قاصد کا نام بتاؤ۔ میری اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ روایات کتب اہل سنت اس بات پر گواہ ہیں کہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا بذات خود دربار خلافت میں تشریف نہیں لے گئیں۔ لیکن روایات کتب شیعہ اس کے برعکس شہادت دیتی ہیں۔ وہ اول سے آخر تک اور چھوٹی سے بڑی تک اور معتبر سے غیر معتبر تک اس بات پر زور دیتی ہیں کہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا دربارِ خلافت میں بذات مقدسہ خود تشریف لے گئی تھیں انصاف اور عدالت سے بہرہ مند حضرات غور کریں کہ آیا روایات اہل سنت اس باب میں درایت اور عقل کے مطابق ہیں؟ یا شیعی روایات عقل صریح کے تقاضا کو پورا کرتی ہیں؟ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پیغامبر بنا لیا۔ جیسا کہ خود منظور حسین صاحب اپنی رفیق توثیق فدک بجواب تحقیق فدک کے صفحہ ۱۲۹ سطر ۹ و سطر ۱۰ پر اقرار کر چکے ہیں مگر حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کو حسب اعتقادات شیعہ کوئی شخص اس خدمت کے انجام دینے کے لیے ہاتھ نہیں آیا۔ اگر حسنین شریفین رضی اللہ عنہما اس وقت کم سن تھے تو حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا (رضی اللہ عنہ) کے لیے اس خدمت سے کیا چیز مانع تھی؟ میرے نزدیک شیعہ مصنفین نے اس موقع پر حضرت سیدہ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی وہ توہین کی ہے جو کسی دشمن سے بھی ممکن نہیں ہے۔ آپ قیامت کے دن یقیناً ان مدعیان محبت پر استغاثہ دائر کریں گے جو محبت کے

پردے میں دشمنی کر رہے ہیں۔ میں نے غلط کہا حضرت سیدہ ﷞ کو استغاثہ کی کیا ضرورت ہے؟ خود خداوند تبارک وتعالیٰ ایسے مدعیان تشیع کو پکڑ لیں گے جنھوں نے اہل بیت کرام نبی ﷺ کے حق میں ایسی روایات تصنیف کر ڈالیں جو سراسر توہین پر مشتمل ہیں۔ خلافت کے مسئلے پر جو کتاب زیر تجویز ہے اس میں مشتمل بر توہین روایات شیعہ کی مکمل فہرست پیش کی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۸۷

بخاری شریف کی جس روایت کی بنا پر ناراضگی سیدہ فاطمہ ﷞ کا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے اس کے جوابات تحقیق فدک صفحہ ۸۷ تا ۹۵ پر تحریر کیے گئے ہیں جن کو عوام و خواص نے بے حد پسند فرمایا ہے۔ باقی رہ گئے شیعہ لوگ وہ تو ہماری کسی بات کو بھی پسند کرنے کے روادار نہیں ہیں۔ یہاں تک کہ انھیں ہمارے کلمہ اسلام پر بھی اطمینان نہیں ہے۔ اس لیے ان کی پسند اور ناپسند کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جناب ماسٹر منظور حسین صاحب بخاری جن کا نصب العین ہی حق بات کی تردید ہے۔ وہ اپنی کتاب رقیق ''توثیق فدک'' بجواب ''تحقیق فدک'' میں بیسیوں نہیں سیکڑوں دفعہ لکھ چکے ہیں کہ مسلم اور بخاری کی روایات سے حضرت سیدہ ﷞ کی ناراضگی تا دم مرگ ثابت ہے۔ اسی واسطے بارہا تحریر کرتے ہیں کہ سیدہ کونین حضرت ابوبکر صدیق ﷛ سے مرتے دم تک ناراض رہیں۔ زیر قلم مضمون میں صحیحین کی اس روایت کی تشریح مقصود ہے۔ اگر اس مضمون کو اس توجہ سے پڑھا گیا جس کا یہ حق دار ہے تو یقین کامل ہے کہ بہت سے شکوک اور شبہات طالبان حق کے قلوب سے زائل ہو جائیں گے اور اس مسئلہ میں شاہراہِ حق نظر صاف نظر آ جائے گی۔ میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے سب کچھ خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ وہی گمراہوں کو راہِ ہدایت پر لگا دینے والا ہے۔ وہی اندھیروں میں بھٹکنے والوں کو صراط مستقیم کی تجلیات سے منور کرنے والا ہے۔

بخاری شریف کی روایت

صحیح بخاری میں یہ روایت پانچ مقامات پر درج ہے:

① کتاب الجہاد، باب فرض الخمس صفحہ ۴۳۵۔
② کتاب المناقب، باب مناقب قرابت رسول اللہ ﷺ، صفحہ ۵۲۶ یہ دونوں مقام جلد اول میں ہیں۔
③ باب حدیث بنی نضیر، جلد دوم صفحہ ۵۷۶۔
④ کتاب المغازی، باب غزوۂ خیبر، جلد دوم صفحہ ۶۰۹۔
⑤ کتاب الفرائض، باب لانورث ماترکناہ صدقۃ، جلد دوم صفحہ ۹۹۵۔

ان پانچوں مقامات میں کوئی فقرہ ایسا نہیں ہے جس کا ترجمہ تادم مرگ ناراضگی ہو۔ شرح اس کی یہ ہے کہ یہ روایت صحیح بخاری میں پہلے پہلے جلد اول کتاب الجہاد، باب فرض الخمس صفحہ ۴۳۵ پر درج ہے۔ جس کے الفاظ یوں ہیں: فغضبت فاطمة بنت رسول الله ﷺ فهجرت ابا بكر فلم تزل مهاجرته حتى توفيت بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں جملے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرمودات میں سے ہیں کیونکہ حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت کر رہے ہیں۔ مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ دیکھو یہی صحیح بخاری، جلد دوم، کتاب الفرائض، صفحہ ۹۹۶ پر حدیث فدک کے آخر میں بجائے غضبت کے قال فهجرته، فلم تكلمه حتى ماتت موجود ہے۔ اس عبارت کے سرے پر جو لفظ قال آیا ہے وہ ظاہر کر رہا ہے کہ یہ فقرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرمودات میں سے نہیں ہے۔ بلکہ اس فقرے کو ذکر کرنے والا کوئی مرد ہے۔ کیونکہ قال صیغہ واحد مذکر ہے۔ پس کوئی شبہ نہ رہا کہ اس حدیث میں جو ترک گفتگو اور ناراضگی کا فقرہ ہے۔ وہ اس اسناد کے راویوں میں سے کسی مرد راوی کا کہا ہوا ہے۔ خواہ ابن شہاب زہری نے کہا ہے خواہ آپ کے شاگردوں میں سے کسی صاحب نے کہا ہے۔ یہی فدک والی روایت ابن جریر طبری کی تاریخ الامم والملوک، جلد دوم، صفحہ ۴۴۸ پر موجود ہے۔ وہاں بھی لفظ قال مذکور ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ ترک گفتگو اور ناراضگی کی روایت حضرت ام المومنین نہیں ہیں بلکہ کوئی مرد ہے جو اس روایت کے اسناد میں موجود ہے اور بالکل ظاہر ہے کہ اس روایت

کے مرکزی راویوں میں سے کوئی بھی اس واقعہ کا چشم دید گواہ نہیں ہوسکتا۔ ان میں سے جو سب سے مقدم ہے وہ حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ ہیں جن کی ولادت ۲۲ھ میں ہے اور فدک کا قصہ ۱۱ھ کا ہے۔

جیسا کہ تحقیق فدک صفحہ ۸۷ تا ۹۱ میں واضح کیا گیا کہ بسا اوقات راوی اپنے قیاس اور ظن سے ایک بات کہتا ہے۔ جو روایت کا جز تصور کر لی جاتی ہے مگر تفتیش اور جستجو اس چیز کو الگ کر دیتی ہے۔ اسی طرح کا معاملہ یہاں بھی پیش آیا کہ ترک گفتگو راوی کا اپنا قیاس تھا جس کو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول قرار دے دیا گیا اور پھر ترک گفتگو کی وجہ ناراضگی تصور کر کے ناراضگی کا فقرہ بھی کسی راوی کا مرہون منت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحیح بخاری میں پانچ مقامات پر حدیث فدک درج ہے۔ مگر ناراضگی کا فقرہ صرف دو مقامات پر آیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ راوی نے ترک گفتگو اور ناراضگی کو لازم و ملزوم یا علت معلول تصور کیا ہے حالانکہ ترک گفتگو عدم ضرورت کی بنا پر بھی ہوسکتی ہے اور اطمینان کی وجہ سے بھی ہوسکتی ہے۔

عدم کلام عام نہیں بلکہ خاص ہے

جب خود صحیح بخاری کی دوسری روایت سے ثابت ہوگیا کہ عدم کلام کا فقرہ اصل روایت میں داخل نہیں ہے۔ بلکہ اضافہ ہے تو اب قابل غور بات یہ ہے کہ آیا یہ ترک گفتگو یا عدم کلام عام ہے یا خاص ہے؟ دوسرے لفظوں میں مطلق ہے یا مقید ہے۔ شیعہ واعظین و مبلغین عموماً اور ماسٹر منظور حسین صاحب بخاری اجنالوی خصوصاً کہتے رہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے خلیفہ اول سے کوئی گفتگو نہیں فرمائی اور اس قصہ کے بعد کسی قسم کا کلام درمیان میں نہیں ہوا۔ مگر حقیقت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ شرح اس معما کی یہ ہے کہ اسی حدیث فدک کو امام محمد بن جریر طبری نے زہری سے روایت کیا ہے جس کے الفاظ یوں ہیں: قال فهجرته فاطمة فلم تكلمه في ذلك حتى ماتت۔ (دیکھو تاریخ الامم والملوک، جلد دوم، صفحہ ۴۴۸)

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ، فتح الباری جلد ششم، صفحہ ۱۵۱ پر لکھتے ہیں کہ

عمر بن شیبہ کی کتاب میں بھی فلم تکلمه فی ذلك المال آیا ہے۔

یعنی راوی نے کہا کہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا اور آخری دم تک اس معاملہ میں کلام نہ کیا۔

جب ہر قسم کے کلام کی نفی نہیں ہے تو ناراض ہو جانا بھی قیاس راوی ہے۔ یہ روایت ببانگ دہل اعلان کرتی ہے کہ ہر قسم کا کلام اور گفتگو کی نفی مقصود نہیں ہے۔ بلکہ خاص مسئلہ فدک یا میراث حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں سکوت اختیار فرمایا، اور ظاہر ہے کہ خاص کی نفی سے عام کی نفی نہیں ہو جاتی یا یوں کہہ لو کہ مقید کی نفی کو مطلق کی نفی لازم نہیں ہے۔ راقم الحروف نے مذکورہ فقرہ کا جو ترجمہ کیا ہے۔ اس میں معمولی غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ دوسرا جملہ پہلے جملے کی تشریح یا تفسیر ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ حضرت سیدہ کے خلیفہ اول کو چھوڑ دینے کے معنی یہ ہیں کہ آیندہ اس مسئلے میں سوال و جواب چھوڑ دیے گئے اس تفسیر کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ چھوڑ دینے سے کوئی شخص بیزاری کے معنی نہ لے لے کیونکہ صدیق صدیقوں سے بیزار نہیں ہوا کرتے۔

ایک نکتہ

ابن جریر طبری کی حدیث فدک نے جب واضح کر دیا ہے کہ یہ خاموشی عام نہیں ہے بلکہ خاص ہے تو ناراضگی کے فقرے کا ظن راوی ہونا زیادہ روشن ہو گیا کیونکہ ناراض ہونا ہر قسم کی گفتگو کو روک دیتا ہے۔

نوٹ: یہاں تک جواب اول مندرجہ تحقیق فدک کی وضاحت مقصود تھی۔ سو بحمد اللہ تعالیٰ کتب حدیث کی روایات ہی سے ثابت ہو گیا کہ ترک کلام اور ہجران کا راوی واقعہ کی حکایت نہیں کر رہا۔ کیونکہ وہ واقعہ کے دیکھنے والوں میں سے نہیں ہے اور ناراضگی راوی کا اپنا قیاس ہے۔ نیز یہ بھی واضح ہو چکا کہ ہر قسم کے کلام سے سکوت نہیں ہے۔ بلکہ خاص فدک کے معاملہ میں سکوت اختیار فرمایا گیا ہے۔ اب تحقیق فدک کے جوابات پر ایک جواب کا اضافہ کیا جاتا ہے اور چونکہ وہاں تین جوابات مذکور ہیں اس لیے مندرجہ ذیل جواب کا نمبر چہارم درست ہے۔

جواب چہارم: اگر مندرجہ حدیث فدک فقرہ ناراضگی کو ظن راوی قرار نہ دیا جائے اور اس فقرہ کو اصلی متن کا ایک فقرہ تسلیم کیا جائے تو بھی رضامندی سیدہ رضی اللہ عنہا اور ناراضگی کی ہر دو روایات میں کوئی تعارض اور کسی قسم کا تدافع نہیں ہے کیونکہ حتی ماتت یا حتی توفیت جس کے معنی ہیں آخری دم تک۔ کسی روایت میں بھی ناراضگی کے فقرے کے ساتھ متصل نہیں ہے۔ بلکہ جہاں بھی ملاحظہ کرو گے یہ لفظ ترک کلام یا عدم گفتگو کے ساتھ متصل ہے۔ جس کا صحیح اور باسند ترجمہ ابھی عرض کر دیا گیا ہے کہ عام کلام کی نفی مراد نہیں ہے۔ بلکہ خاص مسئلہ فدک میں گفتگو کی نفی مقصود ہے۔ پس اس کا ترجمہ صرف اسی قدر ہو گا کہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے اس مسئلہ فدک میں آخری دم تک گفتگو نہیں فرمائی۔ آخری دم تک ناراضگی تو کسی کلمہ سے اخذ نہیں جا سکتی۔ خدا جانے شیعہ مبلغین اور مصنفین نے آخری دم تک ناراضگی صحیح بخاری کے کون سے فقرہ سے وصول کی ہے۔

جب یہ بات ذہن نشین ہوگئی تو صاف واضح ہو گیا کہ ناراضگی اور رضامندی کی روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ کیونکہ پہلے ناراضگی ہوئی۔ اس کے بعد رضامندی نے اس کی جگہ لے لی۔ تناقض اور تعارض وقت کی وحدت پر موقوف ہوتا ہے جب اوقاف مختلف ہیں تو تعارض بھی نہیں۔ اگر ان دونوں قسم کی روایات میں تناقض ہوتا تو صحیحین کی متفق علیہ روایات ضرور ترجیح کی حقدار ہوتیں۔ جب تعارض ہی نہیں تو ترجیح کی کہانی بے وقت کی راگنی ہے جس کو دہرا دہرا کر ماسٹر منظور حسین صاحب نے اپنی کتاب کے حجم کو زیادہ کیا ہے اور مطالعہ کرنے والوں کے اوقات کو بری طرح سے ضائع کیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جائے گا کہ کچھ وقت ناراضگی میں گزرا۔ مگر آنحضور ﷺ کی حدیث ہے کہ اعمال کا مدار خاتمہ پر ہے۔ انما الاعمال بالخواتیم۔

جب آخر میں رضامندی حاصل ہوگئی تو ناراضگی کا کچھ اثر باقی نہ رہا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی حضرت ہارون علیہ السلام پر غضبناک ہوئے تھے مگر بعد میں راضی ہو گئے تھے۔ اس واسطے پہلی ناراضگی اور غصہ نے حضرت ہارون علیہ السلام کا کچھ نقصان نہ کیا۔ کیا آج کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام پر چونکہ ایک اولوا العزم رسول غضب ناک ہو

گئے تھے۔ اس لیے ان پر خدا تعالیٰ بھی ناراض اور غضبناک ہو گیا تھا؟ ہاں اگر بالفرض والتقدیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ فرو نہ ہو جاتا، تو حضرت ہارون علیہ السلام سے متعلق اس قسم کا خیال کیا جا سکتا تھا، مگر جس پر آپ غضبناک ہوئے وہ بھی برگزیدہ خدا تھے اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غصے کا تا دم واپسیں قائم رہنا محالات میں سے تھا۔ اور اس کا فرض کرنا بھی فرض محالات کی ایک کڑی ہے۔ اسی طرح قصہ فدک میں حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کو جس ہستی پر غضبناک فرض کیا جا رہا ہے۔ وہ اگرچہ رسول نہیں ہے۔ مگر دین اسلام کی حفاظت کے سلسلہ میں جب آپ نے مرتدوں کی سرکوبی فرمائی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبان سے بے ساختہ صادر ہوا لقد قام ابوبکر مقام الانبیآء یعنی خدا کی قسم! حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رسولوں کے مقام پر کھڑے ہو گئے ہیں۔ پس اگر حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر غضبناک ہوئی تھیں۔ تو اس حالت کا قائم و دائم رہنا محالات میں سے تھا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ بہت جلد ہی حسب روایات مصباح السالکین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے راضی خوشی ہو گئیں.......... یہ مصباح السالکین شیعوں کی بڑی معتبر کتاب ہے۔ یہی وہی کتاب ہے جس کو تحفہ اثنا عشریہ میں محجاج السالکین کے نام سے یاد کیا گیا ہے، مصباح اور محجاج کی کتابت قریب قریب ہے اس لیے تصحیف کاتب سے مصباح کی جگہ محجاج لکھا گیا۔

الزامیات

مناظرہ تحریری ہو یا تقریری اس میں الزامی دلائل کا استعمال مسلم بین الفریقین ہے جیسا کہ خیالی شرح عقائد میں ہے:

((والحجج الالزامیة شائعة فی الکتب))

"یعنی علم عقائد کی سب سے بڑی کتابوں میں الزامی دلائل موجود ہیں۔"

راقم الحروف نے صحیح بخاری کی حدیث فدک کے جواب سوم میں ابن شہاب زہری کا شیعہ ہونا کتب اہل تشیع سے ثابت کیا تھا اور مقصود شیعی متکلمین پر الزام دھرنا تھا۔ قاعدہ کی رو سے اس دلیل کا جواب شیعہ مسلمات سے واجب تھا۔ مگر ماسٹر منظور

حسین صاحب اجنالوی نے اپنی رفیق توثیق فدک بجواب تحقیق فدک میں صفحہ ۱۴۰ تا ۱۵۲ تک سارا زور قلم اس بات پر خرچ کیا ہے کہ ابن شہاب زہری اہل سنت کے نزدیک سنی ہے اور زمانہ حال کے سنی مفتیان کرام سے اس بارے میں فتوے حاصل کر کے شائع کیے ہیں۔

خدا کے بندے! یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ حضرت ابن شہاب زہری رحمہ اللہ اہل سنت کے نزدیک سنی ہیں اگر اس بات کا استفتا مجھ سے کیا جاتا تو بھی یہی جواب ہوتا۔ ماسٹر صاحب اور ان کے استاذ صاحب گوجروی نے عوام کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے لیے یہ کارروائی کی ہے۔ وہ جانتے تھے کہ ہماری یہ کارروائی اصول مناظرہ کے خلاف ہے۔ مگر جب وہ اپنے مسلمات سے جواب پر قادر نہ تھے تو خاموش کیسے بیٹھ جاتے؟...... مقدمہ میں اس کی تفصیل ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

دعوت عام

صحیح بخاری کی حدیث فدک کی صحیح تشریح ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کی جا چکی ہے کہ اس حدیث کے کسی فقرہ سے آخری دم تک ناراضگی ثابت نہیں ہوتی۔

اب ہم ماسٹر منظور حسین صاحب اجنالوی اور اس کے معاونین علماء کو دعوت دیتے ہیں کہ میدان میں اتریں اور صحاح ستہ کی حدیث فدک کے کسی فقرہ سے آخری دم تک ناراضگی نکال کر پیش کریں اور توثیق فدک بجواب تحقیق فدک صفحات ۱۱۵ تا ۱۴۰ پورے ۲۵ صفحات پر جو آخری دم تک ناراضگی کا ڈھنڈورا پیٹا ہے اس کو سچا کر دکھائیں۔

﴿فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ﴾

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۱۰۱

کتب شیعہ کی وہ پانچ روایات جن سے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ناراض ہونا ثابت ہے، ان کے جواب لکھنے کی ماسٹر صاحب نے بہت سعی کی ہے مگر گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا۔ سچ ہے

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

اپنی کتاب "توثیق فدک" بجواب "تحقیق فدک" صفحات ۱۵۲ تا ۱۶۰ میں جو کچھ آپ نے ہرزہ سرائی فرمائی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اول تو ہم ان پانچ روایات کو صحیح تسلیم نہیں کرتے، کیونکہ عقل کے خلاف ہے۔ دوسرے اگر ہم ان پانچ روایات کو صحیح تسلیم کریں تو ناراض ہو جانے کے بعد حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئی تھیں۔ پورے نو عدد صفحات کا یہ خلاصہ ہے۔

ناظرین کرام! راقم الحروف احمد شاہ بخاری عرض کرتا ہے کہ شیعہ علمائے عظام اور ماسٹر صاحبان کے اس جواب نے صحیح بخاری کی حدیث فدک کے جوابات مذکورہ من جانب اہل سنت کی حرف بحرف تصدیق کر دی ہے۔ شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی کی ان پانچ روایات کو آپ اس لیے غلط قرار دے رہے ہیں کہ از روئے عقل حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ناراض ہو جانا ممکن نہیں ہے تو اگر سنی خدام اہل بیت کرام عرض کر دیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے جگر گوشۂ رسول کا ناراض ہونا ممکن نہیں فلہٰذا حدیث فدک قابل تاویل ہے تو اس جواب کو کیوں نظر انداز کیا جائے؟ اس جواب میں کون سی قباحت موجود ہے۔

اسی طرح آپ ان روایات خمسہ کو صحیح تسلیم کر لینے کی صورت میں فرماتے ہیں کہ ناراضگی کے بعد رضامندی واقع ہو گئی تھی۔ اس لیے وہ ناراضگی ضرر رساں نہیں رہی تو اگر سنی غلامان اہل بیت کرام حدیث فدک کو غیر مؤول قرار دے کر عرض کرتے ہیں کہ ناراضگی کے بعد رضامندی جلوہ گر ہو گئی تھی اور ناراضگی کی وعید کا کوئی موقع نہ رہا تو اس جواب کو قابل سماعت کیوں نہ سمجھا جائے؟

ایک منڈی دو نرخ

اس مضمون میں ماسٹر صاحب نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں بڑے تلخ فقرے استعمال کیے ہیں۔ اس موقع پر آپ کی بوکھلاہٹ اور بدحواسی بے معنی نہیں

ہے۔ ماسٹر صاحب ان پانچ روایات منقولہ از کتب شیعہ کے جوابات لکھتے ہوئے صاف دیکھ رہے ہیں کہ ناراضگی سیدہ کے شیعی جوابات ہو بہو حدیث فدک کے سنی جوابات ہیں اور انھیں صاف نظر آ رہا ہے کہ ہمارے جوابات اور اہل سنت کے جوابات میں کچھ فرق نہیں ہے بلکہ سوچنے والے کہہ سکتے ہیں کہ شیعی جوابات سنی جوابات کا چربہ ہیں۔ اس اعتبار سے شیعہ متکلمین سنی متکلمین سے استفادہ کا پارٹ ادا کر رہے ہیں۔ یہ خیالات ہیں جو ماسٹر صاحب کے دماغ میں گھوم رہے ہیں اور آپ اپنے آپے سے باہر ہو رہے ہیں۔ یہاں تک کہ علی اور فاطمہ کے واقعات کو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے واقعہ سے مشابہ گردانا ہے اگر حضرت سیدہ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہم کے واقعہ کو اس سے مختلف بنانے کے لیے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر ناراضگی کو قائم و دائم بنایا ہے۔ اور ماسٹر صاحب کی نظر اس طرف نہیں گئی کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت حسن مجتبیٰ اور حضرت شہید کربلا رضی اللہ عنہم نے دو سال اس بزرگ کی اقتدا میں نمازیں ادا کی ہیں اگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایسے تھے جیسا کہ ماسٹر صاحب کے تصور باطل میں ہیں تو بزرگان اہل بیت نبوت نے اپنی نمازیں کیوں برباد کیں؟

میری تحقیق یہ ہے کہ جو شخص صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو برا جانتا ہے اور ان سے بغض رکھتا ہے وہ بزرگان اہل بیت نبوت سے ہرگز محبت اور عقیدت کے تعلقات نہیں رکھ سکتا۔ جو شخص حضرت خلیفہ اول کو مومن نہیں جانتا وہ ان کی اقتدا میں فرائض خداوندی ادا کرنے والوں کو کس طرح مومن یقین کر سکتا ہے۔ سچ ہے

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

صاحب فلک نجات نے روایات خمسہ کے جواب سے پہلو تہی اسی لیے کی تھی کہ ان کے جوابات سے حدیث فدک کا جواب آ جاتا ہے۔ مگر ماسٹر صاحب کی رسائی ایسے نکات تک ممکن نہیں۔ کتب شیعہ میں بھی آیا ہے الحق مع علی یعنی حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے۔ تھوڑا سا غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس

حدیث شریف کے ذریعے سے صدیق اکبر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رفاقت اور معیت کی ترغیب دلا رہے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلیفہ اول کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں جو تحریکیں چلائی ہیں، حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہر ایک تحریک میں ساتھ رہے ہیں۔ پس واضح ہو گیا کہ حق حضرت خلیفہ اول کے ساتھ تھا۔ اگر حضرت خلیفہ اول کے تمام کام برحق نہ ہوتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کا ساتھ ہرگز نہ دیتے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے دشمنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت یہ دونوں جذبات ایک ہی دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور نماز جنازہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا

جناب ماسٹر منظور حسین صاحب اجنالوی نے اپنی برائے نام ''توثیق فدک'' بجواب ''تحقیق فدک'' میں بے شمار مقامات پر لکھا ہے کہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کو جو رنجش حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے تھی اسی کی وجہ سے وصیت فرمائی تھی کہ میری نماز جنازہ میں وہ شریک نہ ہونے پائے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وفات سیدہ کی اطلاع ہی نہ دی اور وہ نماز جنازہ میں شریک نہ ہو سکے۔

اب وقت آ گیا کہ اس باطل پراپیگنڈا اور سنہری جھوٹ اور بے نظیر بہتان کو اپنے اصلی روپ میں دنیا کے سامنے پیش کیا جائے پس آنے والی چند سطور کو پورے دھیان سے پڑھیے۔

شیعہ وسنی ارباب تصنیف متفق ہیں کہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی بیماری میں تیمارداری کے فرائض حضرت اسماء دختر عمیس رضی اللہ عنہا نے انجام دیے تھے۔ اور یہ بات بھی سب کو معلوم ہے کہ خاتون مذکورہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں اور بے فرمانی کی بدگمانی عقل وخرد سے بہرہ ور آدمی کی زبانی ممکن نہیں ہے۔

بالکل بدیہی اور واضح ہے کہ حضرت اسماء دختر عمیس رضی اللہ عنہا نے تیمارداری سیدہ رضی اللہ عنہا کے سلسلے میں جو خدمات انجام دی تھیں وہ صدیق اکبر امیر المومنین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم اور اذن سے تھیں۔ اگر خلیفہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کچھ رنجش ہوتی تو وہ اپنی بیوی کو خدمت کے لیے کیوں مقرر فرماتے؟ اور اگر حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا حسب زعم شیعہ آپ سے ناراض تھیں اور ناراضگی بھی ایسی کہ ہر وقت مصروف بددعا تھیں، تو اس

خدمتگار کو واپس کیوں نہ کر دیا گیا جو ایسے دشمن کی جانب سے مقرر کیا جا رہا تھا۔ جو شیعہ اعتقادات کے مطابق اہل بیت نبوی کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اگر حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے قلب مبارک میں ذرہ بھر بھی رنجش ہوتی تو زوجہ محترمہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اس تیمارداری کا موقع میسر نہ آتا۔ اگر کسی کے پاس دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان اور سمجھنے والا دل ہو تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے خدمت سیدہ کے لیے اپنی بیوی کا تقرر اور خاندان نبوت کی جانب سے حسن قبول ایک ایسا ہائیڈروجن بم ہے جو تمام شیعی پروپیگنڈے کو خاک سیاہ کر دینے والا ہے۔ جب صورت حال یہ ہے جو اوپر مذکور ہے تو کیا یہ ممکن بھی ہے کہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے حالات کی چگونگی حضرت خلیفہ اول سے مخفی رہے؟ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ کی خدمت گاری تو خانگی وحدت کو ظاہر کرتی ہے۔ جس میں اطلاع دینے کی نوبت ہی نہیں آیا کرتی۔ کیا اس دنیا کی آنکھ نے کبھی یہ منظر بھی دیکھا ہے کہ پاس بیٹھنے والوں کو مرض یا موت کی اطلاع دی گئی ہو............ وہ جو مسلم اور بخاری میں آیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وفات سیدہ رضی اللہ عنہا کی اطلاع حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نہ دی تو اس کی وجہ یہی علم یقینی ہے جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ساعت بساعت پہنچ رہا تھا۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اطلاع دیتے تو تحصیل حاصل لازم آتی جو عقلمندوں کے نزدیک کوئی اچھی چیز نہیں ہے اور ساتھ ہی لازم آ جاتا کہ اس سے پہلے یگانگت نہیں بلکہ بیگانگی ہے۔ پس ماسٹر منظور حسین صاحب یا ہیچو قسم کے لوگ جو ولم یؤذن بھا ابا بکر سے نماز جنازہ میں عدم شمول یا وفات سیدہ سے متعلق عدم اطلاع پر استدلال کرتے ہیں، نہایت مضحکہ خیز اور بہت ہی تعجب انگیز ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ''فتح الباری'' میں لکھتے ہیں:

((ولعله لم يعلم ابا بكر بموتها لانه ظن ان ذلك لا يخفى عنه وليس في الخبر ما يدل على ان ابا بكر لم يعلم بموتها ولا صلى عليها))

''اور حضرت علی رضی اللہ عنہ یوں سمجھے کہ وفات فاطمہ رضی اللہ عنہا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مخفی نہیں رہ

سکتی۔ اس لیے آپ کو اطلاع نہ دی۔ اور اس روایت میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو اس بات پر دلالت کرے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو وفات فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اطلاع نہ ہوئی اور نہ اس میں کوئی ایسا کلمہ ہی ہے جس سے معلوم ہو کہ آپ نماز جنازہ میں شریک نہ ہوئے تھے۔" (فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۳۹۷ مطبوعہ مصر)

میرے نزدیک صحیحین کا فقرہ مذکورہ قرب اور اتحاد کے اظہار کے واسطے تھا۔ مگر یار لوگوں نے اس کو نماز جنازہ نہ پڑھنے کی دلیل بنا لیا۔ ع

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

نماز جنازہ کا دستور

۴۹ھ میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ کی امامت کے لیے سعید بن عاص اموی کو آگے کر دیا اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ لو لا انها سنة ما قدمته یعنی اگر نماز جنازہ میں حاکم کی امامت کا دستور نہ ہوتا تو میں اس کو آگے نہ کرتا۔ (البدایہ جلد ہشتم، صفحہ ۴۴)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قول اور فعل دونوں سے معلوم ہو گیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس زمانہ سے لے کر اس وقت تک دستور یہی چلا آتا تھا کہ نماز جنازہ کی امامت حاکم شہر کے سپرد ہوتی تھی۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو دل سے نہیں چاہتے تھے۔ اس کے بعض کاموں پر آپ کو اعتراض تھا۔ وہ امام موصوف کے معیار تقویٰ اور مقدار عدالت سے متصف نہیں تھا۔ مگر باوجود اس کے والیِ مدینہ (حاکم شہر) تھا۔ اس لیے حضرت شہید کربلا رضی اللہ عنہ نے اپنے بڑے بھائی حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ میں سعید مذکور کو امام بنایا۔ معلوم ہوا کہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ اگر شرعی دستور کے مطابق پڑھی گئی تھی تو ضرور حضرت صدیق اکبر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی۔ عقل وخرد کا تقاضا تو یہی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حاکم شہر تھے۔ اس لیے جنازہ کی نماز کی امامت ان ہی کا حصہ تھی۔ ہاں اگر وہ سخت بیمار ہوتے یا غیر حاضر ہوتے تو جس شخص کو ان کا حکم ہوتا وہ پڑھا دیتا۔ ان دونوں باتوں میں سے جب کوئی بات نہ تھی

اور آپ کو علم بھی یقینی تھا تو پھر نماز جنازہ میں شریک نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔
یہاں تک تو عقلی بحث تھی اب ہم اس باب میں روایات پیش کرتے ہیں۔ سنیے اور داد دیجیے۔

دیکھو طبقات ابن سعد، مطبوعہ بیروت، جلد ہشتم، جز ۲۹، صفحہ ۲۹

① ((اخبرنا محمد بن عمر قال حدثنا قیس بن الربیع عن مجالد عن الشعبی قال صلی علیها ابوبکر رضی الله عنه وعنها))

''صاحب طبقات کہتا ہے کہ ہم کو محمد بن عمر نے خبر دی وہ کہتا ہے کہ ہمیں قیس بن ربیع نے حدیث بیان کی، وہ مجالد سے اور مجالد امام شعبی رحمہ اللہ سے روایت کرتا ہے کہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی تھی۔''

② ((اخبرنا شبابة بن سوار قال حدثنا عبدالاعلی بن ابی المساور عن حماد عن ابراهیم قال صلی ابوبکر الصدیق علی فاطمة بنت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فکبر علیها اربعا))

''ہم کو شبابہ بن سوار نے خبر دی اور وہ کہتا ہے کہ ہمیں عبدالاعلیٰ بن ابو مساور نے بتلایا وہ حماد رحمہ اللہ سے اور حضرت حماد رحمہ اللہ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں انھوں نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا دختر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ پڑھی اور چار تکبیریں کہی تھیں۔''

ابن سعد کی مذکورہ روایت کو ''سیرت حلبیہ'' جلد سوم صفحہ ۳۹۹ پر بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

ناظرین کرام! معلوم ہو گیا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نماز جنازہ حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا میں شامل ہونا بلکہ ان کا امام ہونا ایسی روایات سے ثابت ہوا ہے جو درایت کی کسوٹی پر رگڑنے سے بھی خالص سونا ثابت ہوئی ہیں۔

بہتانات

جناب ماسٹر منظور حسین صاحب اجنالوی نے اپنی کتاب برائے نام ''توثیق فدک'' بجواب ''تحقیق فدک'' صفحہ ۱۸۹ پر عدم شمول جنازہ کے دعویٰ کے لیے جو کچھ لکھا ہے اس کو بہتان عظیم یا وسوسہ شیطان رجیم کہنا بہت مناسب ہوگا۔ آپ نے سیرت حلبیہ اور صحیح مسلم اور صحیح بخاری اور ازالۃ الخفا کے حوالہ سے جو عبارات نقل کی ہیں ان میں کوئی عبارت بھی ایسی نہیں جو عدم حاضری شیخین بر جنازۂ بتول کو ثابت کرتی ہو۔ اور یہی عنوان ہے جس کو جلی قلم سے لکھا ہے عقلمند لوگ اسی چیز کو بہتان کا نام دیتے ہیں۔ ہاں! شیخ عبدالحق صاحب کی ''اشعۃ اللمعات'' جلد سوم صفحہ ۴۲۳ [1] سے جو عبارت نقل کی ہے وہ مندرجہ ذیل عنوان دعویٰ کے نصف حصہ کو ثابت کرتی ہے مگر یہاں ایک عجیب قسم کی کارروائی فرمائی ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق صاحب رحمہ اللہ نے وہ روایت درج کر کے فی الفور بلا فصل اس کی تردید لکھ دی ہے اور جناب ماسٹر صاحب ہیں کہ اس تردید بلا فصل کو پی گئے ہیں۔ پس میرا فرض ہے کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کی تردید بلا فصل کو صفحہ قرطاس پر رکھ دوں تاکہ خلافت بلا فصل پر ایمان رکھنے والے تردید بلا فصل کے مطالعہ سے محروم نہ رہ جائیں۔ حضرت شیخ موصوف لکھتے ہیں:

> وگفتہ اند کہ ایں سخن غلط است و افترا است، وچگونہ وصیت کند وی رضی اللہ عنہا بآں باوجو آنکہ احق بامامت نماز جنازہ سلطان است ولہذا گذاشت امام حسین رضی اللہ عنہ سعید بن عاص را کہ حاکم مدینہ بود از جانب معاویہ رضی اللہ عنہ کہ نماز کند بر جنازہ امام حسن رضی اللہ عنہ وگفت اگر حکم شریعت نمی بود گذاشتم ترا کہ نماز می کردی رضی اللہ عنہا۔

''اس روایت کے جواب میں علماء نے کہا کہ یہ بات بالکل غلط ہے اور بہتان عظیم۔ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا اس قسم کی وصیت کس طرح کر سکتی ہیں؟ اور حال یہ ہے کہ نماز جنازہ کی امامت کا سب سے زیادہ حق دار بادشاہ ہوتا

[1] اور یہی روایت کتاب ہذا طبع ممبئی کارخانہ محمدی صفحہ ۲۴۶ پر موجود ہے۔ (قاسم شاہ)

ہے۔ اسی طرح حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ کے موقع پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے سعید بن العاص کو امام بنایا اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ اگر شریعت کا حکم نہ ہوتا تو میں تجھے اس نماز جنازہ کا امام ہرگز نہ بناتا۔"

واضح ہو کہ سعید بن عاص ان دنوں حضرت امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے مدینہ منورہ کا حاکم تھا۔ اور مروان بن حکم اس سے پہلے معزول ہو چکا تھا۔

نوٹ: حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کا جنازہ سعید بن عاص نے بحکم حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پڑھایا۔ شیعہ کی کتاب کشف الغمہ جلد۲ طبع تہران صفحہ ۱۶۱۔ (سید قاسم شاہ بخاری)

پس "اشعۃ اللمعات" کے موجودہ نسخہ میں یہاں مروان بن حاکم کا نام حضرت شیخ کی غلطی ہے یا کاتب کی۔ اس کے صحیح ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے جیسا کہ اوپر البدایہ والنہایہ، ابن کثیر کے حوالہ سے تحریر کر چکا ہوں۔

حضرت شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ کی کتاب سے جو عبارت ہم نے نقل کی ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ ابن کثیر رحمہ اللہ کی عبارت میں جو سنت کا لفظ موجود ہے، اس سے مراد شرعی دستور ہے اگر اس سے یہی مراد نہ ہوتی تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اس موقع پر کوئی مجبوری درپیش نہیں تھی۔ اپنے بڑے بھائی کی نماز جنازہ خود ہی پڑھا دیتے تو کون سی قیامت برپا ہو جاتی؟

ناظرین کرام! آپ نے حضرت شیخ عبدالحق صاحب دہلوی رحمہ اللہ کی وہ روایت بھی دیکھ لی جس سے ماسٹر صاحب موصوف عدم حاضری شیخین بر جنازہ بتول ثابت کر چکے ہیں اور آج حضرت شیخ رحمہ اللہ کی تردید بلافصل کی روایت بھی ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اب انصاف خود ہی کر لیں کیا یہ بھی بہتان عظیم نہیں ہے؟ جب حضرت شیخ نے ایک روایت لکھ کر اس کی تردید کر دی اور اس کو باطل قرار دیا تو کیا اس مردود روایت کو حضرت شیخ کی رائے قرار دیا جا سکتا ہے؟ جناب ماسٹر صاحب نے یہاں بڑے تماشا کی خیانت فرمائی ہے۔ اپنے مطلب کی روایات کا ترجمہ لکھ دیا اور درمیان سے روایات کی تردید بلا فصل کو چھوڑ دیا ہے۔ اس لیے اس کو سہو یا وہم نہیں بتایا جا سکتا بلکہ اس کو چوری کہنا

چاہیے۔ ایک طرح سے آپ لائق آفریں بھی ہیں کیونکہ یہ جرأت اپنی نظیر آپ ہے جیسا کہ کہتے ہیں:

چہ دلاور ست وزدے کہ بکف چراغ دارد

نوٹ: نماز جنازہ زہرا رضی اللہ عنہا کی بعض روایات میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اسم شریف آیا ہے۔ اور بعض روایات میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا نام نامی بھی آیا ہے اور مندرجہ بالا روایت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی ہے پس ان روایات میں کوئی تعارض اور جھگڑے کی بات نہیں ہے۔ ایک ہستی کے نام کی صراحت دوسروں کے شمول کی نفی نہیں کرتی۔ عدم ذکر اور ذکر عدم میں جو فرق ہے وہ طالب علم بھی جانتے ہیں۔ صلی علیہا علی کے یہ معنی تو ہماری سمجھ میں آ جاتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھی لیکن مذکورہ فقرہ کے یہ معنی لینا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ میں شرکت نہیں فرمائی کون سے نحوی قاعدہ کی رو سے درست ہو سکتے ہیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور نماز جنازہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

گو موقع نہ تھا اور موضوع سخن سے کوئی تعلق نہ تھا۔ مگر صاحب "توثیق رقیق" نے یہاں شیخین رضی اللہ عنہما کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں شامل نہ ہونے کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ اس لیے ہمارا فرض ہے کہ اس اعتراض کے جواب میں بھی کچھ گزارش پیش کر دوں۔

اہل سنت والجماعت کی کتب حدیث وسیرت میں جب مستند اور صحیح روایات اس مسئلہ میں موجود ہیں تو پھر "کنز العمال" کی ایک بے سند بلکہ بے سروپا روایت کی بنا پر مطاعن کی دیوار قائم کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ کنز العمال کی روایت کو مستند ثابت کرنا جوئے شیر لانے سے زیادہ مشکل ہے۔ اگر کسی شیعی مدعی علم میں ہمت ہے تو میدان اور چوگان دونوں حاضر ہیں۔

گوئے توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند
کس بمیداں در نمی آید سواراں را چہ شد

طبقات الکبریٰ لابن سعد، مطبوعہ بیروت، جز ہفتم، صفحہ ۲۹۰ پر وہ مستند اور صحیح روایت ملاحظہ کی جاسکتی ہے جس میں حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں شامل ہونا مذکور ہے۔ اسی روایت کو صاحب سیرت حلبیہ نے جلد سوم صفحہ ۳۹۴ پر درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پر چار تکبیریں کہی تھیں۔ اسی طرح حضرت عمر بن خطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پر چار تکبیریں کہی تھیں۔ کبیری شرح منیۃ المصلی صفحہ ۵۳۸ پر ہے

((وان ابا بکر الصدیق رضی اللہ عنہ صلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکبر اربعا))

''اور یقینی بات ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ پڑھی اور چار تکبیریں کہی تھیں۔''

اسی طرح شرح ہدایہ از علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ جلد اول جز دوم صفحہ ۱۱۰۲ پر ہے

ناظرین کرام معلوم کر چکے ہوں گے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ کی نماز میں صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کا شامل ہونا متواترات میں سے ہے اور اگر کتب شیعہ میں انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ مسئلہ دستیاب ہوسکتا ہے۔

(حیات القلوب، جلد دوم، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ صفحہ ۸۶۶)

اور یہی حوالہ اسی کتاب کی جلد دوم ص ۹۷۵ طبع مشہد پر موجود ہے۔ (قاسم)

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۱۱۴

''تحقیق فدک'' طبع قدیم صفحات ۱۱۱ تا ۱۲۱، نیز طبع جدید صفحات ۱۱ تا ۱۰۱ ہبہ فدک کی روایت کے من گھڑت اور بناوٹی ہونے پر ایسے دلائل قائم کیے گئے ہیں کہ ان کے جوابات اس گھڑی تک شیعوں کی جانب سے ہمیں موصول نہیں ہوئے۔

ماسٹر صاحب نے بھی اپنے رسالہ نامی ''توثیق فدک'' میں زمانہ حاضرہ کے شیعہ علمائے عظام کی امداد سے بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے ہیں۔ مگر گوہر مقصود سے واصل نہیں ہو سکے..... ''تحقیق فدک'' کے باب سوم میں جو کچھ اس روایت کے بارے میں

لکھا جا چکا ہے وہ ایک طالب انصاف کے لیے تو کافی ہے۔ اس پر مزید لکھنے کی کوئی حاجت نہ تھی۔ مگر چونکہ ماسٹر صاحب نے اس باب میں بھی کچھ شبہات کے جالے تنے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ ان تارعنکبوت سے کمزور شبہات کی بھی مزاج پرسی کر لی جائے ..... پس سنیے اور سوچیے اور جس قدر ہو سکے انصاف کے ساتھ غور کیجیے۔

اصول حدیث کے علمائے کرام سب کے سب اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ جو روایت طعن صحابہ پر مشتمل ہو اور اس کا راوی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھنے والا ہو وہ بلاشبہ موضوع ہے۔ دیکھو ''عجالہ نافعہ'' صفحہ ۳۰۔ عجالہ نافعہ طبع جدید کراچی صفحہ ۲۴ (قاسم شاہ)

''دوم آنکہ راوی رافضی باشد و حدیث در طعن صحابہ روایت کند''

اسی طرح حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ میزان الاعتدال کے ابتدا میں لکھتے ہیں:

((ثم بدعة كبرى كالرفض الكامل والغلو فيه والحط على ابى بكر وعمر رضی اللہ عنہما والدعاء الى ذلك فهذا النوع لا يحتج بهم ولا كرامة وايضا فما استحضر الان فى هذا الصرب صادقاً ولا ماموناً بل الكذب شعارهم والتقية والنفاق دثارهم فكيف يقبل نقل من هذا حاله حاشا وكلا))

''پھر بدعت کی دوسری قسم ہے بدعت کبریٰ جیسا کہ پورا پورا رافضی ہونا اور اس میں حد سے بڑھ جانا اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی شان کو گرا دینا، اور لوگوں کو بھی اس طرف بلانا، پس اس قسم کے لوگوں کی روایت لائق حجت نہیں ہے اور نہ قابل احترام ہے اور اس وقت مجھے اس قسم کے لوگوں میں سے کوئی شخص بھی ایسا یاد نہیں ہے جو سچ بولتا ہو اور قابل اعتبار ہو، بلکہ جھوٹ بولنا ان کا لباس ہے اور باہر سے کچھ اور اندر سے کچھ اور ہونا ہی ان کی پوشاک ہے پس جس کا یہ حال ہے اس کی نقل کیسے قبول کی جا سکتی ہے؟ ہم اس سے بہت دور ہیں اور ہرگز تسلیم نہیں کریں گے۔''

(میزان الاعتدال جلد ۱ مطبوعہ مصر صفحہ ۴۔ طبع جدید جلد ۱ صفحہ ۶ (قاسم شاہ)

اسی طرح کتاب جلد مذکور صفحہ ۱۵ پر رافضی کی روایت قبول کرنے اور مردود ٹھہرانے میں مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ جب یہ بات واضح ہو چکی کہ ان رافضیوں کی روایت قابل قبول نہیں جو حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی شان میں گستاخی کرتے ہوں اور دوسرے لوگوں کو اس طرف دعوت دیتے ہوں بلکہ ان کی اس قسم کی روایت موضوع ہوا کرتی ہے۔ تو ہمارا فرض ہے کہ ہبہ فدک کی روایت کے رجال کی جستجو اور تفتیش کریں۔ کہیں اس روایت کے راوی بھی مذکورہ قسم کے رافضی نہ ہوں۔

چنانچہ ''تحقیق فدک'' صفحات ۱۲۳ پر ''درمنثور'' اور ''لباب النقول'' سے نقل شدہ حدیث فدک کے راویوں کے رافضی اور داعی ہونے کو ثابت کیا گیا ہے۔

کنز العمال کی حدیث

ماسٹر منظور حسین صاحب نے اپنی برائے نام ''توثیق فدک'' بجواب ''تحقیق فدک'' کے صفحہ ۱۶۴ پر ''کنز العمال'' جلد دوم صفحہ ۵۸ سے بھی ہبہ فدک کی روایت کو نقل کیا ہے کہ خود ''کنز العمال'' میں اس کے بعد وقال تفرد به ابراهيم بن محمد بن ميمون عن على بن عباس رواه بن النجار۔ یعنی ابن عساکر رحمہ اللہ نے کہا کہ اس حدیث کو علی بن عباس سے روایت کرتے ہیں۔ ابراہیم بن محمد بن میمون اکیلا ہے۔ ابن عساکر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس سند کو ابن نجار نے روایت کیا ہے۔ اب دیکھنا چاہیے کہ ابراہیم بن محمد بن میمون اور ان کے استاد علی بن عباس کے حالات کیسے ہیں؟ سو...... ''میزان الاعتدال'' جلد اول صفحہ ۳۰ مطبوعہ مصر میں ہے کہ آپ سخت چالاک اور متعصب شیعہ میں سے تھے۔ اسی طرح ''لسان المیزان'' جلد اول صفحہ ۱۰۷ پر ان کا ہیچوں قسم کے شیعوں میں سے ہونا تحریر ہے۔ اور علی بن عباس یا علی بن عابس کے متعلق بھی ''میزان الاعتدال'' جلد دوم صفحہ ۲۲۸ پر واضح حدیث ہبہ فدک لکھا ہے۔ علامہ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ نے صاف لکھ دیا ہے کہ ہبہ فدک والی حدیث علی مذکور نے گھڑ کر تیار کی ہے۔ ''میزان الاعتدال'' سے معلوم ہوا کہ علی بن عباس نے یہ روایت فضیل بن مرزوق سے اور اس نے عطیہ عوفی سے اور اس نے ابوسعید سے لی ہے۔

جب صورت حال یہ ہے تو پھر پھرا کر سند میں وہی لوگ آ گئے جن پر تحقیق فدک میں تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ اب ہم شیعوں کی بڑی معتبر کتاب رجال مامقانی سے ابراہیم مذکور اور علی مذکور کا رافضی ہونا دکھلاتے ہیں۔ شیخ عبداللہ مامقانی اپنی کتاب ''تنقیح المقال'' کے رجال کی فہرست صفحہ ۷ پر ابراہیم بن محمد بن میمون کا اسم گرامی لکھ کر حَسَنٌ لکھتے ہیں۔ جس کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ یہ بزرگ شیعہ امامیہ اثنا عشریہ ہے۔ اسی طرح علی بن عباس کو بھی فہرست مذکورہ کے صفحہ ۱۰۷ پر امامی لکھ دیا ہے اور کتاب مذکور کی جلد دوم، صفحہ ۲۹۴ پر ان کا معروف ہونا بھی تحریر کیا ہے۔ دیکھو نمبر ۸۳۴۰۔ بلکہ ان کی ایک تصنیف کا بھی ذکر کیا ہے جس کا نام ''فضل شیعہ'' ہے۔

کیا اب بھی کسی کو ابراہیم اور علی بن عابس کے شیعہ ہونے میں شبہ رہ سکتا ہے؟ اور اس روایت کے مشتمل بر طعن صحابہ ہونے میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے...... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث فدک کا بھی ان شاء اللہ یہی حال ہوگا۔ اگر کسی شیعی اہل علم میں ہمت ہے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہبہ کی سند پیش کرے اور قدرت خداوندی کا تماشا دیکھے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ اپنی مشہور ومعروف تفسیر مظہری، جلد پنجم، بابت سورۂ بنی اسرائیل صفحہ ۳۸ پر لکھتے ہیں:

((وایضاً المشهور المعتمد علیه ان فاطمة سالت رسول الله ﷺ فدك ولم یعطها كذا روی عن عمر بن عبدالعزیز ولو كان رسول الله ﷺ اعطها فاطمة لما منعها عنها الخلفآء الراشدون لا سیما علی رضی اللہ عنہ فی خلافته))

(تفسیر مظہری ج ۵ صفحہ ۳۸)

''اور مشہور اور معتمد علیہ بات یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے خدا کے رسول سے فدک طلب کیا تھا۔ پس آپ نے نہیں دیا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اس چیز کے راوی ہیں۔ اور اگر خدا کے رسول نے فدک آپ کو دے دیا ہوتا تو

خلفائے راشدین ہرگز ممانعت نہ کرتے۔ خاص کر حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ تو اپنی خلافت کے زمانہ میں فدک کو آپ کی اولاد سے نہ روکتے۔"

حضرت قاضی صاحب کے استدلال کا مدار حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی روایت کے صحیح ہونے پر ہے۔ اور چونکہ وہ مسلمات بین الفریقین میں سے ہے۔ اس لیے ہبہ فدک کی حدیث کے موضوع ہونے پر برہان عظیم ہے۔

صاحب تفسیر علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث رافضیوں کی گھڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے کیونکہ فضیل بن مرزوق سے ابو یحییٰ تیمی اور حمید بن حماد کے علاوہ کوئی روایت کرنے والا نہیں پایا گیا، اور یہ دونوں بلکہ تینوں رافضی ہیں۔ فضیل بن مرزوق اور ابو یحییٰ تیمی کا مذہب "تحقیق فدک" صفحہ ۱۲۳ پر واضح کر دیا گیا ہے۔ باقی رہ گئے حمید بن حماد، تو ان کے مذہب کی تحقیق کے واسطے دیکھو "تنقیح المقال" جلد اول صفحہ ۳۷۸۔ شیعی محقق علامہ شیخ عبداللہ مامقانی نے حمید بن حماد کو رافضی تسلیم کیا ہے۔

معارج النبوت، رکن چہارم میں ملا معین کاشفی نے صفحہ ۲۲۷ پر ہبہ فدک کی روایت کو درج کیا ہے۔ مگر پوری عبارت دیکھنے سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ وہی حدیث ہے۔ جس کو ملا کلینی نے "اصول کافی" مطبوعہ تہران، باب الفی والانفال صفحہ ۱۵۰ پر لکھا ہے اور میں نے اسی شیعی روایت کو تحقیق فدک صفحہ ۱۱۱ پر نقل کیا ہے۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ "اصول کافی" کی روایت میں وثیقہ لکھ دینے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ملا معین نے یہ ٹکڑا شیعوں کی دوسری روایات سے لے لیا ہے۔ بہر حال ملا معین کاشفی نے حدیث ہبہ فدک اور وثیقہ فدک کتب شیعہ سے نقل کی ہے۔ اس لیے اہل سنت کے یہاں جو حکم شیعی روایت کا ہے وہی ملا معین کی روایت کا ہے۔

ملا معین کی اس کتاب میں جو روش ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تحقیق کی تکلیف برداشت کیے بغیر صحیح اور سقیم روایات کو جمع کر دیا ہے جیسا کہ علامہ عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی اپنی کتاب آثار مرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ، مطبوعہ مطبع یوسفی، لکھنؤ صفحہ ۲۷۵ پر تصریح کر چکے ہیں کہ معارج النبوت ان کتابوں میں سے ہے جو رطب و

یابس کے جمع کرنے والے ہیں فلا یستند بکل ما فیھا الا النائم والناعس۔ یعنی جو کچھ معارج میں لکھا ہے اس کے تمام مندرجات سے وہی استدلال کرے گا جو سو رہا ہے یا اونگھ رہا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ بسلامتی ہوش وحواس کوئی شخص اس کے تمام مندرجات کو قبول نہیں کر سکتا ہے۔

عجالہ نافعہ میں ''معارج النبوت'' کی کوئی تعریف موجود نہیں ہے۔ خدا جانے ماسٹر منظور حسین صاحب کے ساتھ کس نے تمسخر اڑایا ہے۔

دیکھو ''توثیق فدک'' بجواب ''تحقیق فدک'' صفحہ ۱۶۵ پر ماسٹر صاحب نے لکھا ہے کہ ''معارج النبوت'' کوئی معمولی کتاب نہ خیال کریں اس کتاب کی تصدیق شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ نے ''عجالہ نافعہ'' میں کی ہے۔

شرح مواقف میں شیعی اعتراض کے ضمن میں ہبہ فدک کا دعویٰ از جانب سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا مذکور ہے۔ اس چیز کو صاحب کتاب کے نزدیک محقق جاننا اور اس کی واقعیت کا خیال کرنا بڑی ناسمجھی کی دلیل ہے۔ اس شیعی اعتراض کے جواب میں صاحب مواقف نے جو راستہ اختیار فرمایا۔ ہے وہ بالکل شرعی قوانین عدالت کے مطابق ہے اور بر سبیل تنزل ہے۔ مراد آپ کی یہ ہے کہ اگر اس روایت کو تسلیم کر لیا جائے تو بھی جواب موجود ہے۔ اس جواب کے ذکر سے دوسرے جوابات کی نفی کہاں ہو سکتی ہے؟ قصہ مختصر یہ ہے کہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ہبہ فدک کی روایت کی سند دیکھ کر اس کے موضوع ہونے کا حکم دے دیا ہے۔ اور صاحب مواقف نے سند کی جستجو نہیں فرمائی۔ اگر وہ بھی اس حدیث کی سند کی تلاش کر لیتے تو اسی نتیجے پر پہنچتے، جس پر علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ پہنچے ہیں۔

صواعق محرقہ کے مصنف کا حال صاحب مواقف کے حال سے مختلف نہیں ہے۔ آپ نے بھی حدیث ہبہ فدک کا وہی جواب لکھا ہے جو صاحب مواقف نے لکھا ہے اور سند کی جانب توجہ نہیں فرمائی۔

فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۳۸ پر ہبہ فدک کی حدیث کو باسند تحریر کیا گیا ہے اور

یہ چیز ہزار شکریہ کی مستحق ہے۔ خدا تعالیٰ احمد بن یحییٰ بلاذری رحمۃ اللہ کو عالی شان اور عظیم الشان جزا عطا کرے کہ اس نے ہمیں تحقیق کا موقع فراہم کر دیا۔

پہلی سند کے رجال ترتیب وار یوں ہیں۔

① عبداللہ بن میمون مُکتِب ② فضیل بن عیاض ③ مالک بن جعونہ ④ جعونہ۔

دوسری سند کے رجال کی ترکیب یہ ہے:

① روح کرابیسی، ② زید بن حباب، ③ خالد بن طهمان، ④ جعفر بن محمد۔

ان دونوں سندوں سے متعلق جو کچھ دستیاب ہوا ہے وہ پیش خدمت ہے۔

پہلی سند میں جو پہلا راوی نامی عبداللہ بن میمون مکتب ہے وہ ایسا مجہول الحال ہے کہ اس کا تذکرہ نہ سنی علمائے رجال نے کیا ہے اور نہ شیعی فضلائے علم رجال نے اس کا ذکر کیا ہے۔

دوسرا راوی فضیل بن عیاض ہے جس کے متعلق علامہ شیخ عبداللہ مامقانی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں ثقة بلا خلاف امامی علی الاظهر۔ یعنی یہ شخص معتبر تو ہے بلاخلاف، لیکن اس کے شیعی ہونے میں اختلاف ہے۔ میرے نزدیک اس کے امامی ہونے کے دلائل زیادہ واضح ہیں۔

تیسرا راوی مالک بن جعونہ ہے اور چوتھا خود جعونہ ہے۔ ان دونوں راویوں کا ذکر کسی سنی مورخ اور فاضل رجال نے نہیں کیا۔ سخت مجہول ہیں اور شیعہ علمائے رجال نے مالک پسر جعونہ کا تذکرہ نہیں کیا۔ ہاں شیخ عبداللہ مامقانی شیعی نے چوتھے راوی جعونہ کا ذکر کیا ہے۔ مگر ساتھ ہی ان کے مجہول ہونے کا اقرار فرمایا ہے۔

دوسری سند میں پہلا راوی روح کرابیسی ہے جس کے ذکر مبارک سے شیعہ سنی کتب اسمائے رواۃ خالی ہیں۔ یہ شخص مجہول ہونے میں کمال رکھتا ہے۔

دوسرا زید بن حباب ہے یہ بزرگ اگرچہ مجہول تو نہیں ہے مگر علمائے رجال ان کے شیعی ہونے کا اقرار کر رہے ہیں۔

تیسرا راوی خالد بن طہمان ہے۔ ان کو حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ نے شیعہ لکھا ہے اور شیعہ محقق ملا عبداللہ مامقانی بھی ان کے امامی ہونے کا اقرار کر رہے ہیں۔

چوتھے راوی اس روایت کے حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ لکھے ہیں۔ مگر سند میں واضح کر دیا گیا ہے کہ خالد بن طہمان ایک مرد سے روایت کرتے ہیں جس کے بارے میں روح کرابیسی کا خیال یہ ہے کہ وہ امام جعفر صادق علیہ السلام ہوں گے، پس خالد بن طہمان جس شخص سے روایت کرتے ہیں۔ اس کی تعیین میں شبہ پیدا ہوگیا ہے کیونکہ خالد تو ایک مرد سے تعبیر کرتے ہیں اور روح کرابیسی کہتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ اس مرد سے مراد امام جعفر صادق علیہ السلام ہوں گے اس لیے خالد بن طہمان جس بزرگ سے روایت لے رہے ہیں اس کی تعیین اور تشخیص میں اشکال پیدا ہوگیا ہے۔

ناظرین کرام! اب خود ہی انصاف فرمالیں کہ آیا ایسی روایت پر اعتماد کر کے حضرت صدیق اکبر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو محل طعن قرار دیا جا سکتا ہے اور کیا یہ روایت اس قابل ہے کہ اس کو مدنظر رکھ کر کہہ دیا جائے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ہبہ فدک کا دعویٰ کیا تھا؟

معجم البلدان میں یاقوت حموی نے ہبہ فدک کی اس روایت کو اصح روایت کا لقب دیا ہے۔ جس کو احمد بن جابر بلاذری نے اپنی کتاب فتوح البلدان میں اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور جس کے اسناد کے راویوں کا حال ابھی ہم نے معتبر کتب رجال سے نقل کیا ہے۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ یاقوت حموی نے اس روایت کو اصح روایت کیسے لکھ دیا ہے۔ سچ ہے ؏

ہر کسے را بہر کارے ساختند

یاقوت حموی کو تاجر اور سیاح تو تسلیم کیا گیا ہے مگر جہاں تک میرا علم ہے اس شخص کو محدث یا متکلم یا فقیہ کوئی نہیں جانتا، چونکہ آپ سیاح ہیں اس لیے جغرافیہ سے متعلق آپ کی بات قابل اعتبار ہوگی۔ لیکن آپ محدث نہیں ہیں اس لیے کسی حدیث کے بارے میں آپ کا کوئی فتویٰ قابل سماعت نہیں ہوگا۔ فتوح البلدان میں جب سند موجود

ہے اور شیعہ سنی علمائے رجال اس سند کے راویوں کے تذکرے سے خاموش ہیں بلکہ ان کے مجہول الحال ہونے کا اقرار کرتے ہیں تو یہ حدیث سب سے زیادہ صحیح کیسے بن گئی؟ ممکن ہے کہ یاقوت حموی کے نزدیک وہ روایت صحیح کہلاتی ہو جس کے راوی مجہول حضرات ہوں اور راویوں کی مجہولیت میں جس قدر اضافہ ہوتا جائے اسی قدر وہ روایت اصح روایت ہوتی جاتی ہو۔

زراعتی امور میں زراعت پیشہ لوگوں کی بات کا اعتبار کیا جاتا ہے یہاں کسی محدث یا فقیہ کا فتویٰ کام نہیں دیتا۔ اسی طرح شرعی امور میں فقیہ اور محدث کی بات معتبر ہے۔ یہاں کسی زراعت پیشہ کو مجال گفتگو نہیں ہوگی۔ تعجب بالائے تعجب ہے کہ ایک تاجر اور سیاح شخص کو حدیث سے متعلق فتویٰ دینے کا حق کہاں سے حاصل ہوگیا؟ اور اگر اس نے ناروا کارروائی کی ہے تو اس کو معتبر کیوں تسلیم کرلیا گیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ توثیق فدک کے مصنف پہلے سے اس مرض میں مبتلا ہیں۔ وہ ایک پرائمری سکول کے ماسٹر ہیں۔ قرآن وحدیث سے بالکل ناواقف ہیں۔ یہاں تک کہ قرآن ناظرہ طور پر کسی استاد سے نہیں پڑھا۔ صرف ونحو سے پوری طرح بے خبر ہیں۔ مگر شوق پیدا ہوگیا ہے تحقیق فدک کا جواب لکھنے کا۔ پس وہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے جاتے ہیں۔ اور لاعلمی کی وجہ سے اس چیز کو سمجھ نہیں سکتے۔ آپ کے لیے مناسب تھا کہ تعلیم اطفال کے تجربے کی بنا پر کوئی قاعدہ تیار کرتے جو بچوں کی تعلیم کے واسطے بہ نسبت پرانے قاعدوں کے زیادہ مفید ثابت ہوتا۔ انسان کو چاہیے کہ جس فن میں مہارت رکھتا ہو اسی میں گفتگو کرے۔ جو شخص بھی دائرہ مہارت سے قدم باہر رکھے گا وہ ٹھوکر کھائے گا۔

اعلان عام

برائے نام ''توثیق فدک'' کے صفحہ ۱۶۶ پر فتوح البلدان کی روایت کے راوی کا نام مالک بن جعونہ آپ نے درج فرمایا ہے۔ پس راقم الحروف احمد شاہ بخاری کی درخواست ہے کہ اس شخص کے حالات رجال فریقین میں سے نکال کر پیش کریں اور منہ مانگا انعام حاصل کریں۔ ﴿وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾

ایک محدث کا فتویٰ پیش کیا جاتا ہے کون ہے جو علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ کے علم حدیث وفقہ میں ماہر ہونے میں شبہ کرے؟ آپ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں:

((فان قلت رووا ان فاطمة طلبت فدك وذكرت ان رسول الله ﷺ اقطعها اياها وشهد علي رضی اللہ عنہ علىٰ ذلك فلم يقبل ابا بكر شهادته لانه زوجها قلت هذا لا اصل له ولا يثبت به رواية انها ادعت ذلك وانما هو امر مفتعل لا يثبت))

''پس اگر اے مخاطب! تو کہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فدک کا مطالبہ کیا تھا اور ذکر کیا تھا کہ خدا کے رسول ﷺ نے فدک آپ کو دے دیا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس بات پر گواہی دی تھی۔ پس ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس شہادت کو قبول نہیں کیا تھا، اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے خاوند تھے۔ تو جواب میں گزارش کرتا ہوں کہ اس روایت کی بنیاد کوئی نہیں ہے اور کوئی باسند روایت ایسی نہیں جس سے دعویٰ ہبہ فدک ثابت ہو سکے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ روایت من گھڑت ہے جو کبھی ثابت نہ ہو سکے گی۔

(عمدۃ القاری ج ۱۵، صفحہ ۲۰ مطبوعہ مصر)

قاعدہ (۱) کسی حدیث کا بداہت عقل اور صراحت دانش کے خلاف ہونا بھی اس کے موضوع ہونے کا نشان ہے۔ جیسا کہ شیعہ کی معتبر کتاب 'مقیاس الہدایہ'' از شیخ عبداللہ مامقانی صفحہ ۵۲ پر اور اہل سنت والجماعت کی مشہور کتاب ''تدریب الراوی'' صفحہ ۹۹ پر اس قاعدہ کی وضاحت موجود ہے۔ اور ہبہ فدک کی روایت بھی صریح عقل کے خلاف ہے۔ عقل باور نہیں کرتی کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دعویٰ میراث میں ناکامی کی صورت میں ہبہ فدک کا دعویٰ کر دیا ہوگا اور پھر اس میں ناکامی کی صورت میں دعوائے وصیت کر دیا ہوگا۔ جیسا کہ ماسٹر منظور حسین صاحب نے اپنی مزعومہ ''توثیق فدک'' کے صفحہ ۱۶۱ پر ان تینوں دعاوی کا ذکر کیا ہے۔ اگر فدک حاصل کرنے کے لیے

تین وجوہ موجود تھیں تو ایک ہی دفعہ تینوں وجوہ کو کیوں پیش نہ کر دیا گیا؟ بار بار ناکامی مدعی کے وقار پر اثر انداز ہوتی ہے۔کوئی باعزت آدمی یکے بعد دیگرے ناکامیوں سے دوچار ہونے کو پسند نہیں کرتا۔

دعوئے فدک کی ازراہ عقل و عادت بہترین صورت یہ تھی کہ اس مطالبہ کو تینوں وجوہ پر استوار کیا جاتا، اگر حسب مزعومات شیعہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اراضی فدک کے نہ دینے کا پختہ ارادہ کر چکے تھے تو بھی ناکامی صرف ایک دفعہ پیش آتی۔اس بار بار ناکامی کی خواہش کس کے دل میں پیدا ہو سکتی ہے؟ میرے شیعہ حضرات یوں تو ہر ایک بات کو عقل کی کسوٹی پر رگڑنے کے دعوے دار ہیں۔ چنانچہ مولوی محمد بن یعقوب کلینی نے اصول کافی کے آغاز میں، عقل کے قطب شریعت ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔مگر تعجب ہے کہ ہبہ فدک اور وصیت فدک کی روایات کو عقل کی روشنی میں دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ اپنی تفسیر ''روح المعانی'' صفحہ ۶۲ جز ۱۵ مطبوعہ مصر میں تحریر فرماتے ہیں:

((بل طلبها رضی اللہ عنہا ذلك ارثا بعد وفاته علیہ الصلاۃ والسلام كما هو المشهور يابى القول بالصحة كما لا يخفى))

''بلکہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد زمین فدک کا ازراہ وراثت طلب کرنا جیسا کہ مشہور ہے۔ ہبہ فدک کی روایت کے صحیح ہونے کی نفی کرتا ہے۔اس بات میں کوئی خفا نہیں ہے۔''

ناظرین کرام! اگر تفسیر ''روح المعانی'' کی عبارت میں غور کریں گے تو صاف نظر آئے گا کہ سید صاحب موصوف کے نزدیک ہبہ فدک کی حدیث کے موضوع ہونے کی دلیل وہی خلاف عقل ہونا ہے جو راقم الحروف نے اوپر تحریر کیا ہے۔

قاعدہ (۲) کسی حدیث کا صحیح حدیث کے خلاف ہونا بھی اس کے موضوع اور من گھڑت ہونے کی دلیل ہوا کرتا ہے۔ دیکھو تدریب الراوی صفحہ ۱۰۰۔

((اذا رایت الحدیث یباین المعقول او یخالف المنقول او یناقض الاصول فاعلم انه موضوع))

"جس وقت تو دیکھ لے ایک حدیث جو عقل کے خلاف ہے یا وہ صحیح نقل کے خلاف ہے یا وہ مسلم شرعی قاعدوں کے خلاف ہے تو جان لے کہ وہ من گھڑت ہے۔"

ہبہ فدک کی حدیث اس صحیح اور مشہور حدیث کے خلاف ہے جس کو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے صحاح ستہ میں روایت کیا گیا ہے۔ دیکھو "مشکوۃ شریف" جلد دوم، صفحہ ۳۵۶، و "ابوداود" جلد ۲، صفحہ ۴۱۴۔ میں نے اس حدیث کو تحقیق فدک صفحہ ۱۶۷ و صفحہ ۱۶۸ پر مع ترجمہ لکھ دیا ہے جس میں صراحت موجود ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے فدک کی زمین کا مطالبہ کیا تھا۔ لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دینے سے انکار فرما دیا تھا۔ یہ مطالبہ ہبہ کی راہ سے تھا جس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے انکار ہوا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی اس حدیث کو صرف اہل سنت ہی نہیں بلکہ شیعہ مصنفین نے بھی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ یہاں تک کہ ہمارے عزیز ماسٹر منظور حسین صاحب نے اپنی کتاب برائے نام "توثیق فدک" صفحہ ۱۲۶ پر خلیفہ موصوف کے عمل دربارۂ فدک سے تمسک فرمایا ہے۔ پس جب حدیث صحیح روایت کردہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے ثابت ہو گیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ ہبہ زمین مذکورہ دینے سے انکار فرما دیا تھا تو وہ روایت جس میں بحق سیدہ رضی اللہ عنہا فدک کی زمین کے ہبہ کا ثبوت موجود ہے موضوع اور من گھڑت ثابت ہو گئی۔

عمر بن عبدالعزیز اموی رحمہ اللہ و مامون بن ہارون رشید عباسی

اس موقع پر "توثیق فدک" صفحات ۱۶۶، ۱۶۷ پر مذکورہ بالا دونوں بادشاہوں کا فدک کے بارے میں طرز عمل پیش کر کے بڑی خوشی کا اظہار کیا گیا ہے اور یوں سمجھے کہ میدان مار لیا۔ مگر ابھی آپ نے اس میدان کی خاک تک کو بھی چھوا نہیں ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی وہ روایت ابھی پیش کی جا چکی ہے جس میں آپ نے حضرت

سیدہ رضی اللہ عنہا کے مطالبہ فدک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے انکار کا اقرار کیا ہے۔ اور جس کو مشکوۃ شریف صفحہ ۳۵۶، اور ابوداود جلد ۲ صفحہ ۴۱۴ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ تعجب پر تعجب تو یہ ہے کہ مذکورہ بالا روایت کو یاقوت حموی نے بھی ''معجم البلدان'' صفحہ ۲۴۰ پر درج کر دیا ہے۔ لیکن ماسٹر صاحب موصوف نے ادھر دیکھا ہی نہیں یا متعمداً ہضم کر گئے ہیں یا پھر سنی سنائی ہانک رہے ہیں۔ چنانچہ ''معجم البلدان'' صفحہ ۲۴۰ پر ذیل کی عبارت موجود ہے۔

((فلما ولی عمر بن عبدالعزیز خطب الناس وقص قصة فدك وخلوصها لرسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وانه کان ینفق منها ویضع فضلها فی ابناء السبیل وذکر ان فاطمة سالته ان یهبها لها فابی وقال ما کان لك ان تسئلینی وکان لی ان اعطیك وکان یضع ما یاتیه فی ابناء السبیل وانه لما قبض علیہ الصلوۃ والسلام فعل ابوبکر وعمر وعثمان وعلی مثله......))

''جب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بادشاہ ہوئے تو ایک خطبہ میں فدک کا قصہ اور اس کا خالص خدا کے رسول کے لیے ہونے کا بیان فرمایا اور یہ بھی کہا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے اپنے گھروں کا خرچ الگ کر لیتے تھے اور باقی ماندہ مسافروں کے واسطے رکھ دیتے تھے اور یہ بھی ذکر کیا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے ہبہ کر دینے کا سوال کیا تھا اور آپ نے دینے سے انکار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ اے فاطمہ اس کے ہبہ کا سوال تیرے لیے مناسب نہ تھا اور نہ میرے لیے جائز ہے کہ تجھے ہبہ کر دوں اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے یہ بھی اس خطبہ میں بیان کیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی آمدنی کو مسافروں کے لیے رکھا کرتے تھے۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس جہان فانی سے روانہ ہو گئے تو ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم نے بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرح عمل کیا۔''

امید ہے کہ اب تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے عقیدہ اور عمل میں کوئی اشتباہ باقی نہ رہا ہوگا۔ ہاں اتنی بات دوبارہ یاد دلانا چاہتا ہوں کہ صاحب معجم البلدان ایک سیاح اور تاجر ضرور ہوئے ہیں۔ نہ محدث ہوئے ہیں نہ مفسر اور نہ فقیہ اس لیے اگر انھوں نے مذکورہ بالا روایت کے خلاف کوئی فقرہ لکھا ہے اور ضرور لکھا ہے تو لائق تمسک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہی صاحب معجم البلدان مذکورہ بالا روایت کے آخر میں تحریر کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کہا:

((وانی اشهدکم انی رددتها علی ما کانت علیه فی ایام النبی ﷺ وابی بکر و عمر و عثمان و علی))

''یعنی اے لوگو! تم گواہ ہو جاؤ کہ میں نے ارض فدک کو اس حالت پر لوٹا دیا ہے جس حالت پر وہ آنحضور ﷺ ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے ایام میں تھی۔''

ناظرین کرام! فتوح البلدان میں بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی کارروائی کو اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔ پس معلوم ہو گیا کہ جو فقرہ ماسٹر صاحب نے معجم البلدان سے نقل فرمایا ہے وہ خود صاحب معجم البلدان کے اقرار سے مردود ہے۔ اور صحیح روایات کے خلاف ہے۔ اس لیے بھی قابل قبول نہیں ہے۔ ہاں مامون رشید عباسی کے طرز عمل سے بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے زمین فدک اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا پر لوٹا دی تھی۔ مگر یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے طرز عمل کے برخلاف طریق عمل کیا کسی صورت میں قابل سند ہو سکتا ہے؟ مامون رشید عباسی نے جو کارروائی کی ہے یہ سراسر بنی امیہ کے بادشاہوں کی مخالفت کے واسطے کی ہے۔ سیاسیات کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے یہ چیز کوئی انوکھی نہیں ہے۔ اس عباسی بادشاہ کی یہ کارروائی صرف خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ہی خلاف نہیں ہے بلکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بھی خلاف ہے۔ اب شیعوں کے واسطے دو راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کرنا ضروری ہوگا۔ یا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی کارروائی دربارہ فدک کو صحیح تسلیم کریں یا مامون رشید عباسی

کے طرز عمل کو صحیح یقین کریں۔ اگر پہلی راہ پر گامزن ہوتے ہیں تو خلفائے ثلاثہ کی تصدیق لازم آتی اور ہبہ فدک کی روایت موضوع قرار پاتی ہے۔ اگر دوسرے راستہ پر قدم رکھتے ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تردید اور مخالفت لازم آتی ہے اور مامون رشید عباسی کی امامت تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ جس سے امامت کا بارہ کے عدد میں منحصر ہونا باطل ہو جاتا ہے اور یہ بادشاہ تیرھواں امام قرار پاتا ہے۔ اب صاحب توثیق فدک کا فرض ہے کہ مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں سے ایک صورت کے اختیار کرنے کا اخبارات میں اعلان کر دیں۔

الزامیات کا سہارا یہاں بے کار ہوگا۔ کیونکہ اہل سنت کے یہاں قرآن حجت ہے اس کے بعد صحیح حدیث حجت ہے۔ اس کے بعد خلفائے اربعہ راشدین رضی اللہ عنہم کا تعامل حجت ہے اس کے بعد قیاس کا نمبر آتا ہے جو مذکورہ بالا تینوں چیزوں سے لیا گیا ہو۔ کیا اصول مذکورہ میں مامون عباسی کے لیے بھی کوئی گنجائش ہے۔

زید شہید رحمہ اللہ

ماسٹر منظور حسین صاحب شیعی نے اپنی توثیق فدک، صفحہ ۱۷۰ پر حضرت امام زین العابدین رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند حضرت زید شہید رحمہ اللہ کے حوالہ سے ہبہ فدک کے ساتھ قبضہ زمین فدک بھی ثابت کرنے کی سعی کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں حافظ عمر بن شبہ نے کہا کہ زید امام سے کہا گیا کہ فدک ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا سے چھین لیا تھا۔ صواعق محرقہ کی عبارت کا ترجمہ پیش کرنے کے بعد یوں تبصرہ کرتے ہیں۔ چھینی چیز وہی جاتی ہے جو پہلے قبضہ میں ہو۔ اگر فدک جناب زہرا رضی اللہ عنہا کے قبضہ میں نہیں تھا تو روایت بالا میں چھیننے سے کیا مراد ہے؟

جواب میں گزارش یہ ہے کہ صواعق محرقہ کی عبارت میں ایک سوال مذکور ہے جو کسی شخص نے حضرت زید شہید رحمہ اللہ سے کیا۔ اس کے بعد وہ جواب مذکور ہے جو حضرت زید شہید رحمہ اللہ کی جانب سے پیش کیا گیا۔ سوال کی عبارت میں چھین لینے کا مضمون موجود ہے۔ مگر سوال میں درج شدہ چیز سے استدلال کرنا اور جواب کی طرف التفات

نہ کرنا ایک ایسی نئی قسم کی خیانت ہے جس سے منظور حسین صاحب کے سوا کوئی متکلم واقف نہیں ہو سکا۔ عوام الناس کو گمراہ کرنے کی یہ جرأت اور جسارت بھی قابل داد ہے۔ کسی غیر معروف سائل کی عبارت کو حجت بنا لینا، اور حضرت زید شہید رحمہ اللہ کے جواب باصواب کو نظر انداز کر دینا صرف اور صرف جناب ماسٹر صاحب موصوف کا حصہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید شہید رحمہ اللہ سے آپ کو عقیدت نہیں ہے بلکہ دل میں کچھ رنجش ہے۔ ایک تو اس لیے کہ حضرت زید شہید رحمہ اللہ کے جواب کو پسند نہیں کیا۔ دوسرے اس واسطے کہ سوال میں حضرت زید شہید رحمہ اللہ کو جلیل القدر امام ظاہر کیا گیا اور ماسٹر صاحب اس چیز کو ترجمہ میں درج کرنے سے کترا گئے ہیں۔ سوال کی باقی عبارت کو ترجمہ میں لے لیا ہے مگر امامت کے ساتھ جو جلالت قدر کا اقرار تھا وہ موجب خلش خار ہو گیا ہے۔ ماسٹر صاحب کے قلم نے اس کا ترجمہ کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اب میرا فرض ہے کہ حضرت زید شہید رحمہ اللہ کے اس جواب کو بھی نقل کر دوں جو صواعق محرقہ میں موجود ہے:

((ثم قال زید واللہ لو رجع الامر فیھا الی لقضیت بقضاء ابی بکر رضی اللہ عنہ))

''پھر حضرت زید شہید رحمہ اللہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! اگر یہ مقدمہ میرے پاس لوٹ کر آتا تو میں بھی اس کا وہی فیصلہ دیتا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔''

ناظرین کرام! سوچیے اور انصاف کیجیے۔ حضرت زید شہید رحمہ اللہ نے کس صفائی اور جرأت سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تصدیق فرمائی اور خدا کی قسم کھا کر تقیہ کے احتمال کا قلع قمع کر دیا ہے۔ اگر حضرت زید شہید رحمہ اللہ ہبہ کے ساتھ قبضہ کو بھی تسلیم کرتے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کی تصدیق ناممکن تھی۔ کیونکہ قبضہ کا دلیل ملک ہونا مسلمات عالم میں سے ہے۔ صاحب قبضہ کو گواہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی، کیا تمھیں معلوم نہیں کہ صاحب قبضہ مدعا علیہ ہوتا ہے؟ اور گواہوں کا مہیا کرنا مدعی کا کام ہے۔ مدعا علیہ کی قسم کافی شافی اور امر فیصل ہوا کرتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ [illegible]

لوگوں نے ہبہ فدک کی روایت کو گھڑا ہے وہ اس بات کے اقراری ہیں کہ زمین فدک حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے قبضہ میں نہیں تھی۔ اگر قبضہ زمین فدک ان کے خیال کے کسی گوشہ میں موجود ہوتا تو گواہوں کے گورکھ دھندے کی انھیں ضرورت پیش نہ آتی۔ بلکہ حضرت سیدہ کے قبضہ کی صورت میں چونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مدعی ہوتے ہیں۔ اس لیے گواہوں کا فراہم کرنا ان کے فرائض میں داخل تھا۔ پس روایت گھڑنے والوں کے لیے مناسب تھا کہ روایت میں ایسے فقرے درج کرتے جن سے معلوم ہوتا کہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے گواہ طلب کیے۔ جن کی گواہی سے یہ قبضہ ناجائز اور خلاف شرع ثابت ہوتا ہو۔ مگر خلیفہ اول کے پاس اس قبضہ کے ناجائز ثابت کرنے کے لیے کوئی گواہ نہ تھا یا اس نے گواہ پیش کیے جو اصول شریعت کے مطابق اس قبضہ کو ناجائز نہیں ثابت کر سکتے تھے۔ روایت تیار کرنے والوں نے جو گواہوں کی لائن اختیار کی ہے یہ اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ اراضی فدک پر حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کا کوئی قبضہ نہ تھا۔ اگر حضرت زید شہید رحمہ اللہ کے جواب پر غور کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ آپ کے نزدیک بھی ہبہ فدک کی روایت موضوع اور من گھڑت ہے اور ساختہ پرداختہ ہے۔

اب ناظرین کرام کو بخوبی معلوم ہو چکا ہوگا کہ توثیق فدک بجواب تحقیق فدک کے مؤلف نے حضرت زید شہید رحمہ اللہ کے جواب با صواب سے کیوں منہ موڑا؟ اور ساتھ ساتھ تمسک بالثقلین کی حقیقت بھی کھل کر سامنے آ گئی۔ کیونکہ حضرت زید شہید رحمہ اللہ حضرت امام زین العابدین رحمہ اللہ کے فرزند مکرم ہیں کون ہے جو ان کو ثقلین سے خارج کر سکے؟ کس کی مجال ہے کہ آپ کو اہل بیت نبوی سے محروم کر سکے؟ حضرت امام محمد باقر رحمہ اللہ نے حضرت زید شہید رحمہ اللہ کی بہت تعریف کی ہے جیسا کہ شیعوں کی معتبر تصنیفات شاہد ہیں۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۱۱۵

ماسٹر صاحب نے اپنی کتاب ''توثیق فدک'' بجواب ''تحقیق فدک'' صفحہ ۱۷۸ پر

مشہور ومعروف حدیث لا نورث ما ترکناہ فھو صدقة کوایک یتیم حدیث کا لقب دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس کا کوئی راوی نہیں ہے اور خدا کے رسول کے فرمودات میں سے نہیں ہے تحقیق فدک کے پہلے باب میں ہم دلائل قاہرہ سے ثابت کر آئے ہیں کہ اس حدیث کو حضرت علی اور حضرت محمد بن حنفیہ اور حضرت امام محمد باقر، امام جعفر صادق، امام حسین اور امام حسن رضی اللہ عنہم نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ الفاظ میں اگرچہ تفاوت ہے، مگر معانی میں کچھ فرق نہیں ہے۔ اور روایت بالمعنی کے معتبر اور صحیح ہونے کو شیعہ وسنی اصولی طور پر تسلیم کر چکے ہیں۔ باوجود اس کے میراث پیغمبراں کی نفی کی حدیث کو صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مرویہ کہتے چلے جانا ڈھیٹ پن کی انتہا نہیں تو اور کیا ہے؟ جبکہ ہم براہین قاطعہ واستدلالات ساطعہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ ہبہ فدک کی حدیث من گھڑت ہے تو حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت ام ایمن اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کی تکذیب کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جناب ماسٹر صاحب نے مذکورہ بالا ہستیوں کی تکذیب کو اپنی برائے نام ''توثیق فدک'' میں بہت اچھالا ہے۔ کیوں نہ ہو؟ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا مشہور عالم محاورات میں سے ہے۔

خدا کے بندے! حضرت زید شہید رحمہ اللہ اپنے جد امجد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھوٹا تصور کریں گے کیا کسی عقلمند کے زاویۂ دماغ میں یہ بات سما سکتی ہے کہ حضرت زید شہید رحمہ اللہ اپنی جدہ مقدسہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کو غلط گو جانتے تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ حضرت زید شہید رحمہ اللہ کا یہ ارشاد شیعہ نظریات اور رافضی معتقدات کے واسطے زہر قاتل کا حکم رکھتا ہے، اور ان کی تمام من گھڑت روایات کے لیے ایٹم بم سے کچھ کم نہیں اسی واسطے توثیق فدک کے ماسٹر صاحب، مؤلف صواعق محرقہ میں درج شدہ جواب کو پی گئے ہیں۔

وثیقہ فدک

جب ثابت ہو چکا کہ ہبہ فدک کی روایت من گھڑت ہے تو اس پر بنا شدہ نوشتہ فدک کی روایت خود بخود موضوع ثابت ہوگئی۔ ماسٹر صاحب نے اپنی توثیق فدک صفحہ

۱۷۰، ۱۸۳ پر سبط ابن جوزی کے حوالہ سے نوشتہ فدک کو پھاڑ دینے کی نسبت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف کی ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ ابن جوزی رحمہ اللہ کے اس نواسے کے بارے میں بھی ایک مختصر سا نوٹ حوالہ قلم کر دیا جائے۔ سو ناظرین کتاب ہذا کی خدمت گزارش ہے کہ علمائے رجال نے اس ہستی کا نام یوسف اور کنیت ابوالمظفر اور لقب شمس الدین تحریر کیا ہے۔ علامہ حافظ محدث شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب میزان الاعتدال، جلد سوم، مطبوعہ مصر، صفحہ ۳۳۳۔ میزان الاعتدال جلد ۴، صفحہ ۴۷۱، طبع جدید (قاسم شاہ) پر لکھتے ہیں:

((والف کتاب مراۃ الزمان فنراہ یاتی فیہ بمناکیر الحکایات وما اظنہ ثقة فیما ینقلہ بل یجنف ویجازف ثم انہ یترفض ولہ مولف فی ذلک نسال اللہ العافیة))

''ابن جوزی کے اس نواسے نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام مرآۃ الزمان ہے۔ پس اس کتاب میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایسی حکایات لے آتا ہے جو قابل انکار ہوتی ہیں یہ شخص جو کچھ بھی نقل کرتا ہے میں اس کو اس میں قابل اعتبار نہیں جانتا۔ بلکہ یہ شخص تو حق سے ہٹی ہوئی باتیں اور وہ باتیں جو قاعدے کے خلاف ہوں بغیر سوچے سمجھے لکھ جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ بھی ہے کہ وہ رافضیوں کی سی باتیں لکھتا ہے۔ اس نے رافضی مذہب کے حق میں ایک کتاب بھی تالیف کی ہے۔ ہم خدا سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں اس بیماری سے عافیت میں رکھے۔''

اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ واعظ موصوف سے متعلق لسان المیزان جلد ۶ صفحہ ۳۲۸ پر تحریر فرماتے ہیں:

((روی عن جدہ وطائفة والف کتاب مراۃ الزمان فنراہ یاتی فیہ بمناکیر الحکایات وما اظنہ بثقة فیما ینقلہ بل یجنف ویجازف ثم انہ یترفض ولہ مولف فی ذلک نسال اللہ

العافية مات سنة اربع وخمسين وستة مائة بدمشق قال الشيخ محى الدين السوسى لما بلغ جدى مرت سبط ابن الجوزى قال لا رحمه الله كان رافضيا))

''سبط ابن جوزی نے اپنے نانا سے روایت لی ہے اور دوسرے علماء سے بھی روایت کی ہے اور ایک کتاب تاریخ کی بنام ''مراۃ الزمان'' بھی تصنیف کی ہے اس کتاب میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ناپسندیدہ حکایات درج کرتا ہے اور میں اس شخص کو اس کی نقل میں لائق اعتبار نہیں جانتا۔ بلکہ یہ شخص تو حق سے دور باتیں لکھتا ہے اور گپیں ہانکتا ہے۔ پھر یہ بات بھی تحقیقی ہے کہ رافضی ہو گیا تھا، اور اس کی ایک کتاب رافضہ کی تائید میں ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیں اس بیماری سے عافیت میں رکھے۔ ۶۵۴ھ میں دمشق شہر میں وفات پائی۔ حضرت شیخ محی الدین سوسی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب میرے جد امجد کو سبط صاحب کی موت کی اطلاع ملی تو ان کی زبان سے بے ساختہ صادر ہوا خدا اس پر اپنی رحمت نازل نہ کرے وہ تو رافضی تھا۔''

لسان المیزان کی عبارت میں ''میزان الاعتدال'' کی عبارت کے مقابلے میں قدرے تکرار پائی گئی ہے مگر اس تکرار کو ایک خاص فائدہ کے لیے گوارا کر لیا گیا ہے اسی طرح جواہر مضیہ جلد ۲ صفحہ ۲۳۱ پر حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ کی تائید کی ہے۔ اور ''میزان الاعتدال'' کی مذکورہ بالا عبارت کو من وعن نقل کیا ہے۔ ٹھیک اسی طرح کشف الظنون جلد ۲ صفحہ ۱۶۴۷ پر بھی میزان الاعتدال کی تحقیق کی تائید موجود ہے۔ کچھ بعید نہیں کہ لسان المیزان اور میزان الاعتدال اور جوہر مضیہ کا خیر مقام حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب اور مولانا عبدالحی صاحب رحمہما اللہ کی نگاہوں سے اوجھل رہ گیا ہو حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ شمس الدین ذہبی رحمہما اللہ دونوں نے سبط صاحب کی جس تصنیف کی طرف اشارہ کیا ہے وہ تذکرہ خواص الآئمہ ہے جو اول سے آخر تک رفض وتشیع کی ترجمانی کرتی ہے ''شنیدہ کے بود مانند دیدہ'' سبط صاحب کا حنبلی مذہب سے حنفی مذہب

کی طرف منتقل ہونا بھی عجیب ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

((وعندی انه لم ينتقل عن مذهبه الا فی الصورة الظاهرة))

"یعنی میرے نزدیک پختہ بات یہ ہے کہ وہ ظاہری طور پر اپنے مذہب کہنہ سے منتقل ہوا تھا۔ دل سے پرانے مذہب ہی کا معتقد تھا۔"

راقم الحروف کہتا ہے کہ جو شخص ظاہر و باطن کے لحاظ سے دو مذہب رکھ سکتا ہے ظاہر میں حنفی اور باطن میں حنبلی ہوسکتا ہے۔ کیا اس سے یہ بات ممکن نہ ہوگی کہ ظاہر میں حنفی اور باطن میں رافضی ہو؟ مذکورہ بالا عربی فقرہ لسان المیزان جلد ۶ صفحہ ۳۲۸ پر دیکھا جاسکتا ہے۔

عجیب فریب کاری

توثیق فدک صفحہ ۱۷۰ پر لکھتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کچھ نرم ہوکر عطائیگی فدک کا پروانہ بعد تسلیم ہبہ حضرت جناب زہرا رضی اللہ عنہا کو دے دیا تھا۔

اس عبارت میں ہبہ فدک کے تسلیم کر لینے کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے اور اس چیز کے ثبوت کے لیے سیرت حلبیہ، جلد سوم سے ابن جوزی رحمہ اللہ کے نواسے کا کلام نقل کر دیا ہے۔ جس میں ہبہ فدک کا نام ونشان نہیں ہے بلکہ اس فرضی مکتوب میں میراث کا اعادہ کیا گیا ہے کسی شخص کو دعوے اور دلیل میں مطابقت کا فن سیکھنا ہو تو ماسٹر صاحب کی خدمات سے فائدہ اٹھائے۔ شیعہ کے مبلغ اعظم اسماعیل گوجروی جنھوں نے اس کتاب میں اعجاز حسینی کا نظارہ کیا تھا تو بالکل بجا اور درست تھا۔ کس کی مجال ہے کہ آپ کے نظارہ کو مبالغہ بلکہ صریح غلط بیانی قرار دے؟ ہمارے ضمیمہ تحقیق فدک کے مطالعہ سے ناظرین کو اس چیز کی بے شمار مثالیں مل سکتی ہیں۔ اگر اضطراب خوف اطناب نہ ہو جاتا تو ہم توثیق فدک کے ہر صفحہ و ہر سطر کا احتساب کرتے۔

ضمیمہ تحقیق فدک صفحہ نمبر ۱۱۱

ماسٹر صاحب نے توثیق فدک صفحہ ۱۹۱ پر بڑے نازو شیخی کے ساتھ حضرت استاذ البریہ صاحب تحفہ اثنا عشریہ، شاہ عبدالعزیز محدث کے ذمہ لگا ہے کہ آپ نے حضرت

سیدہ رضی اللہ عنہا کا دعویٰ ہبہ فدک کو تسلیم کر لیا ہے۔ اور تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۲۸۰، ۲۸۱ سے عبارت نقل کر دی ہے۔ جب ہم نے اصل کتاب دیکھی تو معلوم ہوا کہ ماسٹر جی مصنف کا مطلب ہی نہ سمجھ سکے۔ حضرت شاہ صاحب کا وہ جواب مندرجہ صفحات بر سبیل فرض و بر طریق تنزل ہے۔ ہبہ فدک کے دعوے کا آپ تحفہ کے صفحہ ۲۷۷ پر بوضاحت لکھ آئے ہیں۔ اس واسطے تکرار سے پرہیز فرمایا۔ دیکھو صفحہ ۲۷۷ پر صاف لکھا ہے:

''جواب ازیں طعن آنکہ دعوئے ہبہ فدک از حضرت زہرا رضی اللہ عنہا و شہادت دادن حضرت علی و ام ایمن یا حسنین رضی اللہ عنہما علیٰ اختلاف الروایات در کتب اہل سنت اصلاً موجود نیست محض از مفتریات شیعہ است۔''

''اس طعن کا جواب یہ ہے کہ حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کی جانب سے دعوائے فدک ہونا اور حضرت علی و ام ایمن یا حضرت امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کا شہادت دینا اہل سنت کی کتابوں میں بالکل نہیں ہے۔ یہ تو صرف شیعہ کی تیار کردہ روایات میں سے ہے۔''

جو شخص ہبہ فدک کے دعوے کو شیعہ کے من گھڑیات کے سلسلہ میں داخل کر رہا ہے چند صفحات گزرنے پر اس کی کسی عبارت سے ہبہ فدک کو تسلیم کر لینے کا نتیجہ نکالنا بھی زمانہ حال کے جدید قسم کے جاہل مصنّفین ہی کا حصہ ہو سکتا ہے۔

ضمیمہ ختم شد

ماسٹر منظور حسین بخاری نے توثیق فدک میں میری تالیف تحقیق فدک پر جو اعتراضات کیے تھے بحمد اللہ میں نے اس ضمیمے میں ان سب کا جواب لکھ دیا ہے۔ ہاں غیر متعلقہ ابحاث نظر انداز کر دی ہیں۔ واقعی توثیق فدک میں بہت سی ایسی بحثیں آ گئی ہیں جن کا اراضی فدک سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

احمد شاہ بخاری
مدرسہ عربیہ دار الہدیٰ چوکیرہ
ضلع سرگودھا

مولانا نے ''مسئلہ فدک'' شیعہ حضرات کی مسلمہ کتب سے مسلک اہلِ سنت وجماعت کے مطابق ثابت کرنے میں اپنا کمال دکھایا ہے۔ شیعہ حضرات اگر انصاف کی نظر سے مولانا کے پیش کردہ دلائلِ نقلیہ اورِ عقلیہ کو ملاحظہ فرمائیں تو انہیں اہلِ سنت کے ساتھ اتفاق کرنے کے سوااور کوئی چارہ کار نہیں۔ اگر مسلمانوں میں شیعہ اور سُنی متفق ہو جائیں تو حمایتِ اسلام کے لیے یہ ایک بے نظیر طاقت بن سکتے ہیں۔

مفسرِ قرآن حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ

اُمید ہے کہ اس جامع کتاب سے ہر مطالعہ کرنے والا انصاف کو مدِ نظر رکھتے ہوئے صحیح نتیجہ اخذ کرے گا اور اس مسئلہ فدک کے اختلاف کو محض تعصب سمجھے گا۔

حضرت مولانا مفتی شفیعؒ

شیعہ حضرات کے لیے بھی رسالۂ مذکورہ مشعلِ ہدایت ہوسکتا ہے بشرطیکہ وہ خشیتِ الٰہی اور انصاف کے جذبہ کے ماتحت اس کا مطالعہ کریں۔

حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ

رسالۂ تحقیق فدک دیکھ کر دل مسرور ہوا۔ بحمدہ تعالیٰ مفید اور محقق دلائل پر مشتمل ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا ادریسؒ (جامعہ اشرفیہ)

دارالکتاب ناشران وتاجران کتب

38- غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ 042-37235094